٤,٤٢

١١٥٢

آفتابِ عدالت

حضرت بقیۃ اللہ الاعظم امام زمانہ روحی فداہ ،

آیت اللہ ابراہیم امینی

ترجمہ: نثار احمد زینپوری

انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۳۷۱۸۵ـ۱۸۷

قم جمہوری اسلامی ایران،

ٹیلی فون نمبر ۲۱۷۴۴

کتاب کا نام : ———— آفتابِ عدالت

مؤلف : ———— آیت اللہ ابراہیم امینی

ترجمہ : ———— نثار احمد زینپوری

ناشر : ———— انصاریان پبلیکیشنز

کتابت : ———— سید قلبی حسین رضوی کشمیری

سال طبع : ———— ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

تعداد : ———— ۳۰۰۰

پریس کا نام : ———— بهمن قم

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم كن لوليك الحجة
بن الحسن صلواتك عليه
وعلى آبائه في هذه الساعة و
في كل ساعة وليا وحافظا
وقائدا وناصرا ودليلا وعينا
حتى تسكنه أرضك طوعا
وتمتعه فيها طويلا

فہرست

پیش گفتار ۱۵
مقدمہ ۱۷
عقیدۂ مہدویت کا آغاز ۲۶
مہدی عترت نبیؐ سے ہیں ۲۸
احادیث مہدی اہل سنت کی کتابوں میں ۳۱
ایک صاحب قلم کا اعتراض ۳۴
ابن خلدون اور احادیث مہدی ۳۴
تواتر احادیث ۳۵
ہر جگہ تضعیف مقدم نہیں ہے ۳۷
شیعہ ہونا تضعیف کا سبب ۳۸
عقیدہ کا اختلاف ۴۰
بے جا تعصب ۴۲
بخاری و مسلم اور احادیث مہدی ۴۴
ضروری وضاحت ۴۶
جواب ۴۸
عقیدہ مہدی مسلم تھا ۴۹
صحابہ اور تابعین کی بحث و گفتگو ۵۰
لوگ مہدی کے منتظر تھے ۵۵
محمد بن حنفیہ ۵۶

محمد بن عبد اللہ بن حسن ۵۷
احادیث مہدی اور فقہائے مدینہ ۵۹
مہدی اور دعبل کے اشعار ۶۲
جعلی مہدی ۶۴
غلط فائدہ ۶۷
جعلی حدیثیں ۶۸
اہل بیت رسولؐ اور گیارہ ائمہؑ نے مہدی کی خبر دی ۶۹
حضرت علیؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۶۹
حضرت فاطمہ زہراؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۰
حضرت امام حسنؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۰
حضرت امام حسینؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۰
حضرت امام زین العابدینؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۱
حضرت امام محمد باقرؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۱
حضرت امام جعفر صادقؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۲
حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۲
حضرت امام رضاؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۳
حضرت امام محمد تقیؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۴
حضرت امام علی نقیؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۴
حضرت امام حسن عسکریؑ نے مہدی کی خبر دی ہے ۷۵
کیا احادیث مہدی صحیح ہیں ۷۵
تصور مہدی ۷۷
رجحان مہدویت کی پیدائش کے اسباب ۷۸
توجیہ کی ضرورت نہیں ہے ۸۱
عبد اللہ بن سبا ۸۲
مہدی تمام مذاہب میں ۸۳

قرآن اور مہدویت	۸۶
نبوت عامہ اور امامت	۸۸
کونسا قانون انسان کی کامیابی کا ضامن ہے	۹۱
سعادت اخروی	۹۴
ترقی کا راستہ	۹۵
عصمت انبیاء	۹۶
امامت پر عقلی دلیل	۹۷
امامت حدیث کی نظر میں	۱۰۰
عالم ہورقلیا اور امام زمانہ	۱۰۶
کیا مہدی آخر الزمان پیدا ہوں گے	۱۰۸
مہدی کی تعریف	۱۰۸
مہدی امام حسینؑ کی اولاد میں سے ہیں	۱۱۱
اگر مہدی مشہور ہوتے	۱۱۴
احادیث اہل بیت تمام مسلمانوں کیلئے حجت ہیں	۱۱۹
علیؑ علم نبی کا خزانہ ہیں	۱۲۳
کتاب علیؑ	۱۲۵
علم نبوت کے وارث	۱۲۶
کیا امام حسن عسکریؑ کے یہاں کوئی بیٹا تھا؟	۱۲۹
امام زمانہ کو بچپنے میں دیکھا گیا	۱۳۳
وصیت میں ذکر کیوں نہیں ہے؟	۱۴۰
دوسرے کیوں خبردار نہ ہوئے؟	۱۴۱
صاحب الامر کی مادر گرامی	۱۴۶
ولادت مہدی اور علماء اہل سنت	۱۵۲
کیا پانچ سال کا بچہ امام ہوتا ہے	۱۵۷
نابغہ بچے	۱۶۰

حضرت قائم کے نام پر کھڑا ہونا ۱۶۳

داستان غیبت کی ابتداء کب ہوئی ؟ ۶۴

امام زمانہ کی ولادت سے پہلے غیبت سے متعلق کتابیں ۶۸

غیبت صغریٰ کبریٰ ۱۷۱

غیبت صغریٰ اور شیعوں کا ارتباط ۱۷۲

کیا توقیعات خود امام کی تحریر تھیں ۱۷۳

نواب کی تعداد ۱۷۴

عثمان بن سعید ۱۷۷

ان کی کرامات ۱۷۹

محمد بن عثمان ۱۸۲

ان کی کرامات ۱۸۳

حسین بن روح ۱۸۴

چوتھے نائب ۱۸۷

ابتداء ہی میں غیبت کبریٰ کیوں واقع نہ ہوئی ۱۸۹

کیا غیبت کبریٰ کی انتہا ہے ۱۹۰

فلسفۂ غیبت ۱۹۲

امام زمانہ اگر ظاہر ہوتے تو کیا حرج تھا ۱۹۵

موت سے ڈر ۱۹۶

کیا امام کی حفاظت کرنے میں خدا قادر نہیں ہے ؟ ۱۹۶

ستمگران کے سامنے سراپا تسلیم ہوجاتے ۱۹۷

خاموش رہو تاکہ محفوظ رہو ۱۹۷

عدم تعرض کا معاہدہ ۱۹۸
مخصوص نواب کیوں معین نہ کئے ۲۰۱

امام غائب کا کیا فائدہ ؟ ۲۰۳

اسلام سے دفاع ۲۰۹

خصوصیات مہدی اہل سنّت کی کتابوں میں ۲۱۱

غیبت علویین ۲۱۶
خلفاء کے زمانے میں سلب آزادی ۲۲۰
فیصلہ ۲۲۴
نتیجہ ۲۲۶

طول عمر کے سلسلے میں تحقیق ۲۲۹

کیا انسان کی عمر کی حد معین ہے ؟ ۲۲۶
طول عمر کے اسباب ۲۳۱
ضعیفی اور اس کے اسباب ۲۳۵
صاحب الامر کی طول عمر ۲۳۹
ژردلتین گلاس کا مقالہ ۲۴۳
طول عمر سے متعلق تحقیقات ۲۴۶
پھر طول عمر ۲۴۹
طول عمر کے بارے میں ۲۵۰
طول عمر ۲۵۲
ایک روسی کتاب کا خلاصہ ۲۵۳
ضعیفی شناسی اور موت شناسی ۲۵۴
فرانسوی بوفون کا فرضیہ ۲۵۵

انسان کی متوسط عمر ۲۵۶
روسی سائنسدان مچنیکوف کا نظریہ ۲۵۷
مستقبل کا انسان طویل عمر پائے گا ۲۵۸
موت کی علت کے سلسلے میں غیر معروف فرضیہ ۲۵۹
نتیجہ ۲۶۱
تاریخ کے دراز عمر ۲۶۴
امام زمانہ کا مسکن ۲۶۷
امام کی اولاد کے ممالک ۲۶۹
جزیرۂ خضراء ۲۷۳
ظہور کب ہوگا ۲۸۳
ظہور کی علامتیں ۲۸۵
سفیانی کا خروج ۲۸۸
دجال کا واقعہ ۲۹۱
دنیا والوں کے افکار ۲۹۷
مستضعفین کی کامیابی ۳۰۴
مہدی ظہور کیوں نہیں کرتے ؟ ۳۱۴
دوسری وجہ ۳۱۹
ظہور کے وقت کو کیسے سمجھیں گے ۳۲۱
قیام کے اسباب ۳۲۳
انتظار فرج ۳۲۶

قیام کے خلاف احادیث کی تحقیق	۳۳۵
اسلام میں حکومت	۳۳۶
امر بہ معروف و نہی عن المنکر	۳۳۸
رسولؐ خدا مسلمانوں کے زمامدار	۳۴۵
اسلامی حکومت رسولؐ کے بعد	۳۴۳
علیؑ جانشین رسولؐ	۳۴۵
زمانہ غیبت میں اسلامی حکومت	۳۴۶
زمانہ غیبت میں مسلمانوں کا فریضہ	۳۴۷
نبوت	۳۵۲
احادیث کی تحقیق و تجزیہ	۳۵۶
حدیث کا مفہوم	۳۵۸
حدیث کا مفہوم	۳۷۱
〃 〃 〃	۳۷۸
〃 〃 〃	۳۸۲
خلاصہ	۳۹۰
نتیجہ	۳۹۲
ظہور کی کیفیت	۳۹۹
کفار کی سرنوشت	۴۰۱
یہود و نصاریٰ کی سرنوشت	۴۰۴
کیا اکثریت قتل کر دی جائے گی	۴۱۰
قم سے معارف اسلام کی اشاعت ہو گی	۴۱۲

جنگ ناگزیر ہے	۴۱۸
حضرت مہدی کا اسلحہ	۴۲۰
دنیا مہدی کے زمانہ میں	۴۲۳
انبیاء کی کامیابی	۴۲۵
مہدی اور نیا آئین	۴۲۷
سرشت مہدی	۴۲۸
توضیح	۴۳۰
مہدی اور نسخ احکام	۴۳۳
کیا دلیل ہے کہ مہدی نے قیام نہیں کیا ہے؟	۴۳۵
سید علی محمد شیرازی	۴۳۶
امام غائب کے وجود کا اعتراف	۴۳۸
سید علی محمد اور احادیث توقیت	۴۴۰
اس کے پیروکار کیا کہتے ہیں ؟	۴۴۱
اپنے پیغمبر ہونے کا انکار کیا	۴۴۲
جھوٹا دعویٰ	۴۴۳
مدارک و مآخذ کتاب	۴۴۵

پیش گفتار

زندہ اور غائب امام حضرت مہدی موعود کے وجود کا عقیدہ اسلامی عقیدہ ہے جو کہ امامیہ مذہب کے ارکان میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ متواتر اور قطعی الصدور احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بہت سے مسائل تحقیق کے محتاج ہیں۔ جیسے: طول عمر، طولانی غیبت، غیبت کی وجہ، زمانہ غیبت میں امام زمانہ کے فوائد، غیبت کے زمانہ میں مسلمانوں کے فرائض، ظہور کی علامتیں، حضرت مہدی کا عالمی انقلاب، آپ کی کامیابی کی کیفیت، حضرت مہدی کی فوج کا اسلحہ، ان کے علاوہ اور دسیوں مسئلے ہیں، کیونکہ مخالفین جوانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان کتابوں اور تقاریر کی صورت میں ان ہی باتوں کو اعتراضات کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان کا جواب دینا ضروری ہے۔ باوجودیکہ امام زمانہ روحی فداہ کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر افسوس کہ لکھنے والے ان اعتراضات کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ لہٰذا ان کا جواب بھی نہیں دیا۔ مؤلف ان اعتراضات سے واقف تھے چنانچہ ان کا جواب دینے کی غرض سے کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا تاکہ امام زمانہ سے متعلق ایسے صحیح مطالب قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں جو کہ ان کی ضرورت کو پورا کر سکیں خدا کی توفیق شامل حال ہوئی اور ۱۳۴۶ھ ش میں یہ کتاب طبع ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ لیکن مؤلف ہمیشہ اس کی تکمیل کی فکر میں رہے اور ہیں۔ چنانچہ ۱۳۴۷ھ ش میں نظر ثانی اور اضافات کے ساتھ دوسرا ایڈیشن طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گیا، اس کے بعد

اگرچہ آج تک یہ کتاب مستقل چھپتی رہی لیکن تجدید نظر کے لئے فرصت نہ مل سکی۔ یہاں تک کہ اس زمانہ میں توفیق نصیب ہوئی اور نئے مطالب جمع ہوگئے۔ لہٰذا نظر ثانی اور سودمند اضافات کے ساتھ شائقین کی خدمت میں حاضر ہے۔ واضح رہے ہمیشہ کی طرح کتاب ہٰذا کی فائل کھلی رہے گی۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اپنی تحقیقات اور مشوروں سے نوازیں۔ شکریہ۔

ابراہیم امینی

قم۔ مارچ ۱۹۹۵ء

مقدمہ

دنیا کے آشفتہ اور افسوس ناک حالات نے لوگوں کو خوف زدہ کر رکھا ہے، اسلحہ کی دوڑ، سرد و گرم جنگ اور مشرق و مغرب کے درمیان صف آرائی اور وحشت ناک بحرانوں نے دنیا والوں کے دل و دماغ کو فرسودہ کر دیا ہے۔ جنگی اسلحہ کی پیداوار اور بہتات نسل آدم کو تہدید کر رہی ہے۔ عالمی دہشت گردوں اور خود سروں نے پسماندہ قوموں کو زندگی کے حق سے بھی محروم کر دیا ہے۔ پسماندہ طبقے کی روز افزوں محرومیت، دنیا کے بیماروں اور بھوکے لوگوں کا استغاثہ و امداد طلبی اور بڑھتی ہوئی بیکاری نے حساس و زندہ دل و خیر اندیش اشخاص کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اخلاقی تنزل، دینی امور سے بے پروائی، احکام الٰہی سے روگردانی، مادہ پرستی اور شہوت رانی میں افراط نے دنیا کے روشن خیال افراد کو مضطرب کر دیا ہے۔

یہ اور ایسے ہی سیکڑوں حالات نے عاقبت اندیشی اور بشر کے خیر خواہ و اصلاح طلب افراد کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اور انسانیت کی تباہی و پستی کے اندیشے کی گھنٹیاں ان کے کانوں میں بج رہی ہیں۔ وہ انسان کی مشکلیں حل کرنے اور عالمی بحران کو دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس لئے ہر در پر دستک دیتے ہیں لیکن جتنی کوششیں کرتے ہیں اتنی ہی مایوسی سے دوچار ہوتے ہیں کبھی اس حد تک مایوس ہو جاتے ہیں کہ انسان کی اصلاح کی قابلیت ہی کا انکار کر دیتے ہیں اور دنیا کے مستقبل کے بارے میں بدظن ہو جاتے ہیں اور اس کے بھیانک نتائج سے لرزہ براندام رہتے ہیں اور دنیائے انسانیت کی مشکلیں حل

کرنے کے سلسلے میں عاجزی کا اظہار کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر، کبھی غیظ و غضب کی شدت کی بنا پر انسانیت کے ارتقاء کے بھی منکر ہو جاتے ہیں اور اس کے علم و صنعت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جبکہ کبھی عام حالات میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ علم و صنعت کی کوئی غلطی نہیں ہے بلکہ سرکش اور خود خواہ انسان اس سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے اور اصلاح کی بجائے اس سے فساد کی طرف لے جاتا ہے۔

دنیا کا مستقبل شیعوں کی نظر میں

لیکن شیعوں نے یاس و ناامیدی کے دیو کو کبھی اپنے پاس نہیں آنے دیا ہے وہ انسان کی عاقبت اور سرنوشت کے بارے میں نیک توقع رکھتے ہیں۔ دنیا کے نیک و شریف انسانوں کو کامیاب تصور کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں (اس بات کو ثابت بھی کر دیا ہے) کہ یہ مختلف قسم کے پروگرام اور بشر کے خود ساختہ دل فریب مسلک انسان کو بدبختی کے گرداب سے نہیں نکال سکتے اور عالمی خطرناک بحران کا علاج نہیں کر سکتے ہیں بلکہ وہ صالح بشر کی کامیابی و سعادت کیلئے صرف اسلام کے متین و جامع قوانین، جن کا سرچشمہ منبع وحی ہے، کو کافی سمجھتے ہیں۔

وہ ایک روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں جس زمانہ میں انسان حد کمال کو پہنچ جائے گا اور دنیا کی حکومت کی زمام ایسے معصوم امام کے ہاتھ میں ہوگی جو کہ غلطی و اشتباہ اور خود غرضی و خود خواہی سے پاک ہوگا۔ کلی طور پر شیعہ امید دار بنانے والے عطیات کے حامل ہیں، انہوں نے اس تاریک زمانہ میں بھی اپنے ذہن میں حکومت الٰہی کا نقشہ بنا رکھا ہے اور اس کے انتظار میں زندگی گزار رہے ہیں اور اس عالمی انقلاب کیلئے

تیار ہیں۔

انتظارِ فرج اور ظہور میں تاخیر کی وجہ

شیعوں کے دشمن جن چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں ان میں سے ایک مہدی موعود پر ایمان اور انتظار فرج ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شیعوں کی پسماندگی کا ایک سبب مصلح غیبی پر ایمان رکھنا ہے۔ اس عقیدہ نے شیعوں کو بے پروا اور کاہل بنا دیا ہے، اجتماعی کوشش سے باز رکھا ہے اور ان سے علمی ترقیات و فکری اصلاحات کی صلاحیت سلب کر لی ہے۔ چنانچہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں ذلیل و رسوا ہیں اور اپنے امور کی اصلاح کیلئے امام مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں۔

ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم شیعہ اور مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب کی تحقیق کریں لیکن اجمالی طور پر یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کے احکام و عقائد مسلمانوں کے انحطاط و پستی کا باعث نہیں بنے ہیں بلکہ خارجی اسباب و علل نے دنیائے اسلام کو پستی میں ڈھکیلا ہے،

یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آسمانی مذاہب میں سے اسلام سے زیادہ کسی نے بھی ملت کی ترقی و عظمت اور اس کے اجتماعی امور کی تاکید نہیں کی ہے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کیلئے ظلم و فساد سے جنگ اور نہی عن المنکر کو لازمی قرار دیا ہے اور اجتماعی و سماجی اصلاحات، عدل پرستی اور امر بالمعروف کو دین کے واجبات میں شامل کیا ہے ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ سارے مسلمانوں پر واجب ہیں تاکہ ایک گروہ خود آمادہ کرے۔

"تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ جو خیر کی دعوت دے ، نیکیوں کا حکم دے برائیوں سے منع کرے اور ایسے ہی لوگ

نجات یافتہ ہیں۔"[1]

بلکہ ان دو فریضوں کو مسلمانوں کے افتخارات میں شمار کرتا ہے اور فرماتا ہے:

"تم دنیا میں بہترین امت ہو کیونکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔"[2]

پیغمبرؐ مسلمانوں کے امور کی اصلاح کی کوشش کو اسلام کا رکن اور مسلمان ہونے کی علامت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "جو بھی دنیائے اسلام کی طرف سے بے پروائی کرے، کوشش نہ کرے، اہمیت نہ دے، وہ مسلمان نہیں ہے۔"

قرآن مجید دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو مسلح اور تیار رہنے کا حکم دیتا ہے:

"جہاں تک ہو سکے دشمنوں کے مقابلہ میں خود کو مسلح و آمادہ کرو اور انھیں دہشت زدہ کرنے کیلئے جنگی توانائی کو مضبوط بناؤ۔"[3]

اب ہم آپ ہی سے پوچھتے ہیں: ان آیتوں اور اس سلسلے میں وارد ہونے والی سیکڑوں احادیث کے باوجود اسلام نے مسلمانوں سے یہ کب کہا ہے کہ وہ دنیا کی علمی ترقی و صنعت سے آنکھیں بند رکھیں اور اسلام کیلئے جو خطرات ہیں انھیں اہمیت نہ دیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کیلئے ظہور امام مہدیؑ کے منتظر رہیں؟! اور دنیائے اسلام پر ہونے والے حملوں کے سلسلے میں خاموش رہیں اور ایک مختصر جملہ "اے اللہ! ظہور مہدی میں تعجیل فرما!" کہہ کر میدان چھوڑ دیں!!

ہم نے اپنی کتاب میں یہ بات تحریر کی ہے کہ انتظار فرج بجائے خود کامیابی کا راز ہے۔ چنانچہ جب کسی قوم و ملت کے دل میں چراغ امید خاموش ہو جاتا ہے اور یاس

---

[1] آل عمران / ۱۰۴ [2] آل عمران / ۱۱۰ [3] انفال / ۶۰

وناامیدی کا دیو اس کے خانہ دل میں جاگزیں ہوجاتا ہے تو وہ کبھی کامیابی وسعادت کا منھ نہیں دیکھ سکتی ہے جو لوگ اپنی کامیابی کے انتظار میں ہیں انھیں اپنے آخری سانس تک کوشاں رہنا چاہئے اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہئے اور مقصد سے بہرہ مند ہونے کیلئے خود کو آمادہ کرنا چاہئے۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ: "ضرور آل محمدؐ کی حکومت قائم ہوگی لہٰذا جو شخص امام زمانہ کے انصار میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے بھرپور طریقہ سے متقی و پرہیزگار بننا اور نیک اخلاق سے آراستہ ہونا چاہئے اور اس کے بعد قائم آل محمدؐ کے ظہور کا انتظار کرنا چاہئے۔ جو بھی اس طرح ہمارے قائم کے ظہور کا انتظار کرے اور اس کی حیات میں مہدیؑ کا ظہور نہ ہو بلکہ ظہور سے قبل ہی مرجائے تو اسے امام زمانہ کے انصار کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا: "کوشش و جانفشانی سے کام لو اور کامیابی کے منتظر رہو، اس معاشرہ کو کامیابی مبارک ہو جس پر خدا کی عنایات ہیں[1]۔"

اسلام نے مسلمانوں کی تیاری کو بہت اہمیت دی ہے، اس کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام صادق نے فرمایا: "ظہور قائم کے لئے تم خود کو تیار رکھو اگرچہ ایک تیر ہی ذخیرہ کرنے کے برابر ہو[2]"

خدا نے مقرر کردیا ہے کہ دنیا کے پراگندہ امور کی مسلمانوں کے ذریعہ اصلاح ہو اور ظلم و ستم کا جنازہ نکل جائے اور کفر و الحاد کی جڑیں کٹ جائیں، پوری دنیا پر اسلام کا پرچم لہرائے کوئی سوجھ بوجھ رکھنے والا اس میں شک نہیں کرسکتا کہ ایسا

---

[1] غیبت نعمانی ص۱۰۶ [2] بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۶۶

عالمی انقلاب مقدمات اور وسائل کی فراہمی کے بغیر ممکن نہیں ہے ۔

قرآن مجید نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ روئے زمین پر حکومت کیلئے شائستگی ضروری ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے : "ہم نے لکھدیا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے صالح بندے ہوں گے۔"[۱] مذکورہ مطالب کے پیش نظر کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس انقلاب کا علم بردار مسلمانوں کو ہونا چاہئے وہ اس کے مقدمات واسباب فراہم نہ کریں اور اس سلسلے میں ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے ؟! میں نہیں سمجھتا ہوں کہ کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم کرے گا۔

ایک پیغام

غیرت دار مسلمانو! غفلت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، خواب غفلت سے اٹھو! اختلافات سے چشم پوشی کرلو، پرچم توحید کے نیچے جمع ہوجاؤ، اپنی زمام مشرق ومغرب کے ہاتھ میں نہ دو، ہر جگہ تہذیب وتمدن انسانیت کے طلایہ دار بن جاؤ۔ اپنی عظمت واستقلال اور تہذیب وتمدن کے محل کو اسلام کے محکم پایوں پر استوار کرو۔ روح قرآن سے الہام حاصل کرو، اسلام کی عزت وسربلندی کی راہ پر چل کھڑے ہو، مشرق ومغرب کے غلط اور زہریلے افکار کو لگام چڑھا دو! بشری تمدن کے قافلے کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لے لو، اپنی عظمت وحریت حاصل کرو، جہالت ونادانی اور فکری جمود وخرافات سے جنگ کرو۔ جوانو! اسلام کے حقائق سے واقفیت پیدا کرو تاکہ استعماری دیو تم سے مایوس ہوجائے اور تمہارے مرز وبوم (سرزمین) سے فرار کر جائے ۔

---

[۱] انبیاء / ۱۰۵

پیارے مسلمانو! عزت و اقتدار شائستہ اور صالح لوگوں سے مخصوص ہے، تم نے اپنی شائستگی کو ثابت کر دیا ہے۔ قرآن کے اجتماعی، اقتصادی اور اخلاقی علوم کے گراں بہا منابع کو حاصل کرو، دنیا والوں کے سامنے اسلام کے تئیں اصلاحی پروگرام کو پیش کرو اور اپنے عمل سے یہ ثابت کردو کہ اسلام صرف عبادت گاہوں میں گوشہ نشینی کی تلقین نہیں کرتا ہے بلکہ وہ بشر کی ترقی و سرفرازی کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ تم دنیا کے خیر اندیش افراد کی امید بندھا دو اور اس مقدس جہاد میں انھیں بھی مدد کرنے کی دعوت دو اور دنیائے انسانیت کے قافلۂ تمدن و خیر خواہی کی قیادت کرو۔

اے جوانان اسلام! اس مقدس جہاد اور انسانیت کے عظیم مقصد و ذمہ داری کو پورا کرنے میں تمہارا بہت بڑا حصہ ہے۔ تمہیں عظمت اسلام، مسلمانوں کی ترقی اور امام زمانہ عج کے مقصد کی تکمیل میں بھرپور طریقہ سے کوشش کرنا چاہیئے۔ تمہیں آفتاب عدالت حضرت مہدیؑ کے اصحاب میں شامل ہونا چاہیئے کہ جن کے بارے میں امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے: "مہدی موعود کے سارے اصحاب و انصار جوان ہوں گے، ان میں بوڑھے کمیاب ہوں گے۔"[1]

ومن اللہ التوفیق

ابراھیم امینی

حوزہ علمیہ قم - ایران

فروردین ۱۳۷۴ھ (مارچ ۱۹۹۵ء)

---

[1] بحارالانوار ج ۵۲ ص ۳۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں نے ایک انٹر کالج میں منعقد ہونے والی محفل میں شرکت کی ۔ یہ باشکوہ محفل ۱۵ شعبان کو امام زمانہ کی ولادت کے سلسلے میں منعقد ہوئی تھی ۔ بڑی ہی آراستہ و پیراستہ محفل تھی، اس میں ہر طبقے کے لوگ شریک تھے جبکہ اکثریت تعلیم یافتہ اور جوانوں کی تھی، اس کا نظم ونسق اس کالج کی انجمن اسلامی کے ہاتھ میں تھا۔

پروگرام کا آغاز ایک کمسن بچے نے کلام پاک کی تلاوت سے کیا۔ اس کے بعد دوسرے طالب علم نے امام زمانہ کے بارے میں اشعار پڑھے، پھر ایک طالب علم کا لکھا ہوا بہت ہی دلچسپ مقالہ پڑھا گیا۔ پروگرام کے اختتام پر مذکورہ کالج کے پرنسپل جناب ہوشیار صاحب نے امام زمانہ کے سلسلے میں بصیرت افروز تقریر کی ۔ اور بعد ازآں شیرینی وغیرہ سے ضیافت کی گئی۔

مذکورہ پروگرام سے سب ہی متاثر تھے لیکن میں ان سب سے زیادہ متاثر تھا۔ میں آرائش اور مہمان نوازی کے وسائل سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ میں ان جوانوں کی پاکیزہ روح سے متاثر ہوا تھا جو کہ دین و دانش کے جمع کرنے کے ساتھ حقائق و معارف کی اشاعت، اور عمومی اذہان و افکار کو روشن کرنے میں بے پناہ کوشش کر رہے تھے ۔ ملت کے نونہالوں کی روح پاکیزگی، بلند ہمتی اور صفائے قلب محفل کے در و دیوار سے عیاں تھی وہ ذوق و شوق اور گرم جوشی سے شرکت کرنے والوں کا استقبال و مدارات کر رہے تھے ۔

ان روشن فکر اور حوصلہ مند جوانوں نے مجھے مسلمانوں کے تابناک مستقبل کے بارے میں مطمئن کر دیا۔ میں نے ان کے دوش پر قوم کی تہذیب و ترقی کا پرچم دیکھا تو میری آنکھوں میں

خوشی کے آنسو ڈبڈبانے لگے اور اس کالج کی انجمن اسلامی اور طلبہ کی کیٹی اور ان کی بلند ہمتی کو میں نے دل کی گہرائی سے سراہا اور خداوند عالم سے ان کی کامیابی کیلئے دعا کی۔

اسی اثناء میں انجینئر مدنی صاحب نے۔ جو کہ جناب ہوشیار صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ کہا "کیا آپ لوگ واقعاً امام غائب عقیدہ رکھتے ہیں؟ کیا آپکے عقیدہ کی بنیاد تحقیق پر استوار ہیں یا تعصب کی بنا پر اس سے دفاع کرتے ہیں؟

ہوشیار: میرا ایمان اندھی تقلید کی بنا پر نہیں ہے۔ میں نے تحقیق و مطالعہ کے بعد یہ عقیدہ قبول کیا ہے، پھر بھی اس عقیدہ پر نظر ثانی اور تحقیق کیلئے تیار ہوں۔

انجینئر: چونکہ امام زمانہؑ کا موضوع میرے لئے بخوبی واضح نہیں ہے اور ابھی تک اس سلسلے میں، میں خود کو مطمئن نہیں کر سکا ہوں اس لئے آپ سے بحث و تبادلہ خیال کے ذریعہ آپکے مطالعہ سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر امامی اور فہیمی: اگر ایسی کوئی نشست کا اہتمام ہوا تو ہم بھی اس میں شرکت کریں گے۔

ہوشیار: جو وقت بھی آپ لوگ مقرر کریں میں حاضر ہوں۔

آخر کار مناظرہ کے لئے ہفتہ کی شب کا تعین ہوا اور اسی پر جشن ختم ہوگیا۔ ہفتہ کی شب میں انجینئر صاحب کے گھر پر مجلس مناظرہ منعقد ہوئی رسمی چائے وغیرہ کے بعد ۸ بجے مناظرہ کی کاروائی شروع کرنے کا اعلان ہوا۔

عقیدۂ مہدویت کا آغاز

ڈاکٹر : اسلامی معاشرہ میں عقیدۂ مہدی کب داخل ہوا ؟ کیا پیغمبر اسلام کے زمانہ میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے یا اس عقیدہ نے آپکی رحلت کے بعد مسلمانوں کے درمیان شہرت پائی ہے ؟ بعض صاحبان قلم نے لکھا ہے کہ : صدر اسلام میں اس عقیدہ کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

ایک جماعت محمد بن حنفیہ کو مہدی کہتی ہے اور ان کے ذریعہ اسلام کے ارتقاء کی خوش خبری سنائی اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو کہا : وہ مرے نہیں ہیں بلکہ رضوی نامی پہاڑ میں چلے گئے ہیں اور ایک دن ظہور کریں گے۔

ہوشیار : عقیدۂ مہدی صدر اسلام ہی سے مسلمانوں کے درمیان مشہور تھا اور پیغمبر اسلامؐ نے ایک بار نہیں بلکہ بار بار مہدیؑ کے وجود کی خبر دی اور کبھی تو امام مہدی کی حکومت اور ان کے اسم و کنیت کو بھی بیان کرتے تھے۔

اس سلسلے میں آپؐ نے جو احادیث بیان فرمائی ہیں وہ شیعہ و سنی طریقوں سے ہم تک پہنچی ہیں، اور تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، ان میں سے چند نمونے کے طور پر آپکے سامنے پیش کرتا ہوں :

عبد اللہ بن مسعود نے پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا : "اس وقت تک دنیا کا خاتمہ نہ ہوگا جب تک میرے اہل بیت سے مہدی نام کا ایک شخص لوگوں

پر حکومت نہیں کرے گا۔"[1]

ابو الجحاف نے بیان کیا ہے کہ رسول خدا نے تین مرتبہ فرمایا: "میں تمہیں مہدی کی بشارت دیتا ہوں۔ جب لوگوں میں شدید اختلاف ہوگا اور سخت مشکلوں میں گھرے ہوں گے اور زمین ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی اس وقت ظہور کریں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے پر کریں گے اور اپنے پیروکاروں کے دلوں کو عبادت اور عدل گستری کے جذبہ سے بھر دیں گے۔"[2]

آپؐ ہی کا ارشاد ہے: "اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک ہمارا برحق قائم قیام نہ کرے گا۔ جب خدا حکم دے گا تو ظہور کرے گا، جو شخص ان کی پیروی کرے گا، نجات پائے گا اور جو روگردانی کرے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔ خدا کے بندو! خدا پر نظر رکھو جب بھی مہدیؑ کا ظہور ہو تو فوراً ان کی طرف دوڑو اگرچہ تمہیں برف کے اوپر ہی سے چل کر جانا پڑے کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ ہیں۔"[3]

آپؐ ہی نے فرمایا ہے: "جو میرے بیٹے قائم کا انکار کرے گویا اس نے میرا انکار کیا ہے۔"[4] نیز فرمایا: "دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک حسینؑ کی اولاد میں سے ایک شخص میری امت کا حاکم نہ ہوگا جو کہ دنیا کو اس طرح عدل و انصاف سے پر کرے گا جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔"[5]

---

[1] بحار الانوار طبع اسلامیہ ۱۳۸۴ھ ج ۵۱ ص ۷۵ - اثبات الھداۃ ط ۱ ج ۷، ص ۹

[2] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۷۴

[3] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۶۵ و اثبات الھداۃ ج ۶ ص ۲۸۲

[4] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۷۳

[5] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۶۶

مہدیؑ عترت نبیؐ سے ہیں

ایسی احادیث بہت زیادہ ہیں بلکہ ان میں سے اکثر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت امام مہدی اور قائم کا موضوع زمانہ رسولؐ میں ایک مسلم عقیدہ تھا اور آپؐ مسلمانوں کے سامنے کسی نئی خبر کے عنوان سے پیش نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے آثار و علامتیں بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے: "مہدی اور قائم میری عترت سے ہوگا۔"

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں: "میں نے رسولؐ خدا کی خدمت میں عرض کی: کیا مہدی موعود ہم میں سے ہوگا یا ہمارے غیر میں سے؟ فرمایا: ہم میں سے ہوگا۔ ان ہی کے ذریعہ خدا دین کو تمام کرے گا جیسا کہ اس کی ابتدا میرے ہاتھ سے ہوئی ہے، اور ہمارے ذریعہ لوگ فتنوں سے نجات پائیں گے جیسا کہ ہمارے ہی وسیلہ سے شرک سے نجات پائی ہے ہمارے طفیل میں خدا ان کے دلوں سے پرانی کدورتیں ختم کرے گا جیسا کہ اس نے شرک و بت پرستی کے زمانہ کی دشمنی کے بعد دین میں انھیں باہم مہربان بنا دیا ہے اور وہ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے ہیں[1]۔"

ابو سعید خدری کہتے ہیں: "میں نے سنا کہ رسولؐ نے بالائے منبر سے فرمایا: مہدی موعود میرے اہل بیت سے ہوگا، آخری زمانہ میں ظہور کرے گا، آسمان ان کے لئے بارش برسائے گا اور زمین سبزہ اگائے گی، وہ زمین کو ایسے ہی عدل و انصاف سے پر کریں گے جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔[2]"

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: "مہدی میری عترت اور

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۸۴ و اثبات الهداة ج ۷، ص ۹۱ و مجمع الزوائد تألیف علی بن ابی بکر ہیثمی ط قاہرہ ج ۷، ص ۳۱۷
[2] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۷۴ و اثبات الهداة ج ۷، ص ۹

اولادِ فاطمہؑ سے ہوگا۔"[۱]

رسولؐ خدا نے فرمایا: "قائمؑ میری ذریت سے ہوگا، اس کا نام میرا نام، اس کی کنیت میری کنیت اور اس کی عادت میری عادت ہے۔ وہ لوگوں کو میرے دین و مذہب اور کتابِ خدا کی طرف بلائے گا۔ جس نے اس کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ جس نے اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا، جس نے اس کی تکذیب کی اس نے میری تکذیب کی، جس نے اس کی تصدیق کی اس نے میری تصدیق کی۔ اور میں اس کی تکذیب کرنے والے اور اس کے بارے میں اپنی حدیث کے انکار کرنے والے اور امت کو گمراہ کرنے والے کی خدا سے شکایت کروں گا۔ ظالم عنقریب اپنے کئے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔"[۲]

ابوایوب انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپؐ نے فرمایا:
"میں پیغمبروں کا سردار ہوں اور علیؑ اوصیاء کے سردار ہیں اور میرے دو بیٹے بہترین بیٹے ہیں۔ ہمارے معصوم ائمہ حسینؑ کی اولاد سے ہوں گے اور اس امت کا مہدی ہم میں سے ہوگا۔"
یہ سن کر ایک صحرانشین شخص اٹھا اور عرض کی: "اے اللہ کے رسولؐ آپؐ کے بعد کتنے امام ہوں گے؟"
فرمایا: "جتنے عیسیٰؑ کے حواری، بنی اسرائیل کے نقباء اور اسباط تھے۔"[۳]

حذیفہ نے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: "میرے بعد اتنے ہی امام ہوں گے جتنے بنی اسرائیل کے نقباء تھے۔ ان میں سے نو حسینؑ کی نسل سے ہوں گے اور اس امت کا مہدی ہم میں سے ہوگا۔ آگاہ ہو جاؤ! وہ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے۔ دیکھو!

۱۔ بحار ج ۵۱ ص ۶۵ ۲۔ بحار ج ۵۱ ص ۷۳

۳۔ اثبات الھداۃ ج ۲ ص ۳۵۱

میرے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔"[1]

سعید بن مسیب نے عمر اور عثمان بن عفان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: "ہم نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔ ان میں سے نو حسینؑ کی اولاد میں سے ہوں گے اور اس امت کا مہدی ہم میں سے ہوگا۔ میرے بعد جو بھی ان سے تمسک کرے گا وہ یقیناً خدا کی مضبوط رسی کو تھام لے گا اور جو انھیں چھوڑ دے گا وہ خدا کو چھوڑ دے گا۔"[2]

---

[1] اثبات الھداۃ ج ۲ ص ۵۳۳

[2] اثبات الھداۃ ج ۲ ص ۵۲۶

احادیث مہدیؑ اہلسنّت کی کتابوں میں

فہیمی: ہوشیار صاحب! احباب جانتے ہیں لیکن آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میرا تعلق اہل سنّت سے ہے اور شیعوں کی احادیث کے بارے میں آپ کی طرح حسن ظن نہیں رکھتا ہوں میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جب کچھ اسباب کی بنا پر شیعہ مہدویت کی داستان کے معتقد ہو گئے تھے اس وقت انہوں نے اپنے عقیدہ کے اثبات کے لئے کچھ حدیثیں گڑھی تھیں اور انھیں پیغمبرؐ کی طرف منسوب کر دیا تھا اور اس احتمال کا ثبوت یہ ہے کہ مہدی سے متعلق حدیثیں صرف شیعوں کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ہماری صحاح میں ان کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ ہاں ہماری غیر معتبر کتابوں میں مہدی سے متعلق چند حدیثیں مرقوم ہیں[1]۔

ہوشیار: اگرچہ بنی امیہ و بنی عباس کے زمانۂ حکومت میں عام طور پر ایک مارشل لا نافذ تھا، حکومت کی طاقت و سیاست اور مذہبی تعصب کی بنا پر اہل بیت کی امامت و ولایت سے متعلق احادیث نہ بیان ہو سکتی تھیں اور نہ کتابوں میں درج ہو سکتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی احادیث کی کتابوں میں مہدی سے متعلق حدیثیں درج ہیں۔ اگر تھکے نہ ہوں تو ان میں سے چند حدیثیں آپ کے سامنے پیش کروں؟

---

[1] المهدیہ فی الاسلام تالیف سعد محمد حسن، طامصر سال ۱۳۷۳، ص ۶۹۔ مقدمہ ابن خلدون طامصر مط محمد ص ۳۱۱

انجینئر: ہوشیار صاحب! آپ سلسلہ جاری رکھیں۔

ہوشیار: فہیمی صاحب! آپ کی صحاح میں مہدی کے نام سے ایک باب منعقد ہوا ہے اور اس میں پیغمبرؐ کی حدیثیں نقل ہوئی ہیں، بطور مثال:

عبداللہ نے پیغمبرؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "دنیا اس وقت تک فنا نہیں ہوگی جب تک عرب کا مالک میرے اہل بیت میں سے وہ شخص نہ ہوگا جس کا نام میرا نام ہے[1]"

اس حدیث کو ترمذی اپنی صحیح میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یہ حدیث صحیح ہے اور مہدی کے بارے میں ابوسعید، ام سلمہ اور ابوہریرہ نے بھی روایت کی ہے۔"

علیؑ بن ابی طالب نے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: "اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہے گا تو بھی خداوندِ عالم اہل بیت میں سے اس شخص کو بھیجے گا جو زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے پُر کرے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی[2]۔"

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: "مہدی میری عترت اور فاطمہؑ کی اولاد سے ہوگا[3]۔"

---

[1] صحیح ترمذی ج۴ باب ماجاء فی المهدی ص۵۱۵ ـ کتاب ینابیع المودة تألیف شیخ سلیمان ط سال ۱۳۰۸ ج ۲ ص۱۸۰ ـ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان تألیف محمد بن یوسف شافعی ط نجف ص۵۰ ـ کتاب نور الابصار ص۱۵۴ مشکوٰة المصابیح ص۲۴۰

[2] صحیح ابی داود ج۲ کتاب المهدی ص۲۰۷ ـ البیان ص۵۹ ـ کتاب نور الابصار تألیف شبلنجی ص۱۵۶ ـ الصواعق المحرقة تألیف ابن حجر ط قاہرہ ص۱۶۱ ـ کتاب فصول المهمه تألیف ابن صباغ ط نجف ص۲۷۵ ـ کتاب اسعاف الراغبین تألیف محمد الصبان۔

[3] صحیح ابی داؤد ج ۲ کتاب المهدی ص ۲۰۷ ـ ابوداؤد در این باب ۱۱ حدیث نقل کرده است۔ صحیح ابن ماجہ باب خروج المهدی ج ۲ ص ۵۱۹ ـ الصواعق ص ۱۶۱ ـ البیان ص ۶۴ ـ مشکوٰة المصابیح تألیف محمد بن عبداللہ خطیب ط دہلی ص ۲۴۰

ابو سعید کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: "ہمارا کشادہ پیشانی اور اونچی ناک والا مہدی زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پر کرے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی اور سات سال حکومت کرے گا۔"[1]

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے رسولؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "مہدی میرے اہل بیت سے ہے۔ خداوند عالم ان کے انقلاب کے اسباب ایک رات میں فراہم کر دے گا۔"[2]

ابو سعید نے رسول خدا سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی اس وقت میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظہور کرے گا اور ۷ یا ۹ سال حکومت کرے گا اور زمین کو عدل و انصاف سے پر کرے گا۔"[3]

ابو سعید نے پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "آخری زمانہ میں میری امت کے سر پر بادشاہ بلائیں اور مصیبتیں لائے گا۔ ایسی بلائیں اور ظلم کہ جو کبھی سنا نہ گیا ہوگا۔ میری امت پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو جائے گی اور ظلم و جور سے بھر جائے گی مسلمانوں کا کوئی فریادرس و پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ اس وقت خداوند عالم میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو کہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پر کرے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی تھی۔ زمین و آسمان کے مکین اس سے راضی ہوں گے۔ اس کے لئے زمین اپنے خزانے اگل دے گی اور آسمان پے در پے بارش برسائے گا۔ ۷ یا ۹ سال لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرے گا۔ اور زمین والوں پر خدا کی رحمتیں اور لطف ہوگا اس کے

---

[1] صحیح ابی داؤد ج۲ کتاب المہدی ص ۲۰۸۔ فصول المہمہ ص ۲۷۵۔ نور الابصار طا مصر ص ۱۷۰۔ ینابیع المودۃ ج۱ ص ۱۶۱

[2] صحیح ابن ماجہ ج۲ باب خروج المہدی ص ۵۱۹۔ اس باب میں ، حدیثیں ذکر ہوئی ہیں ۔ الصواعق المحرقہ ص ۱۶۱

[3] مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۔ باب مسندات ابی سعید الخدری میں مہدی کے بارے ایک حدیث ذکر ہوئی ہے ۔ ینابیع المودۃ ج۲ ص ۲۲۷

پیش نظر مردے زندگی کی آرزو کریں گے"۔[1]

ایسی ہی اور احادیث بھی آپ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن اثبات مدعا کیلئے اتنی ہی کافی ہیں۔

ایک صاحب قلم کا اعتراض

فہیمی : "المہدیہ فی الاسلام" کے مؤلف نے تحریر کیا ہے : "محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن حجاج نیشاپوری نے اپنی صحاح میں مہدی سے متعلق احادیث درج نہیں کی ہیں جبکہ صحاح میں معتبر ترین، نہایت احتیاط و تحقیق کے ساتھ ان میں احادیث جمع کی گئی ہیں، ہاں سنن ابی داؤد، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ایسی احادیث جن کے منقولات میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ چنانچہ منجملہ دوسرے علما کے ابن خلدون نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے"۔[2]

ابن خلدون اور احادیث مہدیؑ

ہوشیار : موضوع کی وضاحت کے لئے بہتر ہے کہ میں آپ کے سامنے ابن خلدون کی عبارت کا خلاصہ پیش کردوں۔ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں : "سارے مسلمانوں کے درمیان یہ بات مشہور تھی اور ہے کہ آخری زمانے میں پیغمبر اسلام کے اہل بیت میں سے ایک شخص ظہور

---

[1] منتخب الاثر ص ۴۷ ۔ الصواعق المحرقہ ص ۱۶۱ ۔ ینابیع ج ۲ ص ۱۷۷

[2] کتاب المہدیہ فی الاسلام ص ۶۹

کرے گا، دین کی حمایت کرے گا اور عدل وانصاف کو فروغ دیگا اور سارے اسلامی ممالک اس کے تسلّط میں آجائیں گے ۔ ان (مسلمانوں) کا مدرک وہ احادیث ہیں جو کہ علماء کی ایک جماعت، جیسے ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، طبرانی اور ابویعلی موصلی کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن مہدیؑ کے منکروں نے ان احادیث کے صحیح ہونے میں شک کا اظہار کیاہے۔ پس ہمیں مہدی سے متعلق احادیث اور ان سے متعلق منکرین کے اعتراضات وطعن کو بیان کرنا چاہئے تاکہ حقیقت روشن ہوجائے۔ لیکن اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ، اگران احادیث کے راویوں کے بارے میں کوئی جرح وقدح ہو تو اصل حدیث ہی غیر معتبر ہوجاتی لیکن ان کے راویوں کے بارے میں عدالت و ثناقت بھی وارد ہوئی ہے تو مشہور ہے کہ ان کا ضعیف ہونا اور ان کی بدگوئی عدالت پر مقدم ہے۔ اگر کوئی شخص ہمارے اوپر یہ اعتراض کرے کہ یہی عیب بعض ان لوگوں کے بارے میں بھی سامنے آتاہے جن سے بخاری ومسلم میں روایات لی گئی ہیں وہ طعن وتضعیف سے سالم نہ رہ سکیں تو ان کے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ ان دو کتابوں کی احادیث پر عمل کرنے کے سلسلے میں علماء کا اجماع ہے اور یہ مقبولیت ان کے ضعف کا جبران کرتی ہے لیکن دوسری کتابیں ان کے پایہ کی نہیں ہیں[1]۔"

یہ تھا ابن خلدون کی عبارت کا خلاصہ، اس کے بعد انہوں نے احادیث کے راویوں کی توثیق وتضعیف سے بحث کی ہے۔

تواتر احادیث

ہمارا جواب: اول تو اہل سنت کے بہت سے علما نے، مہدیؑ سے متعلق احادیث کو

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص۳۱۱

متواتر جانا ہے۔ یا ان کے تواتر کو دوسروں سے نقل کیا ہے اور ان پر اعتراض نہیں کیا ہے، مثلاً: ابن حجر ہیثمی نے "صواعق محرقہ میں"، شبلنجی نے "نور الابصار" میں، ابن صباغ مالکی نے "فصول المہمہ" میں، محمد الصبان نے "اسعاف الراغبین" میں، گنجی شافعی نے "البیان" میں، شیخ منصور علی نے "غایۃ المامول" میں، سویدی نے "سبائک الذہب" میں اور دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں ان احادیث کو متواتر قرار دیا ہے اور یہی تواتر ان کی سند کے ضعف کا جبران کرتا ہے۔

عسقلانی لکھتے ہیں: "خبر متواتر سے یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔"[1]

شافعی فرقہ کے مفتی سید احمد شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ: جو احادیث مہدی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ معتبر ہیں، ان میں سے بعض احادیث صحیح، بعض حسن اور کچھ ضعیف ہیں، اگرچہ ان میں اکثر ضعیف ہیں لیکن چونکہ بہت زیادہ ہیں اور ان کے راوی اور لکھنے والے بھی زیادہ ہیں اس لئے بعض احادیث بعض کی تقویت کرتی ہیں اور انھیں مفید یقین بنا دیتی ہیں۔[2]

مختصر یہ کہ عظیم صحابہ کی ایک جماعت، عبد الرحمٰن بن عوف، ابو سعید خدری، قیس بن صابر، ابن عباس، جابر، ابن مسعود، علی بن ابی طالب، ابو ہریرہ، ثوبان، سلمان فارسی، ابو امامہ، حذیفہ، انس بن مالک اور ام سلمہ اور دوسرے گروہ نے بھی مہدی سے

۱۔ نزهۃ النظر مؤلفہ احمد بن حجر عسقلانی طبع کراچی ص ۱۲

۲۔ فتوحات الاسلامیہ طبع مکہ ج ۲ ص ۲۵۰۔

متعلق احادیث کو نقل کیا ہے اور ان حدیثوں کو علماء اہل سنّت نے لکھا ہے۔

مثلاً ابو داؤد، احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم نسائی، رویانی، ابونعیم، طبرانی، اصفہانی دیلمی، بیہقی، ثعلبی، حموینی، مناوی، ابن مغازلی، ابن جوزی، محمد الصبان، ماوردی، کنجی شافعی، سمعانی، خوارزمی، شعرانی، دارقطنی، ابن صباغ مالکی، شبلنجی، محب الدین طبری، ابن حجر ہیثمی، شیخ منصور علی ناصف، محمد بن طلحہ، جلال الدین سیوطی، سلیمان حنفی، قرطبی، بغوی اور دوسرے لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔[۱]

ہر جگہ تضعیف مقدّم نہیں ہے۔

دوسرے جن افراد کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور ابن خلدون نے ان کے نام تحریر کئے ہیں۔ ان کے بارے میں بعض توثیقات بھی وارد ہوئی ہیں کہ جن سے بعض کو خود ابن خلدون نے نقل کیا ہے اور پھر یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ہر جگہ بطور مطلق تضعیف کو تعدیل پر مقدم کیا جائے، ممکن ہے ضعیف قرار دینے والے کے نزدیک کوئی مخصوص صفت ضعف کا سبب ہو لیکن دوسرے اس صفت کو ضعف کا سبب نہ سمجھتے ہوں۔ پس کسی راوی کو ضعیف قرار دینے والے کا قول اس وقت معتبر ہو گا جب اس کے ضعف کی وجہ بیان کرے۔

عسقلانی اپنی کتاب لسان المیزان میں لکھتے ہیں: "تضعیف تعدیل پر اسی صورت میں مقدم ہو سکتی ہے کہ جب اس کے ضعف کی علت معین ہو اس کے علاوہ ضعیف قرار دینے

---

[۱] یہ تھے اہل سنّت کے ان علما کے نام جنہوں نے مہدی سے متعلق احادیث کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور ان کی کتابیں رائج تھیں لیکن ان سب کی کتابیں دسترس میں نہیں تھیں، لہٰذا دوسری کتابوں سے نقل کیا ہے۔ مہدی خراسانی نے کتاب البیان پر بہترین مقدمہ لکھا ہے اس میں علمائے اہل سنّت کے ۲۰ نام لکھے ہیں۔

والے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بغدادی کہتے ہیں کہ: "جن احادیث سے بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے تمسک کیا ہے۔ باوجودیکہ ان میں سے بعض راویوں کو ضعیف اور مطعون قرار دیا گیا ہے ان کے بارے میں یہ کہنا چاہئے کہ ان حضرات کے نزدیک ان (راویوں) کا ضعیف و مطعون ہونا ثابت نہیں تھا"[۱]

خطیب لکھتے ہیں کہ: اگر تضعیف و تعدیل دونوں برابر ہوں تو تضعیف مقدم ہے۔ لیکن اگر تضعیف تعدیل سے کم ہو تو اس سلسلے میں کئی قول ہیں۔ بہترین قول یہ ہے کہ تفصیل کے ساتھ یہ کہا جائے کہ اگر ضعف کا سبب بیان ہوا ہے تو ہماری نظر میں مؤثر ہے اور تعدیل پر مقدم ہے لیکن سبب بیان نہ ہونے کی صورت میں تعدیل مقدم ہے"[۲]

مختصر یہ کہ ہر جگہ تعدیل کو بطور مطلق تضعیف پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ مسلم ہو کہ ہر قسم کی تضعیف مؤثر ہے تو طعن و قدح سے بہت ہی مختصر حدیثیں محفوظ رہیں گی۔ اس سلسلے میں نہایت احتیاط اور کوشش و سعی کرنا چاہئے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

شیعہ ہونا تضعیف کا سبب

راوی کے ضعیف ہونے کے اسباب میں سے ایک اس کا شیعہ ہونا بھی شمار کیا گیا ہے، مثلاً ابن خلدون نے فطن بن خلیفہ جو کہ مہدی سے متعلق احادیث کا ایک راوی ہے، کو شیعہ ہونے کے جرم میں غیر معتبر قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں تحریر کیا ہے:

۱۔ لسان المیزان مؤلفہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی طبع اول ج ا ص۲۵

۲۔ لسان المیزان ج ا ص ۱۵

"عجلی کہتا ہے: قطن حدیث کے اعتبار سے بہت اچھا ہے لیکن تھوڑا سا تشیعت کی طرف مائل ہے۔"

احمد بن عبداللہ بن یونس لکھتا ہے: "میں نے قطن کو دیکھا لیکن اسے کتے کی طرح چھوڑ کر نکل آیا۔" ابوبکر بن عیاش لکھتا ہے: میں نے قطن کی احادیث کو صرف اس کے مذہب کے فاسد ہونے کی بنا پر چھوڑ دیا ہے۔"

جبکہ احمد، یحیٰی بن قطاف، ابن معین، نسائی اور دوسرے لوگوں نے اسکی توثیق کی ہے[1]

اس کے بعد ابن خلدون ان احادیث کے راوی ہارون کے بارے میں لکھتا ہے: "ہارون شیعہ اولاد سے تھا[2]" ایک گروہ نے ان احادیث کے راوی یزید بن ابی زیاد کو مجمل انداز میں ضعیف قرار دیا ہے اور بعض نے ان کے ضعف کی وضاحت کی ہے چنانچہ محمد بن فضیل ان کے متعلق لکھتا ہے: "وہ سربرآوردہ شیعوں میں سے ایک تھے" اور ابن عدی کہتے ہیں: "وہ کوفہ کے شیعوں میں سے تھے[3]"

ابن خلدون عمار ذہبی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "اگرچہ احمد، ابن معین، ابوحاتم، نسائی اور بعض دوسرے افراد نے عمار کی توثیق کی ہے لیکن بشر بن مروان نے شیعہ ہونے کی بنا پر انھیں قبول نہیں کیا ہے[4]"

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱۳

[2] " " " ص ۳۱۴

[3] " " " ص ۳۱۸

[4] " " " ص ۳۱۹

عبدالرزاق بن ہمام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "انہوں نے فضائل اہلبیت میں حدیثیں نقل کی ہیں اور شیعہ مشہور ہیں"۔[1]

عقیدہ کا اختلاف

ایک اور چیز جو اکثر راوی کی تضعیف کا سبب ہوتی ہے اور جس سے وہ نیک اور سچے کو بھی متہم کر دیتے ہیں اور ان کی حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں وہ عقیدہ کا اختلاف ہے۔ مثلاً اس زمانہ میں ایک حساس اور قابل تفتیش و متنازع موضوع خلق قرآن کا شاخسانہ تھا ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق نہیں ہے بلکہ قدیم ہے دوسرا کہتا تھا قرآن مخلوق و حادث ہے۔ ان دونوں گروہوں کی بحث و کشمکش اور جھگڑے اس حد تک پہنچ گئے کہ ایک نے دوسرے کو کافر تک کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ احادیث کے راویوں کی ایک بڑی جماعت کو قرآن کے مخلوق ہونے کے عقیدہ کے جرم میں ضعیف و کافر قرار دیدیا گیا۔

صاحب "اضواء علی السنة المحمدية" لکھتے ہیں: علما نے راویان احادیث کی ایک جماعت، جیسے ابن لھیعہ، کو کافر قرار دیدیا۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ قرآن کو مخلوق کہتا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر محاسبی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: "انہوں نے اپنے باپ کی میراث سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا: دو متفرق مذاہب کے ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے، مجھے والد کی میراث نہیں چاہئے۔ میراث سے انکار کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد واقفی تھے یعنی قرآن کے مخلوق ہونے یا مخلوق نہ ہونے کے سلسلے میں متردد تھے"۔[2]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۲۰

[2] اضواء علی سنة المحمدیہ طبع اول ص ۳۱۶

جیسا کہ شدید مذہبی تعصب اور عقیدوں کا اختلاف اس بات کا سبب ہوا کہ وہ لوگوں کی سچائی اور امانت داری کو نظر انداز کردیں اور ان کی احادیث کو مسترد کردیں۔ اسی طرح مذہب وعقیدے کے اتحاد کی وجہ سے لوگ اپنے ہم مسلک افراد کے جرائم اور برائیوں سے چشم پوشی کرنے اور ان کی تعدیل و توثیق کا باعث ہوا مثلاً عجلی، عمرو بن سعد کے بارے میں کہتا ہے: وہ موثق تابعین میں سے تھے اور لوگ ان سے روایت کرتے تھے۔ جبکہ عمرو بن سعد حسین بن علی یعنی جوانان جنت کے سردار رسول خدا کے پارۂ دل کا قاتل تھا۔[۱]

اسی طرح بسر بن ارطاۃ ایسے کہ جس نے معاویہ کے حکم سے ہزاروں بے گناہ شیعوں کو قتل کیا تھا اور جانشین رسول خدا حضرت علی بن ابی طالب کو کھلم کھلا برا بھلا کہتا تھا۔ نجس انسان کو اس ننگ و عار کے باوجود مجتہد اور قابل درگزر قرار دیتے ہیں۔[۲]

عتبہ بن سعید کے بارے میں یحیی بن معین کہتا ہے وہ ثقہ ہیں، نسائی، ابوداؤد اور دارقطنی نے بھی اسے ثقہ جانا ہے جبکہ عتبہ حجاج بن یوسف جیسے ظالم شخص کا مددگار تھا۔

بخاری نے اپنی صحیح میں مروان بن حکم سے روایات نقل کی ہیں اور اس پر اعتماد کیا ہے۔ حالانکہ جنگ جمل کے شعلے بھڑکانے والوں میں سے ایک مروان بھی تھا اور حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کیلئے طلحہ کو برانگیختہ کیا تھا۔ اور پھر اثنائے جنگ میں انھیں قتل کردیا تھا۔[۳]

۱۔ اضواء علی سنۃ ص ۳۱۹

۲۔ 〃 〃 〃 ص ۳۲۱

۳۔ 〃 〃 〃 ص ۳۱۷

یہ باتیں مثال کے طور پر لکھی گئی ہیں تاکہ قارئین مصنفین کے طرز فکر، فیصلہ کے طریقے اور عقیدہ کے اظہار سے آگاہ ہو جائیں اور یہ جان لیں کہ محبت و بغض اور تعصب نے انھیں کس منزل تک پہنچا دیا ہے۔

اضواء کے مولف لکھتے ہیں کہ ذرا ان علما کے فیصلہ کو ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ اس نے اس شخص کی توثیق کر دی جو علیؑ کی شہادت پر راضی، طلحہ کا قاتل اور حسین بن علیؑ کی شہادت کا ذمہ دار تھا۔ لیکن اس کے برخلاف بخاری اور مسلم جیسے لوگوں نے امت کے علماء و حافظوں، جیسے حماد بن مسلمہ اور مکحول ایسے عابد و زاہد کو رد کر دیا ہے[1]۔

مختصر یہ کہ جو شخص اہل بیت اور حضرت علیؑ کے فضائل میں یا شیعوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو متعصب لوگ اس کی حدیث کی صحت کو مخدوش بنا دیتے تھے اور سرکاری طور پر اس کی حدیثوں کے مردود ہونے کا اعلان کر دیا جاتا تھا اور اگر کسی شخص کا شیعہ ہونا ثابت ہو جاتا تھا تو اس کے لئے بغض و عناد اور اس کی حدیث کو ٹھکرانے کیلئے اتنا ہی کافی ہوتا تھا۔ اگر آپ جریر کے کلام میں غور کریں تو عامۃ المسلمین کے تعصب کا اندازہ ہو جائے گا، جریر کہتے ہیں: میں نے جابر جعفی سے ملاقات کی لیکن ان سے حدیثیں نہیں لی ہیں کیونکہ وہ رجعت کا عقیدہ رکھتے تھے[2]۔

بے جا تعصب

غرض مندی اور بے جا تعصب تحقیق کے منافی ہے۔ جو شخص حقائق کی تحقیق کرنا

---

[1] اضواء ص ۳۱۹

[2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۱

چاہتا ہے اسے تحقیق سے پہلے خود کو بغض و عناد اور بے جا تعصب سے آزاد کر لینا چاہیے، اور اس کے بعد غیر جانبدار ہو کر مطالعہ کرنا چاہیے۔ اگر تحقیق کے دوران کوئی چیز حدیث کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے تو اس حدیث کے راویوں کی وثاقت سے بحث کرے، اگر ثقہ ہیں تو ان کی روایتوں پر اعتماد کرے، خواہ سنّی ہوں یا شیعہ۔ یہ بات طریقہ تحقیق کے خلاف ہے کہ ثقہ راویوں کی احادیث کو شیعہ ہونے کے الزام میں رد کر دیا جائے۔ عامۃ المسلین سے منصف مزاج حضرات اس بات کی طرف متوجہ رہے ہیں۔

عسقلانی لکھتے ہیں: جن مقامات پر تضعیف کرنے والے قول پر توقف کرنا چاہیے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تضعیف کرنے والے اور جس کی تضعیف کی گئی ہے ان کے درمیان عقیدہ کا اختلاف اور عدالت و دشمنی ہو مثلاً ابو اسحاق جوزجانی، ناصبی تھا اور کوفے والے شیعہ مشہور تھے۔ اس لئے اس نے ان کی تضعیف میں توقف نہیں کیا اور سخت الفاظ میں انھیں ضعیف قرار دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اعمش، ابونعیم اور عبیداللہ ایسے احادیث کے ارکان کو ضعیف قرار دیدیا ہے۔ قشیری کہتے ہیں: "لوگوں کی اغراض و خواہشیں آگ کے گڑھے ہیں۔ اگر ایسے موارد میں راوی کی توثیق وارد نہ ہوتی ہو تو تضعیف مقدم ہے۔"[1]

ابان بن تغلب کے حالات لکھنے کے بعد محمد بن احمد بن عثمان ذھبی لکھتے ہیں "اگر ہم سے یہ پوچھا جائے کہ بدعتی ہونے کے باوجود تم ابان کی توثیق کیوں کرتے ہو تو ہم جواب دیں گے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک چھوٹی بدعت ہے جیسے تشیع میں غلو

---

[1] لسان المیزان ج ۱ ص ۱۶

یاتشیع بغیر انحراف ۔ البتہ تابعین اور تبع تابعین میں ایسی بدعت رہی ہے اس کے باوجود ان کی سچائی، دیانت داری اور پرہیزگاری باقی رہی اگر ایسے افراد کی احادیث رد کرنا ہی مسلم ہے تو نبیؐ کی بے شمار حدیثیں رد ہو جائیں گی اور اس بات میں قباحت ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے ۔ دوسری قسم بدعت کبریٰ ہے یعنی مکمل رافضی ۔ رافضیت میں غلو اور ابوبکر و عمر کی بدگوئی ۔ البتہ ایسے راویوں کی حدیثوں کو رد کر دینا چاہئے اور ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے[۵] ۔ مختصر یہ کہ ان تضعیفات پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے بلکہ بھرپور کوشش اور چھان بین سے راوی کی صلاحیت اور عدم صلاحیت کا سراغ لگانا چاہئے ۔

بخاری و مسلم اور احادیث مہدیؑ

چوتھے یہ کہ اگر کوئی حدیث بخاری و مسلم میں نہ ہو تو یہ اس کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ بخاری و مسلم کے مؤلفوں کا مقصد تمام حدیثوں کو جمع کرنا نہیں تھا۔

دارقطنی لکھتے ہیں ایسی بہت سی حدیثیں موجود ہیں جنھیں بخاری و مسلم نے اپنی صحاح میں نقل نہیں کیا ہے جبکہ ان کی سند بالکل ایسی ہے جیسی ان احادیث کی ہے جو انھوں نے نقل کی ہیں ۔

بیہقی لکھتے ہیں : مسلم و بخاری کا ارادہ تمام حدیثوں کو جمع کرنے کا نہیں تھا ۔ اس بات کی دلیل وہ احادیث ہیں جو کہ بخاری میں موجود نہیں لیکن مسلم میں نہیں ہیں اور مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں ہیں[۲] ۔

۵۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵

۲۔ صحیح مسلم بشرح امام نووی ج ۱ ص ۲۴

اور جیسا کہ مسلم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح حدیثوں کو نقل کیا ہے تو ابو داؤد بھی اسی کے مدعی ہیں۔

ابو بکر بن داسہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو داؤد کو کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے اپنی کتاب میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں لکھی ہیں جو کہ سب صحیح یا صحیح کے مشابہ ہیں۔

ابو الصباح کہتے ہیں کہ ابو داؤد سے نقل ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے صرف صحیح یا صحیح سے مشابہ احادیث نقل کی ہیں اور اگر کوئی حدیث ضعیف تھی تو میں نے اس کے ضعف کا بھی ذکر کر دیا ہے پس جس حدیث کے بارے میں، میں نے خاموشی اختیار کی ہے اسے معتبر سمجھنا چاہئے۔

خطابی کہتے ہیں: سنن ابی داؤد ایک گراں بہا کتاب ہے، اس جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جو کہ مسلمانوں میں مقبول ہوئی ہو جیسے عراق، مصر، مغرب اور دوسرے علاقے کے علما میں مقبولیت حاصل ہوئی ہو[1] مختصر یہ کہ بخاری اور مسلم اور دوسری کتابوں کی احادیث اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ ان کی صحت و ضعف سے باخبر ہونے کیلئے ان کے راویوں کی تحقیق کی جائے۔

پانچویں یہ کہ بخاری و مسلم، جن کی احادیث کی صحیح ہونے کا آپ کو اعتراف ہے، میں بھی مہدی سے متعلق احادیث موجود ہیں اگرچہ ان میں لفظ مہدی نہیں آیا ہے، منجملہ ان کے یہ حدیث ہے:

پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے

---

[1] مقدمہ سنن ابی داؤد

جبکہ تمہارا امام خود تم ہی سے ہو گا۔

ضروری وضاحت

ابن خلدون کے بارے میں یہ بات کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ مہدیؑ سے متعلق احادیث کو کلی طور پر قبول نہیں کرتے ہیں بلکہ انھیں قابل رد سمجھتے ہیں کیونکہ جیسا کہ پہلے بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس عالم نے یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ بات مشہور تھی اور ہے کہ آخری زمانہ میں پیغمبرؐ کے اہل بیت میں سے ایک شخص اٹھے گا اور عدل و انصاف قائم کرے گا۔ اجمالی طور پر یہاں انہوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مہدیؑ موعود کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان مشہور تھا۔ دوسرے یہ کہ راویوں کے بارے میں رد و قدح اور جرح و تعدیل کے بعد لکھتے ہیں:

"مہدی موعود کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور کتابوں میں درج ہیں ان میں سے بعض کے علاوہ سب مخدوش ہیں۔" یہاں بھی ابن خلدون نے کلی طور پر مہدی سے متعلق احادیث کو قابل رد نہیں جانا ہے بلکہ ان میں سے بعض کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

تیسرے یہ کہ مہدی موعود سے متعلق احادیث انھیں روایتوں میں منحصر نہیں ہیں جن کی ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں جرح و تعدیل کی ہے بلکہ شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں اور بھی بہت سی متواتر و یقینی آور احادیث موجود ہیں کہ جن کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ ابن خلدون کی دسترس میں ہوتیں تو وہ مہدی موعود کے عقیدہ جو کہ مذہبی بنیادوں پر استوار ہے، جس کا سرچشمہ وحی ہے، کے بارے میں کبھی تشکک نہ کرتے مذکورہ مطالب سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ ابن خلدون نے مہدی سے متعلق احادیث

کو قطعی قبول نہیں کیا ہے۔ ایسا نظریہ رکھنے والے لوگوں کے بارے میں یہ کہا جائے کہ "دیگ سے زیادہ چمچا گرم ہے۔"

ابن خلدون اس بحث کے خاتمہ پر لکھتے ہیں: "ہم نے پہلے ہی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ جو شخص انقلاب لانا چاہتا ہے اور لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانا چاہتا ہے اور طاقت جمع کر کے حکومت قائم کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے مقصد میں اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب اس کے قوم قبیلے والوں کی اکثریت ہو اور خلوص کے ساتھ اس کی حمایت کرتے ہوں اور مقصد کے حصول کے سلسلے میں اس کے مددگار ہوں دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ خاندانی تعصب کی بنا پر اس سے دفاع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کامیابی ممکن نہیں ہے۔ مہدی موعود کے عقیدہ کے سلسلے میں بھی یہ مشکل پیدا ہوتی ہے کیونکہ فاطمیین بلکہ طائفہ قریش ہی پراگندہ اور منتشر ہو گیا ہے اور اب ان میں خاندانی تعصب باقی نہیں رہا ہے بلکہ اس کی جگہ دوسرے تعصبات نے لے لی ہے، ہاں حجاز و ینبع میں حسنؓ و حسینؓ کی اولاد میں سے کچھ لوگ آباد ہیں جن کے پاس طاقت و رسوخ ہے البتہ وہ بھی صحرا نشین ہیں جو کہ مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے ہیں، پھر ان کے درمیان اتحاد و اتفاق نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم مہدی موعود کے عقیدہ کو صحیح مان لیں تو ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ مہدی انھیں میں سے ظاہر ہوں گے اور ان لوگوں میں بھی اتفاق و اتحاد پیدا ہو جائے گا اور وہ قومی تعصب کی بنا پر ان کی حمایت کریں گے اور مقصد کے حصول کی وجہ سے ان کی مدد کریں گے، اس لحاظ سے تو ہم مہدی کے ظہور اور ان کے انقلاب و تحریک کا تصور کر سکتے ہیں اس کے علاوہ ممکن نہیں ہے۔[1]"

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۲۷

جواب

اس بات کے جواب میں یہ کہنا چاہئے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔ طاقت جمع کرنا چاہتا ہے، حکومت تشکیل دینا چاہتا ہے تو وہ اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے ایک گروہ سنجیدگی سے اس کی مدد و حمایت کرے۔ مہدی موعود اور ان کے عالمی انقلاب کیلئے بھی یہی شرط ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ان کی حمایت کرنے والے صرف علوی سادات اور قریش ہوں گے۔ کیونکہ اگر ان کی حکومت قوم و قبیلے کی حد تک محدود ہوتی تو ان کے طرف دار قوم و قبیلے کے لحاظ سے ان کی مدد کرتے جیسا کہ طوائف الملوکی کے زمانہ میں اسی نہج سے حکومتیں قائم ہوتی تھیں، بلکہ یہ عام بات ہے کہ جو حکومت محدود اور خاص عنوان کے تحت قائم ہوتی ہے تو اس کے حمایت کرنے والے بھی محدود ہوتے ہیں خواہ وہ حکومت قومی ملکی، اقلیمی یا مکتبی و مقصدی ناقص ہے۔

لیکن اگر کوئی کسی خاص مقصد اور منصوبہ کے تحت حکومت قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کے پاس اس منصوبہ اور مقصد کے ہمنواؤں کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ایک گروہ اس منصوبہ کو صحیح طریقہ سے جانتا ہو اور اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے سنجیدگی سے جدوجہد کرتا ہو اور مقصد کے حصول کے سلسلے میں اپنے قائد کی حمایت کرتا ہو اور قربانی دینے سے دریغ نہ کرتا ہو۔ مہدی موعود کی عالمی حکومت بھی ایسی ہی ہے۔ ان کا منصوبہ بھی عالمی ہے وہ بشریت کو جو کہ تیزی کے ساتھ مادیت کی طرف بڑھ رہی ہے اور الٰہی قوانین سے روگرداں ہے۔ آپ اسے

الٰہی احکام اور منصوبہ کی طرف متوجہ کریں گے اور اس دقیق منصوبہ کو نافذ کرکے اس کی مشکلیں حل کریں گے۔ بشریت کے ذہن سے موہوم سرحدوں کو، جو کہ اختلاف و کشمکش کا سرچشمہ ہیں باہر نکال کر اسے توحید کے قوی پرچم کے نیچے جمع کریں گے۔ آپ دین اسلام اور خدا پرستی کو عالمی بنائیں گے۔ اسلام کے حقیقی قوانین نافذ کرکے ظلم و بیدادگری کا قلع قمع کریں گے اور پوری کائنات میں عدل و انصاف اور صلح و صفا پھیلائیں گے۔

ایسی عظیم تحریک اور عالمی انقلاب کی کامیابی کیلئے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ حجاز اور مدینہ کے اطراف میں بکھرے ہوئے علوی سادات کافی ہیں۔ بلکہ اس کیلئے تو عالمی تیاری ضروری ہے۔ مہدی موعود کی کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب غیبی تائید کے علاوہ ایک طاقت ور گروہ وجود میں آئے جو کہ خدا کے قوانین اور منصوبہ کو درک کرے۔ اور دل و جان سے اس کے نفاذ کی کوشش کرے۔ ایسے عالمی انقلاب کے اسباب فراہم کرے اور انسانی مقاصد کی تکمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ اس صورت میں اگر انھیں معصوم اور قوی و جری قائد مل جائے، کہ جس کے ہاتھ میں الٰہی قوانین و احکام ہوں اور تائید غیبی اس کے شامل حال ہو، تو وہ لوگ اس کی حمایت کریں گے اور عدل و انصاف کی حکومت کی تشکیل میں فداکاری کا ثبوت دیں گے۔

عقیدۂ مہدیؑ مسلّم تھا

مہدی موعود سے متعلق رسولؐ خدا کی بہت سی حدیثیں شیعہ اور اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ ان میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مہدی اور قائم کا موضوع پیغمبر اسلام کے زمانہ میں مسلم تھا چنانچہ لوگ ایسے شخص کے

منتظر تھے جو حق، خدا پرستی کی ترویج، اصلاح کائنات اور عدل کیلئے قیام کرے یہ عقیدہ لوگوں میں اتنا شہرت یافتہ تھا کہ وہ اس کی اصل کو مسلم سمجھتے تھے اور اس کی فروع سے بحث کرتے تھے۔ کبھی وہ یہ سوچتے تھے کہ مہدی موعود کس کی نسل سے ہوں گے؟ کبھی آپؑ کی کنیت و نام کے بارے میں استفسار کرتے تھے؟ کبھی یہ سوال کرتے تھے آپؑ کا نام مہدی کیوں ہے؟ کبھی آپؑ کے انقلاب اور ظہور کے زمانے اور اس کی علامتوں کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ کبھی غیبت کی وجہ اور غیبت کے زمانہ میں اپنے فرائض دریافت کرتے تھے کبھی پوچھتے تھے، کیا مہدی قائم ایک ہی شخص ہے یا دو اشخاص ہیں؟ پیغمبر اسلام بھی گاہ بگاہ آپؑ کے متعلق خبر دیا کرتے تھے، فرماتے تھے: مہدی میری نسل اور فاطمہؑ کے فرزند حسینؑ کی اولاد سے ہوگا۔ کبھی آپؑ کے نام اور کنیت سے آگاہ کرتے تھے اور کبھی آپ کی علامتیں اور خصوصیات بیان فرماتے تھے۔

صحابہ اور تابعین کی بحث و گفتگو

رسول اکرم کی وفات کے بعد بھی صحابہ اور تابعین کے درمیان مہدی موعود کا عقیدہ مسلم تھا اور اس سلسلے میں وہ بحث و گفتگو کیا کرتے تھے۔ اس گروہ کے چند افراد یہ ہیں:

ابوہریرہ کہتے ہیں: رکن و مقام کے درمیان مہدی کی بیعت ہوگی۔[1]

ابن عباس معاویہ سے کہا کرتے تھے: آخری زمانہ میں ہمارے خاندان میں سے ایک شخص چالیس سال تک خلیفہ رہے گا۔[2]

---

[1] الملاحم والفتن مولفہ ابن طاؤس ص۴۶ [2] الملاحم والفتن ص۶۳

ابو سعید کہتے ہیں : میں نے ابن عباس سے کہا : مجھے مہدی کے بارے میں کچھ بتایئے انہوں نے فرمایا : اُمید ہے کہ عنقریب خدا ہمارے خاندان میں سے ایک جوان کو مبعوث کرے گا جو فتنوں کو دفن کرے گا۔[۱]

ابن عباس کہا کرتے تھے : مہدی قریش اور فاطمہؑ کی نسل سے ہوگا۔[۲]

عمار یاسر کہتے ہیں : جب نفس زکیہ شہید ہوجائیں گے اس وقت آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا کہ تمہارا قائد فلاں شخص ہے۔ اس کے بعد مہدی ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے پر کریں گے۔[۳]

ابن عباس نے مہدی کا نام لیا تو ایک شخص نے کہا : کیا معاویہ بن ابی سفیان مہدی نہیں ہے؟ عبداللہ نے کہا : نہیں ! بلکہ مہدی وہ ہے جس کی عیسیٰ بن مریم اقتدا کریں گے۔[۴]

عمر بن قیس کہتے ہیں : میں نے مجاہد سے عرض کی : کیا آپ مہدی کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟ کیونکہ میں شیعوں کی بات نہیں مانتا۔ انہوں نے کہا : رسولؐ کے ایک صحابی نے مجھے خبر دی ہے کہ مہدی نفس زکیہ کی شہادت کے بعد ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے پر کریں گے۔[۵]

۱۔ الملاحم والفتن مولفہ ابن طاؤس ص۱۶۹

۲۔ 〃 〃 〃 〃 ص۱۵۵

۳۔ 〃 〃 〃 〃 ص۴۴

۴۔ 〃 〃 〃 〃 ص۱۵۹

۵۔ 〃 〃 〃 〃 ص۱۴۱

نفیل کی بیٹی عمیرہ کہتی ہے: میں نے حسین بن علیؑ کی دختر کو کہتے ہوئے سنا[1]: تم جس چیز کے انتظار میں ہو وہ واقع نہ ہوگی مگر اس وقت کہ جب تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے گا اور تم آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کروگے[1]

قتادہ کہتے ہیں: میں نے میب کے بیٹے سے پوچھا: کیا وجود مہدی برحق ہے؟ انہوں نے کہا: یقیناً مہدی فاطمہؑ کی نسل سے ہوں گے[2]

طاؤس کہتے ہیں: خدا مجھے زندہ رکھے تاکہ مہدیؑ کو دیکھ لوں[3]

زہری کہتے ہیں: مہدی فاطمہؑ کی اولاد سے ہوں گے[4]

ابوالفرج لکھتے ہیں: ولید بن محمد نے نقل کیا ہے کہ میں زہری کے ساتھ تھا کہ ایک شور مچا تو انہوں نے مجھ سے کہا: ذرا دیکھو! کیا قصہ ہے؟ میں نے تحقیق کے بعد بتایا: زید بن علیؑ قتل کر دیئے گئے ہیں اور ان کا سر لایا گیا ہے۔ زہری نے افسوس کے ساتھ کہا: اس خاندان کے افراد اتنی عجلت کیوں کر رہے ہیں؟ عجلت کی وجہ سے ان کے بہت سے افراد ہلاک ہوجاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا انھیں حکومت نصیب ہوگی؟ انہوں نے کہا ہاں، کیونکہ علی بن الحسینؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انہوں نے حضرت زہراؑ سے میرے لئے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا: مہدی موعود

۱۔ الملاحم والفتن صـ۱۴۱

۲۔ مقاتل الطالبین مولفہ ابوالفرج طبع نجف صـ۱۶۰

۳۔ الملاحم والفتن صـ۱۴۰

۴۔ " " " صـ۵۴

تمہاری اولاد سے ہوگا۔[1]

ابوالفرج نے مسلم بن قتیبہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ایک روز میں منصور کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے کہا: محمد بن عبداللہ نے خروج کیا ہے اور خود کو مہدی سمجھتا ہے، قسم خدا کی وہ مہدی نہیں ہے لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دوں جو کہ ابھی تک کسی کو نہیں بتائی ہے اور نہ آئندہ بتاؤں گا! اور وہ یہ کہ میرا بیٹا بھی روایتوں میں ذکر ہونے والا مہدی نہیں ہے، لیکن نیک فال کے طور پر میں نے اس کا نام مہدی رکھدیا ہے۔[2]

ابن سیرین کہتے ہیں: مہدی موعود اسی امت سے ہوگا جو کہ عیسیٰ بن مریم کی امامت کرے گا۔[3]

عبداللہ ابن حارث کہتے ہیں: مہدی چالیس سال کی عمر میں قیام کریں گے وہ بنی اسرائیل کی شبیہ ہوں گے۔[4]

ارطاۃ کہتے ہیں: مہدی بیس سال کی عمر میں قیام کریں گے۔[5]

کعب کہتے ہیں: مہدی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مخفی امور کی طرف انکی ہدایت ہوتی ہے۔[6]

۱؎ مقاتل ص۹۷

۲؎ مقاتل الطالبین ص۱۶۷

۳؎ " " ص۱۳۵

۴؎ کتاب الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص۱۴۷

۵؎ " " " " " ص۱۴۹

۶؎ " " " " " ص۱۵۰

عبد اللہ بن شریک کہتے ہیں : رسولؐ خدا کا علم مہدی کے پاس ہے۔[1]

طاؤس کہتے ہیں کہ مہدی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے کارندوں کی سخت نگرانی کریں گے اور مال کی بخشش میں سخی ہوں گے اور درماندہ لوگوں پر مہربان ہوں گے۔[2]

زہری کہتے ہیں : "مہدی اولاد فاطمہ سے ہوگا"[3]

حکم بن عیینہ کہتے ہیں : میں نے محمد بن علی سے عرض کی : میں نے سنا ہے کہ آپ اہل بیت میں سے ایک شخص خروج کرے گا اور عدل و انصاف قائم کریگا کیا یہ بات صحیح ہے ؟ اگر ایسا ہے تو ہم بھی ان کے انتظار میں زندگی گزاریں۔[4]

سلمہ بن زفر کہتے ہیں کہ ایک روز حذیفہ سے کہا گیا ۔ مہدی نے ظہور کیا ہے ۔حذیفہ نے کہا : اگر مہدی تمہارے زمانہ میں ، جو کہ رسولؐ کے عہد سے قریب ہے ، قیام کرتے ہیں تو واقعاً یہ تمہاری خوش قسمتی ہے ، لیکن ایسا نہیں ہے ۔ مہدی اس وقت ظہور کریں گے جب لوگ فتنہ و فساد سے تنگ آجائیں گے اور ان کی نگاہوں میں گم شدہ مہدی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ ہوگی۔[5]

جریر نے عبد العزیز کے پاس ایک شعر پڑھا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارا وجود

۱۔ کتاب الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۰

۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۱۵۱

۳۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۱۵۵

۴۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۱۵۹

۵۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۱۵۹

بابرکت ہے اور تمہاری سیرت و رفتار مہدی کی سیرت و رفتار جیسی ہے۔ تم خواہشات نفس کی مخالفت کرتے ہو اور راتوں کو تلاوت قرآن میں گزارتے ہو۔[1]

ام کلثوم بنت وہب کہتی ہیں: روایات میں وارد ہوا ہے کہ دنیا پر ایک شخص کی حکومت ہوگی جس کا نام وہی ہوگا جو رسول کا ہے۔[2]

محمد جعفر کہتے ہیں: میں نے اپنی مشکلیں مالک بن انس کے سامنے بیان کیں تو انہوں نے کہا: صبر کرو یہاں تک کہ آیت ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم الائمة ونجعلهم الوارثین کی تاویل آشکار ہو جائے۔[3]

فضیل بن زبیر کہتے ہیں: میں نے زید بن علی سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: لوگ جس شخص کے انتظار میں ہیں وہ اولاد حسینؑ سے ہوگا۔[4]

محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی کہتے ہیں: خدا کی قسم مہدی اولاد حسین ہی سے ہوگا۔[5]

لوگ مہدیؑ کے منتظر تھے

وجود مہدی کا عقیدہ لوگوں میں اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ وہ صدر اسلام ہی سے

۱۔ کتاب الامامة والسیاسة تالیف ابن قتیبہ ط سوم ج ۲ ص ۱۱۷

۲۔ مقاتل الطالبین طبع دوم ص ۱۶۳

۳۔ " " " " ص ۳۵۹

۴۔ غیبت شیخ طبع دوم ص ۱۱۵

۵۔ " " " " ص ۱۱۵

ان کے انتظار میں تھے اور دن گنا کرتے تھے۔ اور حق کی کامیابی و حکومت کو یقینی سمجھتے تھے یہ انتظار ہرج و مرج اور وحشت ناک حوادث و بحرانوں میں اور زیادہ شدید ہو جاتا تھا اور ہر لمحہ انتظار کے مصداق کی تلاش میں رہتے تھے اور کبھی غلطی سے بعض افراد کو مہدی سمجھ بیٹھتے تھے:

محمّد بن حنفیہ

مثلاً محمد بن حنفیہ بھی رسولؐ کے ہم نام و ہم کنیت تھے اس لئے مسلمانوں کے ایک گروہ نے انھیں مہدی سمجھ لیا تھا۔

طبری لکھتے ہیں کہ جس وقت مختار نے خروج اور قاتلان حسینؑ سے انتقام لینے کا قصد کیا تو اس وقت انہوں نے محمد حنفیہ کو مہدی اور خود کو ان کے وزیر کے عنوان سے پہچنوایا اور اس سلسلے میں لوگوں کے سامنے کچھ خط بھی پیش کئے۔[1]

محمد بن سعد نے ابوحمزہ سے روایت کی ہے کہ لوگ محمد بن حنفیہ کو "السلام علیک یا مھدی!" کہکر سلام کرتے تھے۔ چنانچہ وہ خود بھی کہتے تھے "ہاں میں ہی مہدی ہوں میں فلاح و بہبود کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں۔ میرا وہی نام ہے جو رسول کا تھا اور میری کنیت بھی آنحضرتؐ ہی کی کنیت ہے۔ لہٰذا تم مجھے سلام علیک یا محمد یا سلام علیک یا ابا القاسم کہکر سلام کیا کرو۔"[2]

۱؎ تاریخ طبری ج ۴ ص ۴۴۹ و ص ۴۹۴۔ تاریخ کامل طبع اول ج ۳ ص ۲۲۹ و ص ۲۵۸

۲؎ ۔ طبقات الکبیر طبع لندن ج ۵ ص ۶۶

اس اور ایسی ہی دوسری مثالوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رسول خدا کے نام اور کنیت کا جمع ہونا مہدی موعود کی خصوصیات و علامتوں میں سے ہے ۔ اسی لئے محمد بن حنفیہ نے اپنی کنیت اور نام کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن حنفیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں مہدی ہوں ۔ بلکہ دوسرے لوگ انھیں مہدی کے عنوان سے پیش کرتے تھے چنانچہ وہ کبھی اس سلسلے میں خاموش اختیار کرتے تھے اور کبھی تائید کرتے تھے ۔ شاید ان کی خاموشی کی وجہ یہ ہو کہ اس طرح وہ قاتلان امام حسین ع سے انتقام اور حکومت کو اس کے اہل تک پہنچانا چاہتے تھے ۔

محمد بن سعد کہتے ہیں : محمد بن حنفیہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ ، حکومت اہل حق کی ہے جب خدا چاہے گا تشکیل پائے گی ۔ جو شخص اس حکومت کو دیکھے گا ، اسے عظیم کامیابی نصیب ہوگی اور جو اس سے قبل ہی مرجائے گا اسے خدا کی بے شمار نعمتیں میسر ہوں گی [1]

چنانچہ محمد بن حنفیہ نے اپنے اس خطبہ میں فرمایا جو کہ اپنے سات ہزار اصحاب کے درمیان دیا تھا ۔ اس کام میں تم نے عجلت سے کام لیا ہے ۔ خدا کی قسم تمہارے اصلاب میں ایسے اشخاص موجود ہیں جو کہ آل محمد کی مدد کیلئے جنگ کریں گے ۔ آل محمد کی حکومت کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن اس کے قائم ہونے میں تاخیر ہوگی ۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے ، حکومت نبوت کے گھر میں لوٹ آئے گی [2]

محمد بن عبد اللہ بن حسن

مسلمانوں کا ایک گروہ محمد بن عبد اللہ بن حسن کو مہدی سمجھتا تھا ۔ ابو الفرج لکھتے

---

[1] طبقات الکبریٰ ج ، ص [illegible] [2] طبقات الکبریٰ ج ، ص [illegible]

ہیں کہ حمید بن سعید نے روایت کی ہے کہ محمد بن عبداللہ کی ولادت پر آل محمد نے بہت خوشیاں منائیں اور کہا مہدی کا نام محمد ہے ۔ وہ محمد کو مہدی موعود سمجھتے تھے ۔ اس لئے ان کا بہت احترام کرتے تھے اور مجلسوں کا موضوع قرار دیتے تھے، شیعہ ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے[1]

ابو الفرج لکھتے ہیں : جب محمد بن عبداللہ پیدا ہوئے تو ان کے خاندان والوں نے ان کا نام مہدی رکھا اور انھیں روایات کا مہدی موعود تصور کرنے لگے ۔ لیکن ابو طالب کی اولاد کے علما انھیں نفس زکیہ کہتے تھے کہ جس کا احجار زیب میں شہید ہونا مقدر تھا۔[2]

ابو الفرج ہی لکھتے ہیں کہ : ابو جعفر منصور کا غلام کہتا ہے کہ منصور نے کہا : تم محمد بن عبداللہ کی تقریر میں شرکت کرو دیکھو ! کیا کہتے ہیں ۔ میں نے حکم کے مطابق ان کی تقریر میں شرکت کی وہ فرما رہے تھے: "تمہیں یہ تو یقین ہے کہ میں مہدی ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے"۔ غلام کہتا ہے کہ میں لوٹ آیا اور ان کی بات منصور سے نقل کی ۔ منصور نے کہا : محمد جھوٹ کہتے ہیں بلکہ مہدی موعود میرا بیٹا ہے۔[3]

سلمہ بن اسلم نے محمد بن عبداللہ کی شان میں کچھ اشعار کہے کہ جن کا ترجمہ یہ ہے :

جو کچھ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ اس وقت ظاہر ہوگا جب محمد بن عبداللہ ظاہر ہوں گے اور زمام حکومت سنبھالیں گے ۔ محمد کو خدا نے ایسی انگوٹھی

---

[1] مقاتل الطالبین ص۱۶۵

[2] " " ص۱۶۲

[3] " " ص۱۶۲

عطا کی ہے جو کسی دوسرے کو نہیں دی اور اس میں ہدایت و نیکیوں کی علامتیں ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ محمد ہی وہ امام ہیں کہ جن کے ذریعہ قرآن زندہ ہوگا اور ان کے توسط سے اسلام کو فروغ ملیگا، اصلاح ہوگی اور یتیم، عیال دار اور ضرورت مند لوگ خوشحال زندگی گزاریں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے پر کریں گے جب کہ وہ ضلالت و گمراہی سے بھر چکی ہوگی اور اسی وقت ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔[1]

احادیث مہدی اور فقہائے مدینہ

ابو الفرج لکھتے ہیں: محمد بن عبد اللہ نے خروج کیا تو مدینہ کے مشہور فقیہ و عالم محمد بن عجلان نے بھی ان کے ساتھ خروج کیا۔ جب محمد بن عبد اللہ قتل ہوگئے تو حاکم مدینہ نے محمد بن عجلان کو بلایا اور کہا: تم نے اس جھوٹے انسان کے ساتھ کیوں خروج کیا تھا؟ اس کے بعد ان کے ہاتھ قلم کرنے کا حکم دیا تو مدینہ کے علماء اور سر برآوردہ افراد نے کہا: اے امیر!

---

[1]

ان الذی یروی الرواۃ لبین اذا ما ابن عبد اللہ فیہم تجردا
لہ خاتم لم یعطہ اللہ غیرہ وفیہ علامات من البر والہدی
انا لنرجو ان یکون محمد اماماً بہ یحیی الکتاب المنزل
بہ یصلح الاسلام بعد فسادہ ویحیی یتیم بائس و معمول
و یملأ عدلا ارضنا بعد ملئہا ضلالا و یأتینا الذی کنت آمل

(مقاتل الطالبین ص ۱۶۴)

محمد بن عجلان مدینہ کے فقیہ و عابد ہیں انھیں معاف کیا جائے کیونکہ وہ محمد بن عبد اللہ کو روایات ہی کا مہدی موعود سمجھتے تھے[۱]

دوسری جگہ لکھتے ہیں: محمد بن عبد اللہ نے خروج کیا تو ان کے ساتھ مدینہ کے دوسرے نمایاں فقیہ و عالم عبد اللہ بن جعفر نے بھی خروج کیا اور محمد بن عبد اللہ کے قتل کے بعد فرار کر گئے اور امان ملنے تک مخفی رہے۔ ایک روز حاکم مدینہ جعفر بن سلیمان کے پاس گئے تو اس نے کہا: اس علم و فقاہت کے باوجود آپ نے ان کے ساتھ کیوں خروج کیا تھا؟ جواب میں کہا: میں نے اس لئے محمد بن عبد اللہ کا تعاون کیا تھا کہ میں یقین کے ساتھ انہیں مہدی موعود سمجھتا تھا کہ جن کا روایات میں تذکرہ ہے۔ ان کے مہدی ہونے میں کوئی شک نہیں تھا۔ قتل کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مہدی نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں کسی کے فریب میں نہیں آؤں گا۔[۲]

ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مہدی کا عقیدہ و موضوع صدر اسلام اور پیغمبرؐ کے عہد سے نزدیک والے زمانہ میں اتنا ہی مسلم تھا کہ لوگ آپؐ کے منتظر رہتے تھے اور صاحبان علم و ستم رسیدہ افراد کہ جو مہدی کی علامتوں کو بخوبی نہیں جانتے تھے وہ محمد بن حنفیہ کو اور کبھی محمد بن عبد اللہ اور دوسرے اشخاص کو مہدی موعود سمجھ لیتے تھے لیکن علمائے اہل بیت اور صاحبان علم یہاں تک کہ محمد کے والد عبد اللہ بھی جانتے تھے کہ وہ مہدی نہیں ہے۔

ابو الفرج لکھتے ہیں: ایک شخص نے عبد اللہ بن حسن سے عرض کی: محمد کب خروج

۱۔ مقاتل الطالبین ص ۱۹۳

۲۔ " " ص ۱۹۵

کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا: جب تک میں قتل نہیں کیا جاؤنگا اس وقت تک وہ خروج نہیں کریں گے۔ لیکن خروج کے بعد قتل کر دیئے جائیں گے۔ اس شخص نے کہا: "انا للہ وانا الیہ راجعون" اگر وہ قتل کر دیئے جائیں گے تو امت ہلاک ہو جائے گی، عبداللہ نے کہا: ایسا نہیں ہے۔ اس شخص نے دوبارہ عرض کی، ابراھیم کب خروج کریں گے؟ کہا جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک خروج نہیں کریں گے۔ لیکن وہ بھی قتل کر دیئے جائیں گے اس شخص نے کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون، امت ہلاک ہوا چاہتی ہے۔ عبداللہ نے جواب دیا: ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا امام مہدی موعود ایک پچیس سال کی عمر کا جوان ہے جو دشمنوں کو تہہ تیغ کرے گا۔[1]

ابو الفرج ہی تحریر فرماتے ہیں: ابو العباس نے نقل کیا ہے کہ میں نے مروان سے کہا: محمد خود کو مہدی کہتے ہیں۔ اس نے کہا: نہ وہ مہدی موعود ہیں نہ ان کے باپ کی نسل سے ہوگا بلکہ وہ ایک کنیز کا بیٹا ہے۔[2]

پھر لکھتے ہیں: جعفر بن محمد جب بھی محمد بن عبداللہ کو دیکھتے گریہ کرتے اور فرماتے تھے: ان (مہدی) پر میری جان فدا ہو لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ شخص مہدی موعود ہے جبکہ یہ قتل کر دیا جائے گا اور کتاب علی میں اس امت کے خلفاء کی فہرست میں اس کا نام نہیں ہے۔[3]

۱۔ مقاتل الطالبین ص۱٦٧

۲۔ مقاتل الطالبین ص١٦٦

۳۔ " " ص١٤٢

محمد بن عبداللہ بن حسن کے پاس ایک جماعت بیٹھی تھی کہ جعفر بن محمد تشریف لائے سب نے ان کا احترام کیا۔ آپ نے دریافت کیا، کیا بات ہے؟ حاضرین نے جواب دیا ہم محمد بن عبداللہ جو کہ مہدی موعود ہیں کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس ارادہ سے دست کش ہو جاؤ کیونکہ ابھی ظہور کا وقت نہیں آیا ہے اور محمد بن عبداللہ بھی مہدی نہیں ہے۔[۱]

مہدی اور دعبل کے اشعار

دعبل نے جب امام رضاؑ کو اپنا مشہور قصیدہ سنایا تو اس کے خاتمہ پر درج ذیل شعر پڑھا:

خروج امام لامحالۃ واقع　　　یقوم علی اسم اللہ والبرکات

یعنی ایک امام کا انقلاب لانا ضروری ہے وہ خدا کے نام اور برکت سے انقلاب لائے گا۔

امام رضاؑ نے یہ شعر سن کر بہت گریہ کیا اور فرمایا: روح القدس نے تمہاری زبان سے یہ بات کہلوائی ہے۔ کیا تم اس امام کو پہچانتے ہو؟ عرض کی نہیں! لیکن سنا ہے، آپؑ میں سے ایک امام قیام کرے گا اور زمین کو عدل و انصاف سے پر کریگا امامؑ نے فرمایا: میرے بعد میرا بیٹا محمدؑ امام ہے اور ان کے بعد ان کے فرزند علیؑ امام ہوں گے اور ان کے بعد ان کے بیٹے حسنؑ امام ہوں گے اور ان کے بعد ان کے لخت جگر حجت قائم امام ہوں گے۔ ان کی غیبت کے زمانہ میں انتظار کرنا اور ظہور کے بعد ان کی اطاعت

---

[۱] مقاتل الطالبین ص۱۴۱

کرنی چاہیئے وہی زمین کو عدل وانصاف سے پر کریں گے۔ لیکن ان کے ظہور کا وقت معین نہیں ہوا ہے بلکہ وہ اچانک وناگہاں ظہور کریں گے[1]

ان اور ایسے ہی دیگر واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے اگر اشتیاق ہے تو تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔

...

چونکہ کافی وقت گزر چکا تھا لہٰذا یہیں پر جلسہ کو ختم کر دیا گیا اور آنے والے ہفتہ کی شب پر موقوف کر دیا گیا۔

---

[1] ینابیع المودۃ جلد ۲ ص۱۹۷

جعلی مہدی!

مقررہ شب میں جناب ڈاکٹر صاحب کے گھر میں احباب جمع ہوئے اور رسمی مدارات کے بعد ہوشیار صاحب نے اپنی گفتگو سے جلسہ کا آغاز کیا:-

صدر اسلام میں مہدویت کے مسلّم اور رائج العقیدہ ہونے پر جھوٹے و جعلی مہدی افراد کی داستان بھی شاہد ہے جو کہ ماضی میں پیدا ہوگئے ہیں اور تاریخ میں ان کی داستان ثبت ہے۔ برادران کی آگہی کے لئے میں ان کے ناموں کی فہرست بیان کرتا ہوں۔

مسلمانوں کی ایک جماعت محمد بن حنفیہ کو امام و مہدی تصور کرتی تھی اور کہتی تھی وہ مرے نہیں ہیں بلکہ رضوی نامی پہاڑ میں چلے گئے ہیں بعد میں ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھریں گے۔[1]

فرقہ جارودیہ کے بعض افراد عبد اللہ بن حسن کو مہدی غائب خیال کرتے تھے اور ان کے ظہور کے انتظار میں زندگی بسر کرتے تھے۔[2]

---

[1] ملل و نحل مولفہ شہرستانی طبع اول ج ۱ ص ۲۳۲ ، فرق الشیعہ مولفہ نوبختی طبع نجف سال ۱۳۵۵ھ ص ۲۷

[2] ملل و نحل ج ۱ ص ۲۵۶ فرق الشیعہ ص ۶۲

فرقۂ ناؤسیہ امام صادقؑ کو مہدی اور زندہ غائب سمجھتا تھا۔[۱]

واقفی گروہ حضرت موسیٰ کاظمؑ کو زندہ و غائب امام خیال کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ امام بعد میں ظہور کریں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔[۲]

فرقہ اسماعیلیہ کا عقیدہ ہے کہ اسماعیل نہیں مرے ہیں بلکہ تقیہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ مر گئے ہیں۔[۳]

فرقہ باقریہ امام باقرؑ کو زندہ اور مہدی موعود سمجھتا ہے۔

فرقۂ محمدیہ کا عقیدہ ہے کہ امام علی نقیؑ کے بعد ان کے بیٹے محمد بن علی امام ہیں اور ان ہی کو زندہ اور مہدی موعود تصور کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے والد کی حین حیات ہی انتقال کر گئے تھے۔

جوازیہ کہتے ہیں: حجت ابن الحسنؑ کے ایک فرزند تھے اور وہی مہدی موعود ہیں۔[۴]

فرقہ ہاشمیہ میں سے بعض افراد عبداللہ بن حرب کندی کو زندہ و غائب امام تصور کرتے تھے اور ان کے انتظار میں زندگی بسر کرتے تھے۔[۵]

مبارکیہ کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ محمد بن اسماعیل زندہ و غائب امام ہیں۔[۶]

۱۔ ملل و نحل ج ۱ ص ۲۷۳ فرق الشیعہ ص ۶۷

۲۔ 〃 〃 〃 ص ۲۷۸ 〃 〃 ص ۸۰ و ص ۹۳

۳۔ 〃 〃 〃 ص ۲۷۹ 〃 〃 ص ۶۷

۴۔ تنبہات الجلیہ فی کشف الاسرار الباطنیہ ص ۴۰ و ص ۴۲

۵۔ ملل و نحل ج ۱ ص ۲۴۵ ۶۔ ملل و نحل ج ۱ ص ۲۷۹

یزیدیوں کا عقیدہ تھا کہ یزید آسمان پر چلا گیا ہے۔ دوبارہ زمین پر لوٹے گا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھرے گا۔[۱]

اسماعیلیہ کہتے تھے روایات میں جس مہدی کا ذکر ہے وہ محمد بن عبداللہ الملقب بہ مہدی ہیں کہ جن کی مصر و مغرب پر حکومت ہوگی، روایت کی گئی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ۳۰۰ھ میں سورج مغرب سے طلوع کرے گا۔[۲]

امامیہ کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ امام حسن عسکری زندہ ہیں وہی قائم ہیں اور غیبت کی زندگی گزار رہے ہیں، بعد میں وہی ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھریں گے۔

ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ امام حسن عسکری کا انتقال ہوگیا ہے لیکن وہ دوبارہ زندہ ہوں گے اور قیام کریں گے کیونکہ قائم کے معنی مرنے کے بعد زندہ ہونے کے ہیں۔[۳]

قرامطہ، محمد بن اسمٰعیل کو مہدی موعود جانتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ زندہ ہیں اور روم کے کسی شہر میں رہتے ہیں۔[۴]

فرقہ ابی مسلمیہ ابومسلم خراسانی کو زندہ و غائب امام سمجھتا ہے۔[۵]

ایک گروہ امام حسن عسکریؑ کو مہدی خیال کرتا اور کہتا تھا: وہ مرنے کے بعد

۱۔ کتاب الیزیدیہ مولفہ صدوق الدملوجی موصل ص۱۶۴

۲۔ روضۃ الصفاج ۴ ص۱۸۱

۳۔ ملل و نحل ج ۱ ص۲۸۴ فرق الشیعہ ص۹۶ و ص۹۷

۴۔ المہدیہ فی الاسلام ص۱۲۰ فرق الشیعہ ص۶۲

۵۔ فرق الشیعہ ص۴۷

زندہ ہوگئے ہیں اوراب غیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں[1] بعد میں ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھریں گے[2]

غلط فائدہ

یہ تھے ان افراد کے نام جنھیں جاہل لوگ صدر اسلام اور عہد پیغمبرؐ سے نزدیک زمانہ میں مہدی سمجھتے تھے مگر ان میں سے اکثر جماعتیں مٹ گئی ہیں اور اب تاریخ کے صفحات کے علاوہ کہیں ان کا نام ونشان نہیں ملتا ہے۔ اس وقت سے آج تک مختلف ملکوں میں بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تاریخ میں اس عنوان سے کتنی ہی جنگیں اور خونریزیاں ہوئی ہیں اور کتنے ہی انقلاب آئے اور ناخوشگوار حوادث رونما ہوئے ہیں[3]

ان واقعات وحوادث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ داستان مہدویت اور مصلح غیبی کا ظہور مسلمانوں کے درمیان ایک مسلّم عقیدہ تھا اور مسلمان ان کے انتظار میں دن گنا کرتے تھے اور ان کی نصرت وغلبہ کو ضروری سمجھتے تھے چنانچہ یہ چیز اس بات کا سبب بنی کہ بعض ذہین اور موقع کے متلاشی افراد لوگوں کے اس پاک وصاف عقیدہ سے کہ جس کا سرچشمہ مصدر وحی تھا، غلط فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہوگئے اور خود کو مہدی

---

[1] فرق الشیعہ ص ۹۷

[2] تفصیل کیلئے مہدی از صدر اسلام تا قرن سیزدہم، مولفہ خاور شناس ملاحظہ فرمائیں نیز المہدیۃ فی الاسلام کا مطالعہ فرمائیں۔

[3] فصول المہمہ ص۲۹۴ مقاتل الطالبین ص۱۶۴، ذخائر العقبیٰ ص۲۰۶، صواعق المحرقہ ص۲۳۵

موعود کے عنوان سے پیش کریں۔ ممکن ہے ان میں سے بعض اس سے غلط فائدہ نہ اٹھانا چاہتے ہو بلکہ ظالم وستمگاروں سے انتقام لینا اور قوم وملت کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نے اپنے مہدی ہونے کا دعوی نہیں کیا تھا لیکن نادانی، مصائب کی شدتوں اور عجلت پسند گروہ انھیں اسلام کا مہدی موعود سمجھتا تھا۔

جعلی حدیثیں

افسوس کہ ان حوادث کی وجہ سے لوگوں میں حضرت مہدی کی تعریف و توصیف اور ظہور کی علامتوں کے سلسلے میں جعلی حدیثوں کو شہرت دی گئی اور وہ بغیر تحقیق کے کتب احادیث میں درج کی گئیں۔

اہل بیت رسولؐ

اور گیارہ ائمہؑ نے مہدیؑ کی خبر دی ہے

ڈاکٹر: مہدی کے بارے میں اہل بیت رسولؐ اور ائمہ اطہار کا کیا عقیدہ تھا؟

ہوشیار: رسولؐ اکرم کی وفات کے بعد بھی مہدویت کا عقیدہ اصحاب اور ائمہ اطہارؑ کے درمیان مشہور اور موضوع بحث تھا۔ پیغمبر کی احادیث و اخبار کو سب سے بہتر سمجھنے والے اہل بیتؑ رسول اور علوم و اسرار نبوت کے حامل مہدی کے بارے میں گفتگو کرتے تھے اور لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے تھے از باب مثال:

حضرت علیؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

حضرت علی بن ابیطالبؑ نے فرمایا: مہدیؑ موعود ہم میں سے ہوگا اور آخری زمانہ میں ظہور کرے گا اس کے علاوہ کسی قوم میں مہدی منتظر نہیں ہے[1] اس سلسلے میں حضرت علیؑ سے اور پچاس حدیثیں ہیں[2]

---

[1] اثبات الہداۃ ج ۷، ص ۱۴۸ [2] یہ تعداد منتخب الاثر میں تحقیق کے بعد درج ہوئی ہے۔ ظاہر ہے اگر اس سے زیادہ کوئی تفصیلی کتاب لکھی جاتی اور تحقیق کو مزید وسعت دی جاتی تو اس سے کہیں زیادہ حدیثیں فراہم ہو جاتیں۔

حضرتِ فاطمہ زہراؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

حضرت فاطمہ زہراؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا: تمہاری ولادت کے بعد رسولؐ خدا میرے پاس تشریف لائے ۔ تمہیں گود میں لیا ۔ اور فرمایا: اپنے حسین کو لے لو اور جان لو کہ یہ نو ائمہ کے باپ ہیں اور ان کی نسل سے صالح امام پیدا ہوں گے اور ان میں کا نواں مہدی ہے ..... تین حدیثیں اور ہیں ۔[1]

حضرتِ حسنؑ بن علیؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

حضرت امام حسن بن علی نے فرمایا: رسول کے بعد امام بارہ ہیں ۔ ان میں سے نو (۹) میرے بھائی حسین کی نسل سے ہوں گے اور اس امت کا مہدی ان ہی کی نسل سے ہے ... چار حدیثیں اور ہیں ۔[2]

امام حسینؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: بارہ امام ہم میں سے ہیں ۔ ان میں سے پہلے علی بن ابیطالب ہیں اور نویں میرے بیٹے قائم برحق ہیں ۔ خدا ان کے وجود کی برکت سے مردہ زمین کو زندہ اور غیر آباد کو آباد کرے گا اور دین حق کو تمام ادیان پر کامیابی عطا کرے گا خواہ مشرکین کو یہ

۱؎ اثبات الهداة ج ۲ ص۵۵۲

۲؎ " " " ص۵۵۵

بات ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ مہدی ایک زمانہ تک غیبت میں رہیں گے۔ غیبت کے زمانہ میں کچھ لوگ دین سے خارج ہوجائیں گے لیکن کچھ لوگ ثابت قدم رہیں گے اور اس راہ میں مصیبتیں اٹھائیں گے۔ سرزنش کے طور پر ان سے کہا جائے گا، اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہے تو تمہارا امام موعود کب انقلاب برپا کرے گا؟ لیکن جان لو کہ جو ان کی غیبت کے زمانہ میں دشمنوں کے طعن و تشنیع کو برداشت کرے گا اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے رسول خدا کے ہمراہ تلوار سے جنگ کی[1] ..... اس سلسلے میں آپ کی تیرہ حدیثیں اور ہیں۔

امام زین العابدینؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

امام زین العابدینؑ نے فرمایا: لوگوں پر ہمارے قائم کی ولادت آشکار نہیں ہوگی یہاں تک وہ یہ کہنے لگیں گے کہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں۔ ان کے مخفی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی تحریک کا آغاز کریں اس وقت کسی کی بیعت میں نہ ہوں۔[2] دس حدیثیں اور ہیں۔

حضرت امام باقرؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

حضرت امام محمد باقرؑ نے آبان بن تغلب سے فرمایا: خدا کی قسم امامت وہ عہدہ ہے جو رسول خدا سے ہمیں ملا ہے۔ پیغمبر کے بعد بارہ امام ہیں ان میں سے نو امام حسینؑ

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۳۳ اثبات الھداۃ ج ۲ ص ۳۲۳، ص ۳۹۹

[2] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۳۵

کے اولاد سے ہوں گے۔ مہدی بھی ہم ہی میں سے ہوگا اور آخری زمانہ میں دین کی حفاظت کرے گا[1]... ۶۲ حدیثیں اور ہیں۔

امام صادقؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

امام صادقؑ نے فرمایا: جو شخص وجود مہدیؑ کے علاوہ تمام ائمہ کا اقرار کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کہ تمام انبیاء کا معتقد ہے لیکن رسولؐ خدا کی نبوت کا انکار کرتا ہے۔ عرض کیا گیا: فرزند رسولؐ! مہدی کس کی اولاد سے ہوں گے؟ فرمایا: ساتویں امام موسیٰ بن جعفر کی پانچویں پشت میں ہوں گے، لیکن غائب ہو جائیں گے اور تمہارے لئے ان کا نام لینا جائز نہیں ہے.... [2]..... ۱۲۳ حدیثیں اور ہیں۔

امام موسیٰ کاظمؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

امام موسیٰ کاظمؑ سے یونس بن عبدالرحمٰن نے سوال کیا: کیا آپ مہدی برحق ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: میں قائم برحق ہوں لیکن جو قائم زمین کو خدا کے دشمنوں سے پاک کرے گا اور اسے عدل و انصاف سے بھرے گا وہ میری پانچویں پشت میں ہے۔ وہ دشمنوں کے خوف سے مدت دراز تک غیبت میں رہے گا۔ زمانۂ غیبت میں کچھ لوگ دین سے خارج ہو جائیں گے لیکن ایک جماعت اپنے عقیدہ پر ثابت و قائم رہے۔ اس کے بعد فرمایا: خوش نصیب

---

[1] اثبات الھداۃ ج ۲ ص ۵۵۹

[2] بحارالانوار ج ۵۱ ص ۱۴۳ اثبات الھداۃ ج ۶ ص ۴۰۴

ہیں وہ شیعہ جو امام زمانہ کی غیبت کے زمانہ میں ہماری ولایت سے وابستہ اور ہماری محبت اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری میں ثابت قدم رہیں گے وہ ہم سے ہیں اور ہم ان سے ہیں وہ ہماری امامت سے راضی اور ہم ان کے شیعہ ہونے سے راضی ہیں یقیناً خوش نصیب ہیں وہ لوگ ، خدا کی قسم وہ جنت میں ہمارے ساتھ ہوں گے ... [1] پانچ حدیثیں اور ہیں۔

امام رضاؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

حضرت امام رضاؑ سے ریان بن صلت نے دریافت کیا تھا : کیا آپؑ ہی صاحب الامر ہیں ؟ فرمایا : میں صاحب الامر ہوں لیکن میں وہ صاحب الامر نہیں ہوں جو زمین کو عدل و انصاف سے پر کرے گا۔ میری اس ناتوانی کے باوجود جسے تم مشاہدہ کر رہے ہو کیسے ممکن ہے کہ میں وہی صاحب الامر ہوں ؟! قائم وہ ہے جو بڑھاپے کی منزل میں ہے لیکن جوان کی صورت میں ظاہر ہو گا وہ اتنا طاقتور اور قوی ہے کہ اگر روئے زمین کے بڑے سے بڑے درخت کو ہاتھ لگا دے تو اکھڑ جائے ۔ اور اگر پہاڑوں کے درمیان نعرہ بلند کرے تو بڑے بڑے پتھر چور چور ہو کر بکھر جائیں ، اس کے پاس موسیٰ کا عصا اور جناب سلیمان کی انگوٹھی ہے ، وہ میری چوتھی پشت میں ہے ، جب تک خدا چاہے گا اسے غیبت میں رکھے گا۔ اس کے بعد ظہور کا حکم دے گا اور اس کے ذریعہ زمین کو عدل و انصاف سے پر کرے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی [2] ... ۱۸ حدیثیں اور ہیں۔

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ صـ ۱۵۱ اثبات الھداۃ ج ۶ صـ ۴۱۷

[2] " " ج ۵۲ صـ ۳۲۲ " " صـ ۴۱۹

امام محمد تقیؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

امام محمد تقیؑ نے عبدالعظیم حسنیؓ سے فرمایا : قائم ہی مہدی موعود ہے کہ غیبت کے زمانہ میں ان کا انتظار اور ظہور کے زمانہ میں ان کی اطاعت کرنی چاہئے اور وہ میری تیسری پشت میں ہے۔ قسم اس خدا کی جس نے محمدؐ کو رسالت اور ہمیں امامت سے سرفراز کیا ہے۔ اگر دنیا کی عمر کا ایک ہی دن باقی بچے گا تو بھی خدا اس دن کو اتنا طویل بنا دے گا کہ جس میں مہدی ظاہر ہوگا اور زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پر کرے گا جیسا کہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ خداوند عالم ایک رات میں ان کی کامیابی کے اسباب فراہم کریگا جیسا کہ اپنے کلیم موسیٰ کی کامیابی کے اسباب ایک ہی رات میں فراہم کئے تھے۔ موسیٰؑ بیوی کے لئے آگ لینے گئے تھے لیکن منصب رسالت لیکر پلٹے۔ اس کے بعد امام نے فرمایا: فرج کا انتظار ہمارے شیعوں کا بہترین عمل ہے[1]... پانچ حدیثیں اور ہیں۔

امام علی نقیؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

امام علی نقی نے فرمایا : میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ امام ہے اور حسنؑ کے بعد ان کے بیٹے قائم ہیں جو کہ روئے زمین پر عدل و انصاف پھیلائیں گے[2] .... پانچ حدیثیں اور ہیں۔

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۵۶ اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۴۲۰

[2] ،، ،، ج ۵۱ ص ۱۶۰ ،، ،، ج ۶ ص ۴۲۷

امام حسن عسکریؑ نے مہدیؑ کی خبر دی

امام حسن عسکری نے موسیٰ بن جعفر بغدادی سے فرمایا : گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ میرے جانشین کے بارے میں اختلاف کر رہے ہو لیکن یاد رہے جو شخص پیغمبر کے بعد تمام ائمہ پر ایمان و اعتقاد رکھتا ہے اور صرف میرے بیٹے کی امامت کا انکار کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی تمام انبیاء پر ایمان و اعتقاد رکھتا ہے لیکن محمدؐ کی رسالت کا منکر ہے کیونکہ ہم سے آخری امام کی اطاعت ایسی ہی ہے جیسے اول کی۔ پس جو شخص ہمارے آخری امام کا انکار کریگا گویا اس نے پہلے کا بھی انکار کر دیا۔ جان لو! میرے بیٹے کی غیبت اتنی طولانی ہوگی کہ لوگ شک میں پڑ جائیں گے مگر یہ کہ خدا ان کے ایمان کو محفوظ رکھے۔[1] ۲۱ حدیثیں اور ہیں

کیا احادیث مہدی صحیح ہیں ؟

انجینئر : ہم ان حدیثوں کو اسی وقت قبول کر سکتے ہیں جب وہ صحیح اور معتبر ہوں کیا مہدی کے متعلق یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں ؟

ہوشیار : میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ مہدی سے متعلق تمام حدیثیں صحیح اور ان کے تمام راوی ثقہ و عادل ہیں۔ لیکن اچھی خاصی تعداد صحیح احادیث کی ہے۔ البتہ تمام احادیث کی طرح ان میں بھی بعض صحیح، کچھ حسن، موثق اور چند ضعیف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تحقیق اور ان کے راویوں کے حالات کی چھان بین کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۶۰ اثبات الھداۃ ج ۶ ص ۴۲۷

ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ جو بھی غیر جانب دارانہ اور انصاف کیساتھ ان سے رجوع کرے گا اسے اس بات کا یقین حاصل ہو جائے گا کہ ان سب کی دلالت اس بات پر ہے کہ وجود مہدی اسلام کے ان مسلّم عقائد و موضوعات میں سے ہے کہ جن کا بیج خود سرورِ کائنات نے بویا اور ائمہ نے اس کی آبیاری کی ہے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وجود مہدی کے بارے میں اسلام میں جتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اتنی کسی اور موضوع کے لئے وارد نہیں ہوئی ہوں گی۔

واضح رہے کہ ابتدائے بعثت سے حجۃ الوداع تک پیغمبر اکرمؐ نے سیکڑوں بار مہدی کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ علی بن ابی طالب نے ان کی خبر دی، فاطمہ زہراؑ نے خبر دی ہے اور رسول کے اہل بیت اور نبوت کے رازداروں نے امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ، امام موسیٰ کاظمؑ، امام رضاؑ، امام محمد تقیؑ، امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ نے ان کی خبر دی ہے۔ عہد رسولؐ کے لوگ ان کے انتظار میں دن گنتے تھے یہاں تک کہ کبھی تو بعض لوگ کسی کو اس کا حقیقی سمجھ بیٹھے تھے۔ ان سے متعلق شیعہ اور اہل سنت نے احادیث نقل کی ہیں، اشعری اور معتزلہ نے قلم بند کی ہیں۔ ان کے راویوں میں عرب، عجم، مکّی، مدنی، کوفی، بغدادی، بصری، قمی، کرخی، خراسانی نیشاپوری وغیرہ شامل ہیں۔ کیا ان ہزاروں سے زائد احادیث کے باوجود کوئی منصف مزاج وجودِ مہدی کے بارے میں شک کرے گا اور یہ کہے گا کہ یہ احادیث متعصب شیعوں نے جعل کر کے پیغمبر کی طرف منسوب کر دی ہیں؟!

رات کافی گزر چکی تھی اور مذاکرات کا وقت ختم ہو چکا تھا لہٰذا مزید گفتگو کو آئندہ ہفتہ کی شب میں ہونے والے جلسہ پر موقوف کر دیا۔

تصوّرِ مہدی...

احباب یکے بعد دیگرے فہیمی صاحب کے مکان پر جمع ہوئے جب سابق مختصر ضیافت کے بعد ۸ بجے جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ انجینئر صاحب نے گفتگو کا آغاز کیا:

انجینئر: مجھے یاد آتا ہے کہ کسی نے لکھا تھا کہ اسلامی معاشرہ میں مہدویت اور غیبی مصلح کا تصور یہود اور قدیم ایرانیوں سے سرایت کر آیا ہے۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ زردشت کی نسل سے "سالوشیانت" نام کا ایک شخص ظاہر ہوگا جو اہرمن کو قتل کر کے پوری دنیا کو برائیوں سے پاک کرے گا۔ لیکن چونکہ یہودیوں کا ملک دوسروں کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور ان کی آزادی سلب ہوگئی تھی، زنجیروں میں جکڑے گئے تھے، لہذا ان کے علماء میں سے ایک نے یہ خوش خبری دی کہ مستقبل میں دنیا میں ایک بادشاہ ہوگا وہی زردشتیوں کو آزادی دلائے گا۔

چونکہ مہدویت کی اصل یہود و زردشتیوں میں ملتی ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ان سے مسلمانوں میں آیا ہے ورنہ اس کی ایک افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں ہے۔

ہوشیار: یہ بات صحیح ہے کہ دوسری اقوام و ملل میں بھی یہ عقیدہ تھا اور ہے لیکن یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ عقیدہ خرافات میں سے ہے!

کیا یہ ضروری ہے کہ اسلام کے تمام احکام وعقائد اسی وقت صحیح ہو سکتے ہیں جب وہ گزشتہ احکام وعقائد کے خلاف ہوں ! ؟ جو شخص اسلام کے موضوعات میں سے کسی موضوع کی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو اسے اس موضوع کے اصلی مدارک و ماخذ سے رجوع کرنا چاہئے تاکہ اس موضوع کا سقم وصحت واضح ہو جائے ۔ اصلی مدارک کی تحقیق اور گزشتہ لوگوں کے احکام وعقائد کی چھان بین کے بغیر یہ شور برپا نہیں کرنا چاہئے کہ میں نے اس باطل عقیدہ کی اصل کا سراغ لگا لیا ہے ۔

کیا یہ کہا جا سکتا ہے چونکہ زمانۂ قدیم کے ایرانی یزدان کا عقیدہ رکھتے تھے اور حقیقت کو دوست رکھتے تھے ۔ لہٰذا خدا پرستی بھی ایک افسانہ ہے اور حقیقت و صداقت کبھی مستحسن نہیں ہے ؟ !

لہٰذا صرف یہ کہہ کر کہ دوسرے مذاہب وملل بھی مصلح غیبی اور نجات دینے والے کے منتظر تھے ۔ مہدویت کے عقیدہ کو باطل قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اتنی بات سے اس کی صحت ثابت کی جا سکتی ہے ۔

رجحان مہدویت کی پیدائش کے اسباب

فہیمی : ایک صاحب قلم نے عقیدہ مہدویت کے وجود میں آنے کی بہترین توجیہ کی ہے، اگر اجازت ہو تو میں اس کا لب لباب بیان کردوں ؟

حاضرین : بسم اللہ !

فہیمی : عقیدۂ مہدویت شیعوں نے دوسرے مذاہب سے لیا اور اس میں کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے چنانچہ آج مخصوص شکل میں آپ کے سامنے ہے ۔ اس عقیدہ کی ترقی

اور وسعت کے دو اسباب ہیں :

الف : غیبی نجات دینے والے کا ظہور اور اس کی پیدائش کا عقیدہ یہودیوں میں مشہور تھا اور ہے۔ ان کا خیال تھا کہ جناب الیاس آسمان پر چلے گئے ہیں اور آخری زمانہ میں بنی اسرائیل کو نجات دلانے کے لئے زمین پر لوٹ آئیں گے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "ملک صیدق" اور "فنحاس بن العاذار" آج تک زندہ ہے۔

صدر اسلام میں "مادی فوائد کے حصول" اور اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا بنانے کی غرض سے یہودیوں کی ایک جماعت نے اسلام کا لباس پہن لیا تھا اور اپنے مخصوص حیلہ وفریب سے مسلمانوں کے درمیان حیثیت پیدا کرلی تھی اور اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی، اپنے عقائد کی اشاعت اور استحصال کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، ان ہی میں سے ایک عبداللہ ابن سبا ہے جس کو ان کی نمایاں فرد تصور کرنا چاہیئے۔

ب : رسولؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے اہل بیتؑ وقرابتدار منجملہ علی بن ابیطالب خود کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ چند اصحاب بھی ان کے ہم خیال تھے۔ لیکن ان کی توقع کے برخلاف حکومت خاندان رسالت سے چھن گئی، جس سے انھیں بہت رنج وصدمہ پہنچا۔ یہاں تک کہ جب حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں زمام خلافت آئی تو وہ مسرور ہوئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اب خلافت اس خاندان سے باہر نہ جائے گی۔ لیکن علیؑ داخلی جنگوں کی وجہ سے اسے کوئی ترقی نہ دے سکے نتیجہ میں ابن ملجم نے شہید کردیا پھر ان کے فرزند حسنؑ بھی کامیاب نہ ہوسکے، آخر کار خلافت بنی امیہ کے سپرد کردی۔

رسولؐ خدا کے دو فرزند حسن وحسین خانہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے اور اسلام کی حکومت واقتدار دوسروں کے ہاتھ میں تھا رسولؐ کے اہل بیت اور ان کے ہمنوا

فقر و تنگ دستی کی زندگی گزارتے اور مال غنیمت مسلمانوں کا بیت المال بنی امیہ اور بنی عباس کی ہوس رانی پر خرچ ہوتا تھا۔ ان تمام چیزوں کی وجہ سے روز بروز اہل بیت کے طرفداروں میں اضافہ ہوتا گیا اور گوشہ وکنار سے اعتراضات اٹھائے جانے لگے دوسری طرف عہدے داروں نے دل جوئی اور مصالحت کی جگہ سختی سے کام لیا اور انھیں دار پر چڑھایا، کسی کو جلا وطن کیا اور باقی کو قید خانوں میں ڈالدیا۔

مختصر یہ کہ رسولؐ کی وفات کے بعد آپ کے اہل بیت اور ان کے طرفداروں کو بڑی مصیبتیں اٹھانا پڑیں، فاطمۂ زہرا کو باپ کی میراث سے محروم کر دیا گیا۔ علیؑ کو خلافت سے دور رکھا گیا، حسن بن علیؑ کو زہر کے ذریعہ شہید کر دیا گیا۔ حسین بن علیؑ کو اولاد و اصحاب سمیت کربلا میں شہید کر دیا گیا اور ان کے ناموس کو قیدی بنا لیا گیا، مسلم بن عقیل اور ہانی کو امان کے بعد قتل کر ڈالا، ابوذر کو ربذہ میں جلا وطن کر دیا گیا اور حجر بن عدی، عمرو بن حمق، میثم تمار، سعید بن جبیر، کمیل بن زیاد اور ایسے ہی سیکڑوں افراد کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ یزید کے حکم سے مدینہ کو تاراج کیا گیا ایسے ہی اور بہت سے سنگین واقعات کے وجود میں آئے کہ جن سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں۔ ایسے تلخ زمانہ کو بھی شیعیان اہل بیت نے استقامت کے ساتھ گزارا اور مہدی کے منتظر رہے۔ کبھی غاصبوں سے حق لینے اور ان سے مبارزہ کیلئے علویوں میں سے کسی نے قیام کیا۔ لیکن کامیابی نہ مل سکی اور قتل کر دیا گیا۔ ان ناگوار حوادث سے اہل بیت کے قلیل ہمنوا ہر طرف سے مایوس ہو گئے اور اپنی کامیابی کا انھیں کوئی راستہ نظر نہ آیا، تو وہ ایک امید دلانے والا منصوبہ بنانے کے لئے تیار ہوئے۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ حالات و حوادث نے ایک غیبی نجات دینے والے اور مہدویت کے عقیدہ کو قبول کرنے کیلئے مکمل طور پر زمین ہموار کر دی تھی۔

اس موقع سے نومسلم یہودیوں اور ابن الوقت قسم کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنے عقیدہ کی ترویج کی یعنی غیبی نجات دینے والے کے معتقد ہوگئے۔ ہر جگہ سے مایوس شیعوں نے اسے اپنے دردِ دل کی تسکین اور ظاہری شکست کی تلافی کے لئے مناسب سمجھا اور دل وجان سے قبول کر لیا لیکن اس میں کچھ ردو بدل کرکے کہنے لگے: وہ عالمی مصلح یقیناً اہل بیت سے ہوگا۔ رفتہ رفتہ لوگ اس کی طرف مائل ہوئے اور اس عقیدہ نے موجودہ صورت اختیار کر لی[1]

توجیہ کی ضرورت نہیں ہے

ہوشیار: اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں سے متعلق آپ نے جو مشکلیں اور مصیبتیں بیان کی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں لیکن تحلیل و توضیح کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب ہمیں مہدویت کے اصلی سرچشمہ کا علم نہ ہوتا۔ لیکن جیسا کہ آپ کو یاد ہے۔ ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ خود پیغمبر اکرمؐ نے اس عقیدہ کو مسلمانوں میں رواج دیا اور ایسے مصلح کی پیدائش کی بشارت دی ہے چنانچہ اس سلسلے میں آپؐ کی احادیث کو شیعوں ہی نے نہیں، بلکہ اہل سنّت نے بھی اپنی صحاح میں درج کیا ہے۔ اس مطلب کے اثبات کے لئے کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اپنی تقریر کی ابتدا میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ عقیدہ یہودیوں کے درمیان مشہور تھا۔ یہ بھی صحیح ہے لیکن آپ کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس عقیدہ کو ابن سبا جیسے

---

[1] المہدیہ فی الاسلام ص۴۸ — ۶۸

یہودیوں نے مسلمانوں کے درمیان فروغ دیا ہے کیونکہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ عالمی مصلح کی پیدائش کی بشارت دینے والے خود نبی اکرمؐ ہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ مسلمان ہونے والے یہودیوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہو۔

عبداللہ بن سبا

اس بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ عبداللہ بن سبا تاریخ کے مسلمات میں سے نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کے وجود کو شیعوں کے دشمنوں کی ایجاد قرار دیا ہے اور اگر واقعی ایسا کوئی شخص تھا تو ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے جن کو اسکی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ کوئی عقلمند اس بات کو قبول نہیں کر سکتا کہ ایک نومسلم یہودی نے ایسی غیر معمولی صلاحیت وسیاست پیدا کر لی تھی کہ وہ اس گھٹن کے زمانہ میں بھی کہ جب کوئی فضائل اہل بیت کے سلسلے میں ایک بات بھی کہنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اس وقت ابن سبا نے ایسے بنیادی اقدامات کئے اور مستقل تبلیغات اور وسائل کی فراہمی سے لوگوں کو اہل بیت کی طرف دعوت دی اور خلیفہ کے خلاف شورش کرنے اور ایسا ہنگامہ برپا کرنے پر آمادہ کیا کہ لوگ خلیفہ کو قتل کر دیں اور خلیفہ کے کارندوں اور جاسوسوں کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ آپ کے کہنے کے مطابق ایک نومسلم یہودی نے ان کے عقیدہ کی بنیادیں اکھاڑ دیں اور کسی شخص میں ہمت دم زدن نہیں ہوئی ایسے کارناموں کے حامل انسان کا وجود صرف تصورات کی دنیا میں تو ممکن ہے[1]۔

---

[1] محققین "نقش وعاظ در اسلام" مولفہ ڈاکٹر علی الوردی ترجمہ خلیلیان ص۱۱۱-۱۲۷۔ "عبداللہ بن سبا" مولفہ سید مرتضیٰ عسکری اور "علی وفرزندانش" مولفہ ڈاکٹر طہٰ حسین ترجمہ خبلی ص۱۳۹-۱۴۳ سے رجوع فرمائیں۔

مہدی تمام مذاہب میں

انجینئر : مہدی موعود کا عقیدہ مسلمانوں سے مخصوص ہے یا یہ عقیدہ تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے ؟

ھوشیار : مذکورہ عقیدہ مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام آسمانی مذاہب میں یہ عقیدہ موجود ہے۔ تمام مذاہب کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ تاریک و بحرانی زمانہ میں ، جب ہر جگہ فساد و ظلم اور بے دینی پھیل جائے گی ، ایک دنیا کو نجات دلانے والا ظہور کرے گا اور بے پناہ غیبی طاقت کے ذریعہ دنیا کے آشفتہ حالات کی اصلاح کرے گا اور بے دینی و مادی رجحان کو ختم کر کے خدا پرستی کو فروغ دے گا اور یہ بشارت ان تمام کتابوں میں موجود ہے جو کہ آسمانی کتاب کے عنوان سے باقی ہیں جیسے زردشتیوں کی مقدس کتاب " زند و پا زند " " جاماسنامہ " یہودیوں کی مقدس کتاب توریت اور اس کے ملحقات میں عیسائیوں کی مقدس کتاب انجیل میں بھی اس کو تلاش کیا جا سکتا ہے نیز برھمنوں اور بودھ مذہب کی کتاب میں بھی کم و بیش اس کا تذکرہ ہے۔

یہ عقیدہ سارے مذاہب و ملتوں میں موجود ہے اور وہ ایسے طاقتور غیبی موعود کے انتظار میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہر مذہب والے اسے مخصوص نام سے پہچانتے ہیں زردشتی سوشیانس — دنیا کو نجات دلانے والا — یہودی سرور میکائیلی ۔ عیسائی

مسیح موعود اور مسلمان مہدی موعود کے نام سے پہچانتے ہیں لیکن ہر قوم یہ کہتی ہے کہ وہ غیبی مصلح ہم میں سے ہوگا ۔ زردشتی کہتے ہیں وہ ایرانی اور مذہب زردشت کا پیرو کار ہوگا یہودی کہتے ہیں وہ بنی اسرائیل سے ہوگا اور موسیٰ کا پیرو ہوگا ، عیسائی اپنے میں شمار کرتے ہیں اور مسلمان بنی ہاشم اور رسولؐ کے اہل بیت میں شمار کرتے ہیں ۔ اسلام میں اس کی بھرپور طریقہ سے شناخت موجود ہے جبکہ دیگر مذاہب نے اس کی کامل معرفت نہیں کرائی ہے ۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس دنیا کو نجات دینے والے کی جو علامتیں اور مشخصات دیگر مذاہب میں بیان ہوئے ہیں وہ اسلام کے مہدی موعود یعنی امام حسن عسکریؑ کے فرزند پر بھی منطبق ہوتے ہیں ، انھیں ایرانی نژاد بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ آپ کے جد امام زین العابدینؑ کی والدہ شہربانو ساسانی بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں اور بنی اسرائیل میں سے بھی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ بنی ہاشم جناب اسماعیل کی اور بنی اسرائیل جناب اسحاقؑ کی اولاد ہیں ۔ اس لحاظ سے بنی ہاشم و بنی اسرائیل کو ایک خاندان کہا جاتا ہے ۔ عیسائیوں سے بھی ایک نسبت ہے کیونکہ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روم کی شہزادی جناب نرجس کے بطن سے ہوں گے ۔

اصولی طور پر یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ہم دنیا کے نجات دلانے والے کو کسی ایک قوم سے مخصوص کردیں کہ جس سے قومی اختلاف پیدا ہو ، اس قوم سے ہیں اس سے نہیں ، اس ملک کا باشندہ ہے اس کا نہیں ہے ، اس مذہب سے تعلق رکھتا ہے دوسروں سے نہیں ۔ اس بنا پر مہدی موعود کو عالمی کہنا چاہیئے ۔ وہ ساری دنیا کے خدا پرستوں کو نجات دلائیں گے ۔ ان کی کامیابی ، تمام انبیاء اور صالح انسانوں کی

کامیابی ہے ۔ترقی یافتہ دین ، دین اسلام، ابراہیم ،موسیٰ ،عیسیٰ اور تمام آسمانی مذاہب کی حمایت کرتا ہے اور موسیٰ وعیسیٰ کے حقیقی دین و مذہب، کہ جنہوں نے محمدؐ کی آمد کی بشارت دی ہے کا حامی ہے ۔

واضح رہے مہدی موعود کی بشارتوں کے ثابت کرنے کے لئے ہم قدیم کتابوں سے استدلال نہیں کرتے ہیں ۔اس کی ضرورت بھی نہیں ہے ۔ ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک غیر معمولی عالمی نجات دہندہ کے ظہور کا عقیدہ تمام ادیان و مذاہب کا مشترک عقیدہ ہے جس کا سرچشمہ وحی ہے اور تمام انبیاء نے اس کی بشارت دی ہے ساری قومیں اس کی انتظار میں ہیں لیکن اس کی مطابقت میں اختلاف ہے۔

قرآن اور مہدویت

فہیمی : اگر مہدویت کا عقیدہ صحیح ہوتا تو قرآن میں بھی اس کا ذکر ہوتا جبکہ اس آسمانی کتاب میں لفظ مہدی بھی کہیں نظر نہیں آتا۔

ہوشیار : اول تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صحیح موضوع اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ قرآن میں بیان ہو۔ ایسی بہت سی صحیح چیزیں ہیں کہ جن کا آسمانی کتاب میں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ دوسرے اس مقدس کتاب میں چند آیتیں ہیں جو اجمالی طور پر ایک ایسے دن کی بشارت دیتی ہیں کہ جس میں حق پرست، اللہ والے، دین کے حامی اور نیک و شائستہ افراد زمین کے وارث ہوں گے اور دین اسلام تمام مذاہب پر غالب ہوگا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں :

سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے :

"ہم نے توریت کے بعد زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ ہمارے شائستہ اور شریف بندے زمین کے وارث ہوں گے[1]"

سورۂ نور میں ارشاد ہے :

"خدا نے ایمان لانے والوں اور عمل صالح انجام دینے والوں سے

---

[1] انبیاء/۱۰۵

وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں سی طرح خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو بنایا تھا، تاکہ اپنے پسندیدہ دین کو استوار کر دے اور خوف کے بعد انھیں مطمئن بنا دے تاکہ وہ میری عبادت کریں اور کسی کو میرا شریک قرار نہ دیں[1]۔"

سورۂ قصص میں ارشاد ہے:

"ہمارا ارادہ ہے کہ ان گوں پر احسان کریں، جنھیں روئے زمین پر کمزور بنا دیا گیا ہے اور، انھیں زمین کا وارث قرار دیں[2]۔"

سورۂ صف میں ارشاد ہے:

"خدا وہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ دین حق تمام ادیان و مذاہب پر غالب ہو جائے اگرچہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی کیوں نہ ہو[3]۔"

ان آیتوں سے اجمالی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا پر ایک دن ایسا آئے گا جس میں زمین کی حکومت کی زمام مومنوں اور صالح لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور وہی تمدن بشریت کے میر کارواں ہوں گے۔ دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہو جائے گا اور شرک کی جگہ خدا پرستی ہوگی۔ یہی درخشاں زمانہ مصلح غیبی منجی بشریت مہدی موعود کے انقلاب کا دن ہے اور یہ عالمی انقلاب صالح مسلمانوں کے ذریعہ آئے گا۔

---

[1] نور / ۵۵۰

[2] قصص / ۴

[3] صف / ۹

نبوّتِ عامّہ اور امامت

فہیمی : میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ شیعہ ایک امام کے وجود کو ثابت کرنے پر کیوں مصر ہیں؟ اپنے عقیدہ کے سلسلے میں آپ اتنی جدوجہد کرتے ہیں کہ : اگر امام ظاہر نہیں ہے تو پردۂ غیبت میں ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ انبیاء نے احکام خدا کو لوگوں کے سامنے مکمل طور پر پیش کر ہے۔ اب خدا کو کسی امام کے وجود کی کیا ضرورت ہے؟

ہوشیار : جو دلیل نبوت عامہ کے اثبات پر قائم کی جاتی ہے اور جس سے یہ بات ثابت کی جاتی ہے کہ خدا پر احکام بھیجنا واجب ہے اس دلیل سے امام حجت خدا اور محافظ احکام کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے۔ اپنا مدعا ثابت کرنے کیلئے پہلے میں اجمالی طور پر نبوت عامہ کے برہان کو بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد مقصد کا اثبات کروں گا۔

اگر آپ ان مقدمات اور ابتدائی مسائل میں صحیح طریقہ سے غور کریں جو کہ اپنی جگہ ثابت ہو چکے ہیں تو نبوت عامہ والا موضوع آپ پر واضح ہو جائے گا۔

۱۔ انسان اس زاویہ پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ تن تنہا زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہے۔ یعنی انسان مدنی الطبع خلق کیا گیا ہے۔

اجتماعی زندگی گزارنے کیلئے مجبور ہے۔ واضح ہے کہ اجتماعی زندگی میں منافع کے حصول میں اختلاف ناگزیر ہے۔ کیونکہ معاشرہ کے ہر فرد کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مادّہ کے محدود منافع سے مالامال ہو جائے اور اپنے مقصد کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بننے والوں کو راہ سے ہٹا دے جبکہ دوسرے بھی اسی مقصد تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس اعتبار سے منافع کے حصول میں جھگڑا اور ایک دوسرے پر ظلم و تعدی کا باب کھلتا ہے لہٰذا معاشرہ کو چلانے کیلئے قانون کا وجود ناگزیر ہے تاکہ قانون کے زیر سایہ لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں اور ظلم و تعدی کرنے والوں کی روک تھام کی جائے اور اختلاف کا خاتمہ ہو جائے۔ اس بنیاد پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بشریت نے آج تک جو بہترین خزانہ حاصل کیا ہے وہ قانون ہے اور اس بات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان اپنی اجتماعی زندگی کے ابتدائی زمانہ سے ہی کم و بیش قانون کا حامل تھا اور ہمیشہ سے قانون کا احترام کرتا چلا آ رہا ہے۔

۲۔ انسان کمال کا متلاشی ہے اور کمال و کامیابی کی طرف بڑھنا اس کی فطرت ہے۔ وہ اپنی سعی پیہم کو حقیقی مقصد تک رسائی اور کمالات کے حصول کیلئے صرف کرتا ہے، اس کے افعال، حرکات اور انتھک کوششیں اسی محور کے گرد گھومتی ہیں۔

۳۔ انسان چونکہ ارتقاء پسند ہے اور حقیقی کمالات کی طرف بڑھنا اس کی سرشت میں ودیعت کیا گیا ہے اس لئے اس مقصد تک رسائی کا کوئی راستہ بھی ہونا چاہئے کیونکہ خالق کوئی عبث و لغو کام انجام نہیں دیتا ہے۔

۴۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ انسان جسم و روح سے مرکب ہے جسم کے اعتبار سے مادی ہے لیکن روح کے ذریعہ، جو بدن سے سخت ارتباط و اتصال رکھتی ہے، وہ

ترقی یافتہ ہے اور روح مجرّد ہے۔

۵۔ انسان چونکہ روح وبدن سے مرکب ہے اس لئے اس کی زندگی بھی لامحالہ دوقسم کی ہوگی: ایک دنیوی حیات کہ جس کا تعلق اس کے بدن سے ہے۔ دوسرے معنوی حیات کہ جس کا ربط اس کی روح اور نفسیات سے ہے۔ نتیجہ میں ان میں سے ہر ایک زندگی کے لئے سعادت وبدبختی بھی ہوگی۔

۶۔ جیسا کہ روح اور بدن کے درمیان سخت قسم کا اتصال وارتباط اور اتحاد برقرار ہے ایسا ہی دنیوی زندگی اور معنوی زندگی میں بھی ارتباط واتصال موجود ہے۔ یعنی دنیوی زندگی کی کیفیت، انسان کے بدن کے افعال وحرکات اس کی روح پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں جب کہ نفسانی صفات وکمالات بھی ظاہر افعال کے بجالانے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۷۔ چونکہ انسان کمال کی راہ پر گامزن ہے اور کمال کی طرف راغب ہونا اس کی فطرت میں داخل ہے، خدا کی خلقت بھی عبث نہیں ہے۔ اس لئے انسانی کمالات کے حصول اور مقصد تک رسائی کے لئے ایسا ذریعہ ہونا چاہئے کہ جس سے وہ مقصد تک پہنچ جائے اور کج رویوں کو پہچان لے۔

۸۔ طبعی طور پر انسان خود خواہ اور منفعت پرست واقع ہوا ہے، صرف اپنی ہی مصلحت وفوائد کو مدنظر رکھتا ہے۔ بلکہ دوسرے انسانوں کے مال کو بھی ہڑپ کرلینا چاہتا ہے اور ان کی جانفشانی کے نتیجہ کا بھی خود ہی مالک بن جانا چاہتا ہے۔

۹۔ باوجودیکہ انسان ہمیشہ اپنے حقیقی کمالات کے پیچھے دوڑتا ہے اور اس حقیقت کی تلاش میں ہر دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے لیکن اکثر اس کی تشخیص سے معذور رہتا ہے

کیونکہ اس کی نفسانی خواہشیں اور درونی جذبات عقلِ عملی سے حقیقت کی تشخیص صلاحیت اور انسانیت کے سیدھے راستہ کو چھپا دیتے ہیں اور اسے بدبختی کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں

کونسا قانون انسان کی کامیابی کا ضامن ہے ؟

چونکہ انسان اجتماعی زندگی گزارنے کیلئے مجبور ہے اور منافع میں اپنے بھائیوں سے مزاحمت بھی اجتماعی زندگی کا لازمہ ہے لہٰذا انسانوں کے درمیان قانون کی حکومت ہونا چاہئے تاکہ اختلاف و پراگندگی کا سدباب ہوجائے۔ قانون بھی معاشرہ کو اسی صورت میں چلا سکتا ہے کہ جب درج ذیل شرائط کا حامل ہوگا۔

۱۔ قوانین جامع و کامل ہوں تاکہ تمام اجتماعی و انفرادی امور میں ان کا نفوذ اور دخل ہو۔ ان میں تمام حالات اور ضرورتوں کی رعایت کی گئی ہو، کسی موضوع سے غفلت نہ کی گئی ہو ایسے قوانین کو معاشرہ کے افراد کی حقیقی اور طبعی ضرورتوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔

۲۔ قوانین حقیقی کامیابی و کمالات کی طرف انسان کی راہنمائی کرتے ہوں، خیالی کامیابی و کمالات کی طرف نہیں۔

۳۔ ان قوانین میں عالم بشریت کی سعادت و کامیابی کو ملحوظ رکھا گیا ہو اور مخصوص افراد کے مفاد کو پورا نہ کرتے ہوں۔

۴۔ وہ معاشرے کو انسانی کمالات و فضائل کے پایوں پر استوار کرتے ہوں اور اس کے اعلیٰ مقصد کی طرف راہنمائی کرتے ہوں یعنی اس معاشرے کے افراد دنیوی زندگی کو انسانی فضائل و کمالات کا ذریعہ سمجھتے ہوں اور اسے (دنیوی زندگی کو) مستقل ٹھکانا خیال نہ کرتے ہوں۔

۵۔ وہ قوانین ظلم و تعدی اور ہرج مرج کو رد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور تمام افراد کے حقوق کو پورا کرتے ہوں۔

۶۔ ان قوانین کی ترتیب و تدوین میں روح اور معنوی زندگی کے پہلوؤں کی بھی مکمل طور پر رعایت کی گئی ہو یعنی ان میں سے کوئی قانون بھی نفس اور روح کیلئے ضرر رساں نہ ہو اور انسان کو سیدھے راستہ سے منحرف نہ کرتا ہو۔

۷۔ معاشرے کو انسانیت کے سیدھے راستہ سے منحرف کرنے اور ہلاکت کے غار میں ڈھکیل دینے والے عوامل سے پاک صاف کرتا ہو۔

۸۔ ان قوانین کا بنانے والا تزاحم (ٹکراؤ) مصلحت اور مفاسد کو بھی اچھی طرح جانتا ہو۔ زمان و مکان کے اقتضا سے واقف ہو۔

انسان یقیناً ایسے قوانین کا محتاج ہے اور یہ اس کی زندگی کے ضروریات میں شمار ہوتے ہیں اور قانون کے بغیر انسانیت تباہ ہے۔ لیکن یہ بات موضوع بحث ہے کہ کیا بشر کے بنائے ہوئے قوانین اس عظیم ذمہ داری کو پورا کر سکتے ہیں اور معاشرہ کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟

ہمارا عقیدہ ہے کوتاہ فکر اور کوتاہ اندیش افراد کا بنایا ہوا قانون ناقص اور معاشرہ کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔ دلیل کے طور پر چند موضوعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ انسان کے علم و اطلاع کا دائرہ محدود ہے۔ عام آدمی مختلف انسانوں کی ضروریات خلقت کے رموز و اسرار خیر و شر کے پہلوؤں، زمان و مکان کے اقتضاء کے اعتبار سے فعل و انفعالات، تاثیر و تأثر اور قوانین کے تزاحم سے مکمل طور پر واقف

نہیں ہے۔

۲۔ اگر بفرض محال قانون بنانے والے انسان ایسے جامع قانون بنانے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو بھی وہ دنیوی زندگی اور معنوی حیات کے عمیق ارتباط اور ظاہر حرکات کے نفس پر ہونے والے اثرات سے بے خبر ہیں اور کچھ آگہی رکھتے ہیں تو وہ ناقص ہے اصولی طور پر معنوی زندگی، ان کے پروگرام سے ہی خارج ہے۔ وہ بشریت کی خوش بختی اور سعادت مندی کو مادی امور میں محدود سمجھتے ہیں جبکہ ان دونوں زندگیوں میں گہرا ربط ہے اور جدائی ممکن نہیں ہے۔

۳۔ چونکہ انسان خود خواہ ہے لہٰذا دوسرے انسانوں کا استحصال طبیعی ہے چنانچہ نوع انسان کا ہر فرد اپنے مفاد کو دوسروں کے مفاد پر ترجیح دیتا ہے۔ پس اختلاف اور استحصال کا سدباب کرنا اس کی صلاحیت سے باہر ہے، کیونکہ قانون بنانے والے انسان کو اس کی خواہش ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے اور اپنے عزیزوں کے منافع و مفاد سے چشم پوشی کرکے لوگوں کی مصلحت کو مدنظر رکھے۔

۴۔ قانون بنانے والا انسان ہمیشہ اپنی کوتاہ نظری کے اعتبار سے قانون بناتا ہے اور انھیں اپنے کوتاہ افکار، تعصبات اور عادتوں کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ لہٰذا چند افراد کے منافع اور مفاد کے لئے قانون بناتا ہے اور قانون بناتے وقت دوسروں کے نفع وضرر کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ ایسے قوانین میں عام انسانوں کی سعادت کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ صرف خدا کے قوانین ایسے ہیں جو کہ انسان کی حقیقی ضرورتوں کے مطابق اور خلقت کے رموز کے مطابق بنے ہیں، ان میں ذاتی اغراض و مفاد اور کجی نہیں ہے اور ان میں عالم بشریت کی سعادت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ واضح ہے کہ انسان قانون الٰہی کا محتاج ہے،

اورخدا کے الطاف کا اقتضا یہ ہے کہ وہ مکمل پروگرام بنا کر اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بندوں تک پہنچائے۔

سعادتِ اخروی

جس وقت انسان دن رات اپنی دنیوی زندگی میں سرگرم ہوتا ہے اسی وقت اس کے باطن میں بھی ایک سربستہ زندگی موجود ہوتی ہے۔ ممکن ہے وہ اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہو اور مکمل طور پر اسے فراموش کرچکا ہو۔ اس مجہول زندگی کی بھی سعادت وشقاوت ہوتی ہے۔ برحق عقائد وافکار، پسندیدہ اخلاق اور شائستہ اعمال روحانی ترقی اور کمال کا باعث ہوتے ہیں اور اسے سعادت وکمال کی منزل تک پہنچاتے ہیں جیسا کہ باطل عقائد، برے اخلاق اور ناروا حرکتیں بھی نفس کی شقاوت وبدبختی کا سبب قرار پاتی ہیں۔ اگر انسان ارتقاء کے سیدھے راستہ پر گامزن ہوتا ہے تو وہ اپنی ذات کے جوہر اور حقیقت کی پرورش کرتا اور اسے ترقی دیتا، اپنے اصلی مرکز عالم نورانیت کی طرف پرواز کرتا ہے اور اگر روحانی کمالات اور پسندیدہ اخلاق کو اپنی حیوانی قوت وعادت اور خواہش نفس پر قربان کردیتا ہے اور ایک درندہ وہوس راں دیو بن جاتا ہے تو وہ ارتقاء کے سیدھے راستہ سے منحرف ہوجائے گا اور تباہی وبدبختی کے بیابان میں بھٹکتا پھرے گا۔ پس معنوی حیات کے لئے بھی انسان ایک مکمل پروگرام اور معصوم راہنما کا محتاج ہے۔ کسی کی مدد کے بغیر اس خطرناک راستہ کو طے نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کی نفسانی خواہشیں اس کی عقل کو اکثر صحیح فیصلہ کرنے اور حقیقت بینی سے باز رکھتی ہیں اور اسے ہلاکت کی طرف لے جاتی ہیں، وہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا کرکے دکھاتی ہیں۔

صرف خالق کائنات انسان کے حقیقی کمالات، واقعی نیک بختی اور اس کے اچھے برے سے واقف ہے اور وہی اس کی نفس کی سعادت وکامیابی اور بدبختی و ناکامی کے عوامل سے بچانے کا مکمل دستورالعمل انسان کے اختیار میں دے سکتا ہے۔ پس اخروی سعادت تک پہنچنے کے لئے بھی انسان خالق کائنات کا محتاج ہے۔

اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ خدائے حکیم نے انسان کو، جو کہ سعادت و بدبختی دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے، ہرگز خواہشات نفس اور حیوانی طاقت کا مطیع نہیں بنایا ہے اور جہالت و نادانی کے بیابان میں سرگرداں نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ اس کے بے شمار الطاف کا اقتضا تھا کہ وہ اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے ذریعہ ایسے احکام، قوانین اور مکمل دستورالعمل جو کہ دنیوی و اخروی سعادت وکامیابی کا ضامن ہو، انسانوں تک پہنچائے اور سعادت وکامیابی اور بدبختی و ناکامی سے انھیں آگاہ کرے تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور مقصد تک پہنچنے کا راستہ ہموار ہو جائے۔

ترقی کا راستہ

انسان کی ترقی اور خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ، برحق عقائد، اعمال صالح اور نیک اخلاق ہیں کہ جنھیں خدا نے انبیاء کے پاکیزہ قلوب پر نازل کیا ہے تاکہ وہ انھیں لوگوں تک پہنچا دیں لیکن یاد رہے یہ راستہ کوئی وقتی اور تشریفاتی نہیں ہے کہ جس کا مقصد سے کوئی ربط نہ ہو بلکہ یہ حقیقی اور واقعی راستہ ہے کہ جس کا سرچشمہ عالم ربوبیت ہے جو بھی اس پر گامزن ہوتا ہے وہی اپنے باطن میں سیر ارتقاء کرتا ہے اور بہشت رضوان کی طرف پرواز کرتا ہے۔

بعبارت دیگر، دین حق ایک سیدھا راستہ ہے، جو بھی اسے اختیار کرتا ہے اسکی انسانیت کامل ہوتی ہے اور وہ انسانیت کے سیدھے راستہ سے سرچشمۂ کمالات کی طرف چلاجاتا ہے جو دیانت کے سیدھے راستے سے منحرف ہوجاتا ہے وہ مجبوراً انسانیت کے فضائل کی راہ کو گم کرکے حیوانیت کے کج راستہ پر لگ جاتا ہے۔ حیوانیت و درندگی کے صفات کی تقویت کرتا اور راہ انسانیت کو طے کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے ایسے شخص کی زندگی دشوار ہوجاتی اور جہنم اس کی تقدیر بن جاتا ہے۔

عصمتِ انبیاء

خداوند عالم کے لطف کا اقتضا یہ ہے کہ لوگوں تک احکام اور ضروری قوانین پہنچانے کے لئے انبیاء کو مبعوث کرے تاکہ وہ مقصد تخلیق کی طرف ان کی راہنمائی کریں۔ خدا کا یہ مقصد اس صورت میں پورا ہوسکتا ہے کہ جب اس کے احکام بغیر کسی تحریف ــ بغیر کمی بیشی ــ کے لوگوں تک پہنچ جائیں اور ان کا عذر بھی ختم ہوجائے۔ اس لئے پیغمبر خطا و نسیان سے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں یعنی خدا سے احکام لینے، ان کے یاد رکھنے اور لوگوں تک پہنچانے میں خطا و نسیان سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان احکام پر انبیاء کو خود بھی عمل کرنا چاہئے تاکہ ان کے قول و عمل میں تضاد نہ ہو اور قول و عمل کے ذریعہ لوگوں کو حقیقی کمالات کی طرف دعوت دیں کہ ان کے پاس کوئی عذر و بہانہ باقی نہ رہے اور راہ حق کی تشخیص میں ادھر ادھر نہ بھٹکیں اور پھر پیغمبر ہی احکام خدا کا اتباع نہیں کریں گے تو ان کی تبلیغ کا بھی کوئی اثر نہ ہوگا، لوگ ان پر اعتماد نہیں کریں گے، کیونکہ وہ اپنی بات کے خلاف عمل کرتے ہیں اور اپنے عمل سے لوگوں کو احکام کے خلاف عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں

اور یہ بات تو واضح ہے کہ عملی تبلیغ اگر قولی تبلیغ کے برابر نہیں تو کم بھی نہیں ہے ۔

ہمارے علوم و مدرکات خطا سے محفوظ نہیں ہیں کیونکہ وہ حواس اور قوائے مدرکہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور حواس سے سرزد ہونے والی غلطی و خطا سب پر عیاں ہے لیکن لوگوں کی ہدایت کیلئے جو علوم و احکام خدا کی طرف سے وحی کے ذریعہ انبیاء پر نازل ہوتے ہیں ۔ان کی یہ کیفیت نہیں ہے ، انھیں انبیاء نے حواس اور قوۂ مدرکہ کے ذریعہ حاصل نہیں کیا ہے ورنہ ان کی معلومات میں خطا کا واقع ہونا ضروری ہوتا اور اس طرح لوگوں تک حقیقی احکام نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بلکہ ان کے علوم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عالم غیب سے ان کے قلب پر نازل ہوتے ہیں ، ان حقائق کو وہ علم حضوری کی صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور جن چیزوں کا وہ دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں وہ ان پر عالم بالا سے نازل ہوتے ہیں اور وہ انھیں لوگوں کے اختیار میں دیتے ہیں ۔ چونکہ انبیاء ان حقائق کا ادراک کرتے ہیں اسلئے ان کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی خطا واقع نہیں ہوتی ۔

اسی لئے وہ ان احکام کی مخالفت اور عصیان سے بھی معصوم و محفوظ ہوتے ہیں ، اپنے علم پر عمل کرتے ہیں کیونکہ جو شخص عین حقائق اور اپنے کمالات و سعادت کا مشاہدہ کرتا ہے وہ یقین کے ساتھ اپنے مشاہدات پر عمل کرتا ہے اور ایسا انسان اپنے کمال کو نہیں گنواتا ہے

امامت پر عقلی دلیل

نبوّت عامہ کی دلیل کی وضاحت کے بعد آپ اس بات کی ضرور تصدیق کریں گے کہ اسی برہان کا اقتضاء یہ ہے کہ جب لوگوں کے درمیان کوئی پیغمبر نہ ہو تو اس وقت کسی انسان کو نبی کا جانشین اور احکام خدا کا خزینہ دار ہونا چاہئے کہ جو احکام کی حفاظت اور ان کی تبلیغ

میں کوتاں رہے۔ کیونکہ انبیاء کی بعثت اور لوگوں تک احکام بھیجنے میں جو خدا کا مقصد ہے وہ اسی وقت پورا ہوگا اور اس کے الطاف کمال کو پہنچیں گے اور اس کے بندوں پر حجت تمام ہوگی جب اس کے تمام قوانین و احکام لوگوں میں بغیر کسی تحریف کے محفوظ رہیں گے۔ پس پیغمبر کی عدم موجودگی میں لطفِ خدا کا اقتضا یہ ہے کہ انسانوں میں کسی کو ان احکام کی حفاظت و نگہداری کا ذمہ دار بنائے۔

اس منتخب شخص کو بھی احکام لینے، یاد رکھنے اور لوگوں تک پہنچانے میں خطا و نسیان سے معصوم ہونا چاہئے تاکہ خدا کا مقصد پورا ہو جائے اور اس کے بندوں پر اسکی حجت تمام ہو جائے۔ احکام دین کو اس میں جلوہ گر ہونا چاہئے، خود ان پر عمل پیرا ہونا چاہئے تاکہ دوسرے اپنے اعمال و اخلاق اور اقوال کی اس کے اعمال سے مطابقت کریں۔ اس کا اتباع کریں، اور راہ حقیقت کو تلاش کرنے میں کسی شک و تردد میں مبتلا نہ ہوں اور ہر طریقہ سے حجت تمام ہو جائے۔ چونکہ وہ اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے میں خطا و اشتباہ سے معصوم ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے حواس اور قوہ مدرکہ کے ذریعہ علوم کسب نہیں کئے ہیں اور لوگوں کے علوم سے بہت زیادہ مختلف ہیں، بلکہ پیغمبر کی ہدایت سے اس کی چشم بصیرت چمک اٹھتی ہیں وہ دل کی آنکھوں سے انسانیت کے حقائق و کمالات کو مشاہدہ کرتا ہے اس لئے وہ بھی خطا سے محفوظ و معصوم ہے اور یہی حقائق و کمالات کا مشاہدہ ان کی عصمت کی علت ہے اور اپنے علوم و مشاہدات کے مطابق عمل کرنے کا باعث ہے اور علم و عمل کے ذریعہ وہ لوگوں کا امام بنتا ہے۔

بہ عبارت دیگر: نوع انسان کے درمیان ہمیشہ ایسے انسان کامل کا وجود ضروری ہے کہ جو خدا کے برحق عقائد کا معتقد اور انسانیت کے نیک اخلاق و صفات پر عمل پیرا ہو

اور احکام دین پر عمل کرتا ہو اور سب کو اچھی طرح جانتا ہو، ان مراحل میں خطا و عصیان سے معصوم ہو، علم و عمل کے ذریعہ تمام انسانی کمالات اس میں وجود پذیر ہو گئے ہوں اور وہ لوگوں کا امام ہو۔ جس زمانہ میں ایسا شخص موجود نہ ہوگا اس زمانہ میں خدا کے وہ احکام، جو کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئے ہیں، ختم ہو جائیں گے اور حق تعالیٰ کے فیوض وغیبی امداد کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور عالم ربوبیت و عالم انسانی میں کوئی رابطہ برقرار نہ رہے گا۔

بعبارت دیگر، نوع انسان کے درمیان ہمیشہ ایسے شخص کو موجود ہونا چاہئے جو کہ مستقل، خدا کی تائید و ہدایت اور فیضان کا مرکز ہو اور وہ معنوی فیوض، باطنی مدد کے ذریعہ ہر انسان کو اس کی استعداد کے مطابق مطلوبہ کمال تک پہنچائے اور احکام الٰہی کا خزینہ دار ہو تاکہ ضرورت کے وقت مانع نہ ہونے کی صورت میں لوگ اس کے علوم سے مستفید ہوں۔ امام حجت حق، نمونہ دین اور انسان کامل ہے جو بشر کی توانائی کی حد تک خدائی معرفت رکھتا اور اس کی عبادت کرتا ہے۔ اگر اس کا وجود نہ ہوگا تو خدا کی کامل معرفت اور عبادت نہ ہوگی۔ امام کا قلب خدا کے علوم کا خزینہ دار اور اسرار الٰہی کا مخزن ہے ایک آئینہ کی مانند ہے کہ جس میں عالم ہستی کے حقائق جلوہ گر ہوتے ہیں تاکہ دوسرے ان حقائق کے انعکاس سے مستفید ہوں۔

جلالی: دین کے احکام و قوانین کا طریقہ اسی میں منحصر نہیں ہے کہ ایک شخص ان سب کو جانتا ہو اور ان پر عمل کرتا ہو، بلکہ اگر دین کے تمام احکام و قوانین کو مختلف لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان میں سے ایک جماعت بعض احکام کا علم حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہو تو اس صورت میں بھی، علم و عمل کے اعتبار سے دین کے تمام احکام لوگوں کے درمیان محفوظ رہیں گے۔

ہوشیار : آپ کا فریضہ دو اعتبار سے غلط ہے:

اول: گزشتہ بحثوں میں یہ بات کہی جا چکی ہے کہ نوع انسان کے درمیان ایک ممتاز انسان کو موجود ہونا چاہئے کہ جس میں انسانیت کے تمام ممکنہ کمالات جمع ہوں اور وہ دین کے سیدھے راستہ پر قائم ہو اور تعلیم و تربیت میں خدا کے علاوہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ اگر ایسا کامل انسان لوگوں کے درمیان نہ رہے تو انسانیت کی کوئی غایت نہ ہوگی اور غایت کے بغیر نوع کا تباہ ہونا یقینی ہے جبکہ آپ کے فرضیہ میں ایسا کامل انسان نہیں ہے کیونکہ ان اشخاص میں اگرچہ ایک بہت سے احکام کو جانتا اور ان پر عمل کرتا ہے لیکن دین کے سیدھے راستہ پر ان میں سے کوئی بھی واقع نہیں ہوا ہے بلکہ سب جادۂ حقیقت سے منحرف ہیں کیونکہ صراط مستقیم اور دین کے احکام کے درمیان ایک مضبوط و عمیق رابطہ برقرار ہے کہ جس کو منقطع کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوسرے: جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ جو قوانین خدا کی طرف سے انسان کی ہدایت کیلئے نازل ہوئے ہیں انھیں ہمیشہ ان کے درمیان محفوظ رہنا چاہئے یعنی ان میں کسی قسم کی تحریف ممکن نہ ہو اور تغیر و تبدل کے ہر خطرہ سے محفوظ ہوں تاکہ لوگ ان کے صحیح نسخہ کو پورے اعتماد سے تسلیم کرلیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان کا محافظ و خزینہ دار معصوم اور خطا و نسیان اور معصیت سے محفوظ ہو۔ جبکہ آپ کے دونوں مفروضوں میں یہ چیز نہیں ہے کیونکہ خطا و نسیان اور معصیت ہر فرد سے سرزد ہو سکتی ہے۔ نتیجہ میں خداوند عالم کے احکام تغیر و تبدل سے محفوظ نہیں ہیں اور خدا کی حجت تمام نہیں ہے اور بندوں کا عذر اپنی جگہ باقی ہے۔

امامت حدیث کی نظر میں

ہوشیار: امامت سے متعلق جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ سب اہل بیت کی

روایات میں موجود ہیں۔ اگر تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو احادیث کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں :

ابو حمزہ کہتے ہیں : میں نے حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کی کیا امام کے وجود کے بغیر زمین باقی رہ سکتی ہے؟ فرمایا: اگر زمین پر امام کا وجود نہ ہوگا تو دھنس جائے گی۔[1]

وشاء کہتے ہیں : میں نے امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کی : امام کے بغیر زمین باقی رہ سکتی ہے؟ فرمایا: نہیں ۔ عرض کی : ہم تک روایت پہنچی ہے کہ زمین حجت خدا، امام کے وجود سے اس وقت خالی ہوتی ہے جب خدا اپنے بندوں پر غضبناک ہوتا ہے ۔ امام رضاؑ نے فرمایا کہ : زمین وجودِ امام سے خالی نہ ہوگی ورنہ دھنس جائے گی ۔[2]

ابن طیار کہتے ہیں : میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا : اگر زمین پر صرف دو انسان ہوں گے تو بھی ان میں سے ایک امام ہوگا۔[3]

حضرت ابو جعفرؑ فرماتے ہیں : خدا کی قسم حضرت آدمؑ کے انتقال کے وقت سے اس وقت تک خدا نے زمین کو اس امام کے وجود سے خالی نہ رکھا ہے جس سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور وہی لوگوں پر خدا کی حجت ہے ۔ زمین کبھی امام کے وجود سے خالی نہیں رہتی کیونکہ وہ بندوں پر خدا کی حجت ہے ۔[4]

---

[1] اصول کافی ج ۱ ص ۳۳۴

[2] " " " ص ۳۳۴

[3] " " " ص ۳۳۵

[4] " " " ص ۳۳۳

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: خدا نے ہمیں بہترین طریقہ سے خلق فرمایا ہے اور زمین و آسمان میں اپنے علم کا خزینہ دار قرار دیا ہے۔ درخت ہم سے ہم کلام ہوتے ہیں اور ہماری عبادت سے خدا کی عبادت ہوتی ہے اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی عبادت نہ ہوتی۔[1]

آپؑ ہی کا ارشاد ہے: اوصیاء خدا علوم کے دروازے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ دین میں داخل ہونا چاہئے اگر وہ نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا اور خدا ان کے وجود سے اپنے بندوں پر حجت قائم کرتا ہے۔[2]

ابو خالد کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے اس آیت فآمنوا باللّٰہ ورسولہ والنّور الّذی انزلنا۔ کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا: اے ابو خالد! خدا کی قسم نور سے مراد ائمہ ہیں، اے ابو خالد! نورِ امام سے مومنوں کے دل سورج سے زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ وہی مومنوں کے دلوں کو نورانی بناتے ہیں۔ خدا جس سے چاہتا ہے ان کے نور کو پوشیدہ رکھتا ہے اور اس کا قلب تاریک ہوجاتا ہے۔[3]

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: جب خدا کسی کو اپنے بندوں کے امور کے لئے منتخب کرتا ہے تو اسے سعۂ صدر عطا کرتا ہے، اس کے قلب کو علم و حکمت کا اور حقائق کا سرچشمہ قرار دیتا ہے اور ہمیشہ اپنے علوم کا الہام کرتا ہے اس کے بعد وہ کسی جواب سے عاجز نہیں ہوتا ہے اور صحیح راہنمائی اور حقائق کو بیان کرنے میں گمراہ نہیں ہوتا، خطا سے معصوم ہے

---

[1] اصول کافی جلد ۱ ص ۳۶۸

[2] 〃 〃 〃 〃 ص ۳۶۹

[3] 〃 〃 〃 〃 ص ۳۷۲

خدا کی توفیقات و تائیدات ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہیں، خطا و لغزش سے محفوظ رہتا ہے ۔ اس لئے خدا نے اسے منتخب کیا ہے تاکہ اس کے بندوں پر حجت و گواہ ہو جائے ۔ یہ خدا کی بخشش ہے، جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے ۔ بے شک خدا بہت بڑا فضل کرنے والا ہے[1]

پیغمبر فرماتے ہیں: ستارے آسمان والوں کے لئے باعث امان ہیں ۔ ان کے تباہ ہونے سے آسمان والے بھی تباہ ہو جائیں گے اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے باعث امان ہیں اگر میرے اہل بیت نہ رہیں گے تو زمین والے ہلاک ہو جائیں گے[2]

حضرت علی بن ابیطالب کا ارشاد ہے: زمین خدا کیلئے قیام کرنے والے قائم اور حجت خدا سے خالی نہیں رہتی، وہ کبھی ظاہر و آشکار ہوتا ہے۔ کبھی پوشیدہ رہتا ہے تاکہ خدا کی حجت باطل نہ ہو جائے وہ کتنے اور کہاں ہیں؟؟ خدا کی قسم وہ تعداد میں بہت کم ہیں لیکن خدا کے نزدیک قدر کے اعتبار سے عظیم ہیں ان کے ذریعہ اپنی حجت و برہان کی حفاظت کرتا ہے تاکہ اس امانت کو اپنے ہی رتبہ کے افراد کے سپرد کریں اور اپنے جیسے لوگوں کے قلوب میں اس کا بیج بوئیں ۔

علم نے انھیں بصیرت و حقیقت تک پہنچا دیا ہے ، وہ یقین کی منزلوں میں وارد ہو چکے ہیں اور جس چیز کو مال دار و دولت مند دشوار سمجھتے ہیں وہ ان کیلئے سہل و آسان ہے۔ جس چیز سے جاہل ڈرتے ہیں یہ اس سے مانوس ہیں ۔ یہ دنیا میں ان جسموں کے ساتھ رہتے ہیں کہ جن کی ارواح ملائے اعلیٰ سے معلق رہتی ہیں ۔ یہ زمین پر خدا کے خلیفہ اور

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صـ۳۹۰

[2] تذکرۃ الخواص الامۃ صـ۱۸۲

دین کے دعوت دینے والے ہیں۔[۱]

آپؑ ہی کا ارشاد ہے: اہل بیتؑ کے وجود میں قرآن کے گراں بہا گوہر ودیعت کئے گئے ہیں۔ وہ خدا کے خزانے ہیں اگر وہ بولتے ہیں تو سچ اور خاموش رہتے ہیں تو کوئی ان پر سبقت نہیں کرتا۔[۲]

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اہل بیت کی برکت سے حق اپنی جگہ مستقر ہوا ہے اور باطل کی بنیاد اکھڑ گئی ہے اور اس کی بنیاد تو اکھڑنے والی ہی تھی۔ انہوں نے دین کو سمجھ لیا ہے۔ چنانچہ اس کو حفظ کرتے اور اس پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ یہ تعقل، سننے اور نقل کرنے میں محدود نہیں ہے۔ یقیناً علم کے بیان کرنے والے بہت ہیں لیکن اس پر عمل کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔[۳]

اب میں اپنے بیان کو سمیٹتا ہوں، اور اس سلسلے میں مذکورہ عقلی دلیلوں اور احادیث سے استفادہ کرتا ہوں، جب تک روئے زمین پر نوع انسان کا وجود ہے اس وقت تک ان کے درمیان ایک ایسے کامل و معصوم انسان کا وجود بھی ضروری ہے کہ جس میں اس نوع کے تمام کمالات جلوہ گر ہوں، علم و عمل سے لوگوں کی ہدایت کرتا ہو اور لوگوں کا امام ہو وہ انسانی کمالات کی راہوں کو طے کرتا اور دوسرے لوگوں کو ان کمالات و مقامات کی طرف بلاتا ہو۔ اس کے واسطے سے عالم انسانیت کا عالم غیب سے ارتباط و اتصال

۱؎ نہج البلاغہ ج ۳ خطبہ ۱۴۷

۲؎ " " ج ۲ خطبہ ۱۵۰

۳؎ " " " خطبہ ۲۳۴

برقرار رہتا ہے ۔ عالم غیب کے فیوض و برکات پہلے اس کے مقدس وجود پر اور پھر دوسروں پر نازل ہوتے ہیں ۔ اگر لوگوں کے درمیان ایسا کامل اور ممتاز انسان موجود نہ ہو تو نوع انسانی کی کوئی غرض و غایت نہ رہے گی اور غرض و غایت سے انقطاع کے بعد نوع کا تباہ ہو جانا یقینی ہے ۔ پس دوسری دلیلوں سے قطع نظر یہ دلیل بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ؛ کوئی زمانہ ، یہاں تک کہ ہمارا زمانہ بھی ، وجود امام سے خالی نہیں ہے اور چونکہ ہمارے زمانہ میں امام ظاہر نہیں ہیں اس لئے کہنا چاہئے کہ پردۂ غیب میں ہیں ۔

• • •

نگارندہ : بحث طویل ہو گئی تھی ۔ لہٰذا بقیہ بحث کو دوسرے جلسہ پر موقوف کر دیا گیا ۔

عالم ہورقلیا اور امام زمانہ

جلالی صاحب کے گھر پر جلسہ منعقد ہوا اور موصوف نے ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

جلالی : مسلمانوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ امام زمانہ امام حسن عسکری کے فرزند ہیں جو کہ ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے اور اس دنیا سے عالم ہورقلیا منتقل ہو گئے اور جب انسانیت درجہ کمال پر پہنچ جائے گی اور دنیا کی کدورتوں سے پاک ہو جائے گی اور امام زمانہ کے دیدار کی صلاحیت پیدا کرے گی تو اس وقت آپ کا دیدار کرے گی۔

اسی جماعت کے ایک بزرگ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں : یہ عالم زمین کی تہہ میں تھا آدم کے زمانہ میں اسے کہا گیا : اوپر آؤ جبکہ وہ اوپر کی طرف ہی محو سفر تھا وہ گرد و غبار اور کثافتوں سے نکل کر صاف فضا میں نہیں پہنچا ہے۔ پس یہ ایک تاریک جگہ ہے جہاں وہ دین کو تلاش کرتا ہے، عمل کرتا ہے اعتقاد پیدا کرتا ہے اور جب غبار سے گزر کر صاف ہوا میں داخل ہوگا تو مہدی کے روئے منور کو دیکھے گا اور ان کے نور کو مشاہدہ کرے گا اور کھلم کھلا ان سے استفادہ کرے گا۔ احکام بدل جائیں گے دنیا کی کچھ اور ہی حالت ہوگی، دین کی کیفیت بھی بدل جائے گی۔

پس ہمیں وہاں جانا چاہئے جہاں ولی ظاہر ہو سکا۔ ہیں نہ کہ ولی ہمارے پاس آئے اگر ولی ہمارے پاس آجائے اور ہم میں صلاحیت و لیاقت نہ ہو تو ان سے مستفید نہ

ہوسکیں گے، اگر وہ آجائے اور اسی حالت پر باقی رہیں گے تو انھیں دیکھ سکیں گے اور نہ مستفیض ہوسکیں گے اور اگر ہماری قابلیت میں اضافہ ہوجائے اور اچھے بن جائیں تو واضح ہے کہ ہم نے ترقی کی کچھ منزلیں طے کر لی ہیں لہٰذا ہمیں ترقی کرکے اوپر جانا چاہئے تاکہ اس مقام تک پہنچ جائیں جس کو فلسفہ کی اصطلاح میں، ہورقلیا کہتے ہیں۔ جب دنیا ترقی کرکے ہورقلیا تک پہنچ جائے گی تو وہاں اپنے امام کی حکومت وحق کو مشاہدہ کریگی اور ظلم ختم ہوجائے گا۔

ھوشیار: مؤلف کا مقصد واضح نہیں ہے۔ اگر وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امام زمانہ نے اپنے مادی جسم کو چھوڑ کر جسم مثالی اختیار کر لیا ہے اور اب زمین کے موجودات میں ان کا شمار نہیں ہوتا ہے اور مادّہ کے آثار سے بری ہیں، تو یہ بات نامعقول اور امامت کی عقلی ونقلی دلیلوں کے منافی ہے کیونکہ ان دلیلوں کا مقتضی یہ ہے کہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان ایک ایسے کامل انسان کا وجود ضروری ہے کہ جس میں انسانیت کے سارے کمالات جمع ہوں، صراط مستقیم پر گامزن ہو اور لوگوں کے امور کی زمام اپنے ہاتھ رکھتا ہو تاکہ نوع انسان حیران وسرگرداں نہ رہے اور خدا کے احکام ان کے درمیان محفوظ رہیں اور خدا کے بندوں پر حجت تمام ہوجائے۔ بہ عبارت دیگر: جہاں انسان کمال اور مقصد انسانیت کی طرف رواں دواں ہیں وہیں رہبر کا وجود بھی ناگزیر ہے۔

اگر مولف کی مراد عالم ہورقلیا سے اسی دنیا کا کوئی نقطہ مراد ہے تو بات ہمارے عقیدے کے منافی نہیں ہے لیکن ان کلام سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا نامعقول ہے۔

---

[۱] ارشاد العوام مولفہ محمد کریم خان ج ۳ ص ۴۰

کیا مہدی آخری زمانہ میں پیدا ہونگے؟

ہم آپ کی بات کو اس حد تک تو تسلیم کرتے ہیں کہ مہدی کا وجود اسلام کے مسلم موضوعات میں سے ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے بھی ان کے ظہور کی خبر دی ہے۔ لیکن اس بات میں کیا حرج ہے کہ مہدی ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں جب دنیا کے حالات سازگار ہوجائیں گے اس وقت خداوند عالم پیغمبر اکرمؐ کی اولاد میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو کہ عدل وانصاف کے پھیلانے ظلم کے مٹانے اور خدا پرستی کے فروغ کے لئے قیام کرے گا اور کامیاب ہوگا؟

ھوشیار : اول تو ہم نے عقلی ونقلی دلیلوں سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ امام کے وجود سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہے چنانچہ امام نہ ہوں گے تو یہ دنیا بھی نہ ہوگی، اس بنا پر ہمارے زمانہ میں بھی امام موجود ہیں۔

دوسرے ہم نے پیغمبر اور ان کے اہل بیت کی احادیث سے امام مہدی کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ پس ان کے اوصاف وتعارف کو بھی احادیث ہی سے ثابت کرنا چاہیے

خوش قسمتی سے امام مہدی کی تمام علامتیں اور صفات احادیث میں موجود ہیں اور اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے لیکن چونکہ ان احادیث کے بیان کیلئے کئی جلسے درکار ہیں اس لئے آپ کے سامنے انکی فہرست پیش کرتا ہوں اگر تفصیل چاہتے ہیں تو احادیث کی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

مہدی کی تعریف

امام بارہ ہیں ان میں پہلے علی بن ابیطالب اور آخری مہدی ہیں ۹۱ حدیث

امام بارہ ہیں اور آخری مہدی ہیں	۹۴ حدیث
امام بارہ ہیں ان میں سے نو امام حسینؑ کی نسل سے ہوں گے اور نواں قائمؑ ہے	۱۰۷ حدیث
مہدیؑ عترت رسولؐ سے ہیں	۳۸۹ حدیث
مہدیؑ اولاد علیؑ سے ہیں	۲۱۴ حدیث
مہدیؑ اولاد فاطمہؑ سے ہیں	۱۹۲ حدیث
مہدیؑ اولاد حسینؑ سے ہیں	۱۸۵ حدیث
مہدیؑ حسینؑ کی نویں پشت میں ہیں	۱۴۸ حدیث
مہدیؑ امام زین العابدینؑ کی اولاد سے ہیں	۱۸۵ حدیث
مہدیؑ امام محمد باقرؑ کی اولاد سے ہیں	۱۰۳ حدیث
مہدیؑ امام جعفر صادقؑ کی اولاد سے ہیں	۱۰۳ حدیث
مہدیؑ امام جعفر صادقؑ کی چھٹی پشت میں ہیں	۹۹ حدیث
مہدیؑ امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد میں ہیں	۱۰۱ حدیث
مہدیؑ امام موسیٰ کاظمؑ کی پانچویں پشت میں ہیں	۹۸ حدیث
مہدیؑ امام رضاؑ کی اولاد سے ہیں	۹۵ حدیث
مہدیؑ امام محمد تقیؑ کی تیسری پشت میں ہیں	۹۰ حدیث
مہدیؑ امام علی نقیؑ کی اولاد سے ہیں	۹۰ حدیث
مہدیؑ امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں	۱۴۵ حدیث
مہدیؑ کے والد کا نام حسن ہے	۱۴۸ حدیث
مہدیؑ رسولؐ کے ہم نام و ہم کنیت ہیں	۴۷ حدیث[1]

[1] یہ احادیث منتخب الاثر، مؤلفہ آیت اللہ صافی، سے نقل کی گئی ہیں۔

رسول خداؐ کا ارشاد ہے: مہدیؑ میری اولاد سے ہے وہ میرا ہم نام و ہم کنیت ہوگا، اخلاق و خلق میں تمام لوگوں کی بہ نسبت وہ مجھ سے مشابہ ہے۔ اس کی غیبت کے دوران لوگ سرگردان اور گمراہ ہوں گے۔ اس کے بعد وہ چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ظاہر ہوگا اور زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پر کرے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔[۱]

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ ان احادیث میں جس طرح مہدی کی تعریف و توصیف کی گئی ہے اس سے کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

یہاں یہ بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے بعض احادیث میں ایک ہی شخص میں اپنے نام اور اپنی کنیت کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا: میرے نام اور کنیت کو ایک شخص میں جمع نہ کرو۔[۲]

چنانچہ اسی ممانعت کی بنا پر جب حضرت علی بن ابیطالب نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی تو بعض صحابہ نے اعتراض کیا لیکن حضرت علی بن ابیطالب نے فرمایا: میں نے اس سلسلے میں رسول خدا سے خصوصی اجازت لی ہے صحابہ کی ایک جماعت نے بھی حضرت علیؑ کی بات کی تائید کی۔ اگر اس بات کو ان احادیث کے ساتھ ضمیمہ کر لیا جائے کہ جن میں مہدی کو رسول خدا کا ہم نام و ہم کنیت قرار دیا گیا ہے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ رسول خداؐ نام محمد اور ابوالقاسم کنیت کے اجتماع کو مہدی کی علامت

۱؎ بحار الانوار جلد ۵۱ ص۷۲

۲؎ الطبقات الکبریٰ طبع لندن جلد ۱ ص۶۷

بنانا اور اسے دوسروں کیلئے ممنوع قرار دینا چاہتے تھے۔ اسی بنیاد پر محمد بن حنفیہ نے اپنے مہدی ہونے کے سلسلہ میں اپنے نام اور کنیت کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا: میں مہدی ہوں میرا نام رسولؐ کا نام ہے اور میری کنیت رسولؐ خدا کی کنیت ہے[1]

مہدی امام حسینؑ کی اولاد سے ہیں

فہیمی: ہمارے علماء تو مہدی کو حسنؑ کی اولاد سے بتاتے ہیں اور ان کا مدرک وہ حدیث ہے جو سنن ابی داؤد میں نقل ہوئی ہے۔

ابو اسحاق کہتے ہیں: علیؑ نے اپنے بیٹے حسنؑ کو دیکھ کر فرمایا: میرا بیٹا سید ہے کہ رسولؐ نے انھیں سید کہا ہے ان کی نسل سے ایک سید ظاہر ہوگا کہ جس کا نام رسول کا نام ہوگا۔ اخلاق میں رسولؐ سے مشابہہ ہوگا لیکن صورت میں ان جیسا نہ ہوگا[2]

ہوشیار: اولاً ممکن ہے کتابت وطباعت میں غلطی کی وجہ سے حدیث میں اشتباہ ہوا ہو اور حسین کے بجائے حسن چھپ گیا ہو کیونکہ بالکل یہی حدیث اسی متن وسند کے ساتھ دوسری کتابوں میں موجود ہے اور اس میں حسن کے بجائے حسین مرقوم ہے[3]

ثانیاً: اس حدیث کا ان احادیث کے مقابل کوئی اعتبار نہیں ہے جو کہ شیعہ، سنی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں اور ان میں مہدی کو اولاد حسین سے بتایا گیا ہے۔ مثال کے

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۶۶

[2] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۰۸

[3] اثبات الھداۃ ج ۲ ص ۲۰۸

طور پر اہل سنت کی کتابوں سے یہاں چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں :

حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا :

" اگر دنیا کا ایک ہی دن باقی رہے گا تو بھی خدا اس دن کو اتنا طولانی بنادے گا کہ میری اولاد سے میرا ہمنام ایک شخص قیام کرے گا سلمان نے عرض کی : اے اللہ کے رسولؐ ! وہ آپ کے کس بیٹے کی نسل سے ہوگا ؟ رسول اکرمؐ نے اپنا ہاتھ حسینؑ کی پشت پر رکھا اور فرمایا : اس سے [1]۔"

ابوسعید خدری نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا :

" اس امت کا مہدی، کہ جن کی اقتدار میں جناب عیسیٰ نماز پڑھیں گے، ہم سے ہوگا ۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنا دست مبارک حسینؑ کے شانہ پر رکھا اور فرمایا : اس امت کا مہدی میرے اس بیٹے کی نسل سے ہوگا [2]"

سلمان فارسی کہتے ہیں کہ میں رسول خدا کی خدمت میں شرفیاب ہوا تو حسینؑ آنحضرتؐ کے زانو پر بیٹھے ہوئے تھے ، آپؐ ان کے ہاتھ اور رخسار کو چوم رہے تھے اور فرمارہے تھے :

" تم سید، سید کے بیٹے ، سید کے بھائی ، امام کے بیٹے، امام کے بھائی، حجت، حجت کے بیٹے اور حجت کے بھائی ہو ، تم نو حجت خدا کے باپ ہو کہ جن میں نواں قائم ہوگا [3]۔"

---

[1] ذخائر العقبیٰ ص ۱۳۶

[2] کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان باب ۹

[3] ینابیع المودۃ ج ۱ ص ۱۴۵

ان احادیث کا اقتضا جو کہ مہدی کے اولادِ حسینؑ سے ہونے پر دلالت کر رہی ہیں، یہ ہے کہ اس حدیث کی پروا نہیں کرنا چاہئے، جو کہ مہدی کو نسلِ حسنؑ سے قرار دیتی ہے۔ اگر متن و سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح بھی ہو تو پہلی حدیث کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ امام حسنؑ و امام حسینؑ دونوں ہی امام زمانہ کے جد ہیں، اس لئے امام محمد باقرؑ کی مادرِ گرامی امام حسنؑ کی بیٹی تھیں، درج ذیل حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے:

پیغمبر اکرمؐ نے جناب فاطمہؑ زہرا سے فرمایا:

"اس امت کے دو سبط مجھ سے ہوں گے اور وہ تمہارے بیٹے حسنؑ و حسینؑ ہیں جو کہ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ خدا کی قسم ان کے باپ ان سے افضل ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس امت کا مہدی تمہارے ان ہی دونوں بیٹوں کی اولاد سے ہوگا جب دنیا شورش ہنگاموں میں مبتلا ہوگی۔[1]"

---

1. اثبات الھداۃ ج ۷، ص ۱۸۳

اگر مہدی مشہور ہوتے ؟

جلالی : اگر مہدی موعود کی شخصیت اتنی ہی مشہور ہوتی اور صدر اسلام کے مسلمان ، ائمہ اور اصحاب نے مذکورہ تعریفیں سنی ہوتیں تو اصولی طور پر اشتباہ اور کج فہمی کا سد باب ہو جانا چاہئے تھا اور اصحاب وائمہ اور علماء سے اشتباہ نہ ہوتا جبکہ دیکھنے میں تو یہ بھی آتا ہے کہ ائمہ اطہار کی بعض اولاد کو بھی اس کی خبر نہ تھی ، پس جعلی و جھوٹے مہدی جو کہ صدر اسلام میں پیدا ہوئے انہوں نے خود کو اسلام کے مہدی کے قالب میں ڈھال کر لوگوں کو فریب دیتے ہیں ، نے کیسے کامیابی حاصل کی ؟ اگر مسلمان مہدی کے نام ، کنیت ، ان کے ماں باپ کے نام ، ان کے بارہویں امام ہونے اور دوسری علامتوں کے باوجود لوگ کیسے دھوکہ کھا گئے اور محمد بن حنفیہ ، محمد بن عبد اللہ بن حسن یا حضرت جعفر صادق و موسیٰ کاظم کو کیسے مہدی سمجھ لیا ؟

ھوشیار : جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ صدر اسلام میں مہدی کے وجود کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان مسلم تھا ، ان کے وجود میں کسی کو شک نہیں تھا ۔ پیغمبر اکرم وجود مہدی ، اجمالی صفات ، توحید و عدالت کی حکومت کی تشکیل ، ظلم و ستم کی بیخ کنی ، دین اسلام کا تسلط اور ان کے ذریعہ کائنات کی اصلاح کے بارے میں مسلمانوں کو خبر دیا کرتے تھے اور ایسی خوشخبریوں کے ذریعہ ان کے حوصلہ بڑھاتے تھے ۔ لیکن مہدی کی حقیقی خصوصیات اور علامتوں کو بیان نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس موضوع کو کسی حد تک راز میں رکھتے اور اسرار نبوت کے حاملین اور قابل اعتماد افراد ہی سے بیان کرتے تھے ۔

رسول اسلام نے مہدی کی حقیقی علامتوں کو علی بن ابیطالبؑ، فاطمۂ زہراؑ اور اپنے بعض رازدار صحابہ سے بیان کرتے تھے لیکن عام صحابہ سے اسے سربستہ اور اجمالی طور پر بیان کرتے تھے۔ ائمہ اطہار بھی اس سلسلے میں پیغمبرؐ کی سیرت پر عمل کرتے اور عام مسلمانوں کے سامنے اسے مجمل طریقہ سے بیان کرتے تھے۔ لیکن ایک امام دوسرے سے مہدی کی حقیقی و مشخص علامتیں بیان کرتا تھا اور رازدار و قابل اعتماد اصحاب سے بیان کرتا تھا۔ لیکن عام مسلمان یہاں تک ائمہ کی بعض اولاد بھی اس کی تفصیل نہیں جانتی تھی۔

اس اجمال گوئی سے پیغمبر اور ائمہ اطہار کے دو مقصد تھے، ایک یہ کہ اس طریقہ سے حکومت توحید کے دشمن ظالموں اور ستمگروں کو حیرت میں ڈالنا تھا تاکہ وہ مہدی موعود کو نہ پہچان سکیں چنانچہ اسی طریقہ سے انہوں نے مہدی کو نجات دی ہے۔ پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہار جانتے تھے کہ اگر ظالم اور برسر اقتدار حکومت وقت اور خلفاء مہدی کو نام، کنیت اور ان کے ماں باپ و دیگر خصوصیات کے ذریعہ پہچان لیں گے تو یقینی طور پر انکے آباء و اجداد کو قتل کر کے ان کی ولادت میں مانع ہوں گے۔ اپنی حکومت کو بچانے کے لئے بنی امیہ و بنی عباس ہر احتمالی خطرہ سے نمٹنے کیلئے تمام ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے اور اس سلسلے میں قتل و غارت گری سے بھی درگزر نہیں کرتے تھے جس شخص کے متعلق وہ یہ سوچ لیتے تھے کہ وہ ان کی حکومت کے لئے خطرہ بن سکتا ہے اسی کے قتل کے درپے ہو جاتے تھے خواہ متہم شخص ان کا عزیز، خدمت گار ہی ہوتا، اپنی کرسی کو بچانے کیلئے وہ اپنے بھائی اور بیٹے کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ بنی امیہ اور بنی عباس کو مہدی کی علامتوں اور خصوصیات کی کامل اطلاع نہیں تھی اس کے باوجود انہوں نے احتمالی خطرہ کے سدباب کے لئے اولاد فاطمہ اور علویوں میں سے ہزاروں افراد کو

تہ تیغ کرڈالا، صرف اس لئے تاکہ مہدی قتل ہوجائے یا وہ قتل ہوجائے کہ جس سے آپؑ پیدا ہونے والے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے ایک حدیث میں مفضل وابوبصیر اور ابان بن تغلب سے فرمایا:

"بنی امیہ و بنی عباس نے جب سے یہ سنا ہے کہ ہمارے قائم ستمگروں کی حکومت کا خاتمہ کریں گے اسی وقت سے وہ ہماری دشمنی پر اتر آئے ہیں اور اولاد پیغمبرؐ کے قتل کیلئے تلوار کھینچ لی اور اس امید پر کہ وہ مہدی کے قتل میں کامیاب ہوجائیں۔ نسل رسولؐ کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے لیکن خدا نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ستمگروں کو حقیقی واقعات کی اطلاع ہی نہ ہونے دی۔[1]"

ائمہ اطہارؑ مہدی کی خصوصیات کے شہرت پاجانے کے سلسلے میں اتنے خوفزدہ رہتے تھے کہ اپنے اصحاب اور بعض علویوں سے بھی حقائق پوشیدہ رکھتے تھے۔

ابوخالد کابلی کہتے ہیں کہ: میں نے امام محمد باقرؑ سے عرض کی مجھے قائم کا نام بتا دیجئے تاکہ میں صحیح طریقہ سے پہچان لوں۔ امام نے فرمایا:

"اے ابوخالد! تم نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا ہے کہ اگر اولادِ فاطمہ سن لیں تو مہدی کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں گے۔[2]"

اس اجمال گوئی کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ کمزور ایمان والے دین کے تسلط سے مایوس نہ ہوجائیں کیونکہ صدر اسلام سے انہوں نے پیغمبر اکرمؐ اور حضرت علیؑ کی پاکیزہ

---

[1] کمال الدین جلد ۲ ص ۲۳

[2] غیبت شیخ ص ۲۰۲

زندگی اُن کی عدالت کا مشاہدہ کیا تھا اور دین حق کے غلبہ پانے کی بشارتیں سنی تھیں ظلم و ستم سے عاجز آچکے تھے۔ ہزاروں امیدوں کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور چونکہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، ان کے کفر کا زمانہ قریب تھا، ابھی ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا اور تاریخ کے ناگوار حوادث سے جلد متاثر ہو جاتے تھے۔

دوسری طرف بنی امیہ و بنی عباس کے کردار کا مشاہدہ کر رہے تھے اور اسلامی معاشرہ کی زبوں حالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان ناگوار حوادث اور شورشوں نے انہیں حیرت زدہ کر رکھا تھا۔ اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کمزور ایمان والے دین اور حق کے غلبہ پانے سے مایوس ہو کر اسلام سے نہ پھر جائیں جن موضوعات نے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کرنے، ان کی امید بندھانے اور ان کے دلوں کو شاداب کرنے میں کسی حد تک مثبت کردار ادا کیا ہے ان میں سے ایک یہی مہدی موعود کا انتظار تھا۔ لوگ ہر روز اس انتظار میں رہتے تھے کہ مہدی موعود قیام کریں اور اسلام و مسلمانوں کے ناگفتہ بہ حالات کی اصلاح کریں ظلم و ستم کا قلع قمع کریں اور قانون اسلام کو عالمی سطح پر رائج کریں ظاہر ہے اس کا نتیجہ اسی وقت برآمد ہو سکتا تھا کہ جب مہدی کی حقیقی علامتوں اور خصوصیات کو لوگوں کو واضح طور پر نہ بتایا جاتا ورنہ اگر مکمل طریقہ سے ظہور کا وقت اور علامتیں بتا دی جاتیں اور انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ مہدی کس کے بیٹے ہیں اور کب قیام کریں گے۔ مثلاً ظہور میں کئی ہزار سال باقی ہیں تو اس کا مطلوبہ نتیجہ کبھی حاصل نہ ہوتا۔ اسی اجمال گوئی نے صدر اسلام کے کمزور ایمان والے افراد کی امید بندھائی چنانچہ انھوں نے تمام مصائب و آلام کو برداشت کیا۔

یقطین نے اپنے بیٹے علی بن یقطین سے کہا: ہمارے بارے میں جو پیشین گوئیاں

ہوئی ہیں وہ تو پوری ہوتی ہیں لیکن تمہارے مذہب کے بارے میں جو پیشین گوئی ہوئی ہیں وہ پوری نہیں ہو رہی ہیں؟! علی بن یقطین نے جواب دیا: ہمارے اور آپ کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا سرچشمہ ایک ہی ہے لیکن چونکہ آپ کی حکومت کا زمانہ آگیا ہے لہٰذا آپ سے متعلق پیشین گوئیاں یکے بعد دیگرے پوری ہو رہی ہیں۔ لیکن آل محمدؐ کی حکومت کا زمانہ ابھی نہیں آیا ہے اس لئے ہمیں مسرت بخش امیدوں کا سہارا دے کر خوش رکھا گیا ہے۔ اگر ہم سے یہ بتا دیا جاتا کہ آل محمدؐ کی حکومت دو سو یا تین سو سال تک قائم نہیں ہوگی تو لوگ مایوس ہو جاتے اور اسلام سے خارج ہو جاتے لیکن یہ قضیہ ہمارے لئے اس طرح بیان ہوا ہے کہ ہمارا ہر دن آل محمدؐ کی حکومت کی تشکیل کے انتظار میں گزرتا ہے۔[1]

---

[1] غیبت شیخ طبع دوم ص ۲۰۷

احادیث اہل بیتؑ
تمام مسلمانوں کیلئے حجّت ہیں

فہیمی : انصاف کی بات تو یہ ہے کہ آپ کی احادیث نے مہدی کی خوب تعریف و توصیف کی ہے مگر آپ کے ائمہ کے اقوال و اعمال ہم اہل سنّت کے نزدیک معتبر نہیں ہیں اور ان کی قدر و قیمت نہیں ہے۔

ہوشیار : میں امامت و ولایت کا موضوع آپ کے لئے ثابت نہیں کرنا چاہتا ہوں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ عترت رسولؐ کے اقوال تمام مسلمانوں کیلئے حجت اور معتبر ہیں خواہ وہ انھیں امام تسلیم کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ کیونکہ رسولؐ نے اپنی احادیث میں، جو کہ قطعی ہیں اور شیعہ، سنی دونوں کے نزدیک صحیح ہیں، اہل بیت کو علمی مرجع قرار دیا ہے اور ان کے اقوال و اعمال کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً :

رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے :

"میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر تم نے ان سے تمسک کیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب خدا ہے جو کہ زمین و آسمان کے درمیان

واسطہ اور وسیلہ ہے دوسرے میرے اہل بیت عترت ہیں یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ دیکھو! تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو!"[1]

اس حدیث کو شیعہ اور اہل سنّت دونوں نے مختلف اسناد و عبارت کے ساتھ اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور صحیح مانا ہے۔ صواعق محرقہ میں ابن حجر لکھتے ہیں: نبی اکرمؐ سے یہ حدیث بہت سے طرق و اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور بیسیوں راویوں نے اس کی روایت کی ہے۔ پیغمبر اسلامؐ قرآن و اہل بیت کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بارہا مسلمانوں سے ان کے بارے میں تاکید کی ہے چنانچہ حجۃ الوداع، غدیر خم اور طائف سے واپسی پر ان کے بارے میں تاکید کی۔

ابو ذر نے رسولؐ اسلام سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے، جو سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جس نے روگردانی کی وہ ہلاک ہوا۔"[2]

رسولؐ کا ارشاد ہے:

"جو چاہتا ہے میری زندگی جئے اور میری موت مرے اور جنت میں درخت طوبیٰ کے سایہ میں کہ جس کو خدا نے لگایا ہے، ساکن ہو اسے چاہئے کہ وہ میرے بعد

---

[1] ذخائر العقبیٰ طبع قاہرہ ص۱۶، صواعق محرقہ ص۱۴۷، فصول المہمہ ص۲۲۔ السیرۃ والنہایہ ج ۵ ص۲۰۹ کنز العمال طبع حیدر آباد ص۱۵۳ و ۱۶۷، درر السمطین مولفہ محمد بن یوسف طبع نجف ص۲۳۲ تذکرۃ الخواص ص۱۸۲

[2] صواعق محرقہ ص۱۵۰ و ص۱۸۴۔ تذکرۃ الخواص ص۱۸۲۔ ذخائر العقبیٰ ص۲۰۔ درر السمطین ص۲۳۵

علی کو اپنا ولی قرار دے اور ان کے دوستوں سے دوستی کرے اور میرے بعد ائمہ کی اقتدا کرے، کیونکہ وہ میری عترت ہیں، میری ہی طینت سے خلق کئے گئے ہیں اور علم و فہم کے خزانے سے نوازے گئے ہیں۔ تکذیب کرنے والوں اور ان کے بارے میں میرا احسان قطع کرنے والوں کے لئے تباہی ہے، انھیں ہرگز میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی[1]۔"

رسول خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"اے علیؑ! آپ اور آپ کی اولاد سے ہونے والے ائمہ کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے روگردانی کی وہ ہلاک ہوا آپ کی مثال ستاروں جیسی ہے ایک غروب ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ طلوع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔[2]"

جابر بن عبداللہ انصاری نے رسول خدا سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"علیؑ کے دو بیٹے جوانان جنت کے سردار ہیں اور وہ میرے بیٹے ہیں، علی ان کے دونوں بیٹے اور ان کے بعد کے ائمہ خدا کے بندوں پر اس کی حجت ہیں۔ میری امت کے درمیان وہ علم کے باب ہیں۔ ان کی پیروی کرنے والے آتش جہنم سے بری ہیں۔ ان کی اقتدا کرنے والا صراط مستقیم پر ہے ان کی محبت خدا اسی کو نصیب کرتا ہے جو جنتی ہے[3]۔"

---

[1] اثبات الھداۃ ج ۲ ص۱۵۳

[2] " " ج ۱ ص۲۴

[3] " " " ص۵۴

حضرت علی بن ابیطالب نے لوگوں سے فرمایا:

"کیا تم جانتے ہو کہ رسولؐ خدا نے اپنے خطبہ میں یہ فرمایا تھا: لوگو! میں کتاب خدا اور اپنے اہل بیت کو تمہارے درمیان چھوڑ رہا ہوں ان سے وابستہ ہو جاؤ گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے کیونکہ مجھے خدائے علیم نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہ سن کر عمر بن خطاب غضب کی حالت میں کھڑے ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ چیز آپؐ کے تمام اہل بیت کے لئے ہے؟ فرمایا: نہیں! یہ صرف میرے اوصیاء کے بارے میں ہے کہ ان میں سے پہلے میرے وزیر، میرے وارث، میرے جانشین اور مومنین کے مولا علی ہیں اور علیؑ کے بعد میرے بیٹے حسنؑ اور ان کے بعد میرے بیٹے حسین اور ان کے بعد حسینؑ کی اولاد سے میرے نو اوصیا ہوں گے جو کہ قیامت تک یکے بعد دیگرے آئیں گے۔ وہ روئے زمین پر علم کا خزانہ، حکمت کے معادن اور بندوں پر خدا کی حجت ہیں۔ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی معصیت و نافرمانی کی۔ جب حضرت کا بیان یہاں تک پہنچا تو تمام حاضرین نے بیک زبان کہا: ہم گواہی دیتے ہیں رسول خدا نے یہی فرمایا تھا۔"[1]

اس قسم کی احادیث سے کہ جن سے شیعہ، سنی کتابیں بھری پڑی ہیں، چند چیزیں سمجھ میں آتی ہیں:

---

[1] جامع احادیث الشیعہ ج ۱ مقدمہ

الف : جس طرح قرآن قیامت تک لوگوں کے درمیان باقی رہے گا اسی طرح اہل بیت رسول بھی قیامت تک باقی رہیں گے ۔ ایسی احادیث کو امام غائب کے وجود پر دلیل قرار دیا جا سکتا ہے ۔

ب : عترت سے مراد رسولؐ کے بارہ جانشین ہیں ۔

ج : رسولؐ نے اپنے بعد لوگوں کو حیرت کے عالم میں بلا تکلیف نہیں چھوڑا ہے ، بلکہ اپنے اہل بیت کو علم و ہدایت کا مرکز قرار دیا اور ان کے اقوال و اعمال کو حجت جانا ہے ، اور ان سے تمسک کرنے پر تاکید کی ہے ۔

د : امام قرآن اور اس کے احکام سے جدا نہیں ہوتا ہے ۔ اس کا پروگرام قرآن کے احکام کی ترویج ہوتا ہے ۔ اس لئے اسے قرآن کے احکام کا مکمل طور پر عالم ہونا چاہئے جس طرح قرآن لوگوں کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ اپنے تمسک کرنے والے کو کامیابی عطا کرتا ہے ۔ اسی طرح امام سے بھی راہ ہدایت میں خطا نہیں ہوتی ہے اگر ان کے اقوال و اعمال کا لوگ اتباع کریں گے تو یقیناً کامیاب و رستگار ہوں گے کیونکہ امام خطا سے معصوم ہیں ۔

علیؑ علم نبیؐ کا خزانہ ہیں

رسولؐ کی احادیث اور سیرت سے واضح ہوتا ہے کہ جب آنحضرت نے یہ بات محسوس کی کہ تمام صحابہ علم نبیؐ کے برداشت کرنے کی صلاحیت و قابلیت نہیں رکھتے اور حالات بھی سازگار نہیں ہیں اور ایک نہ ایک دن مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہوگی تو آپؐ نے اس کے لئے حضرت علیؑ کو منتخب کیا اور علوم نبوت اور معارف اسلام کو آپ سے

مخصوص کیا اور ان کی تعلیم و تربیت میں رات، دن کوشاں رہے۔ اس سلسلہ میں چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے:

"علیؑ نے آغوشِ رسول میں تربیت پائی اور ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہے۔"[1]

پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں قریب بلاؤں اور اپنے علوم کی تعلیم دوں تم بھی ان کے حفظ و ضبط میں کوشش کرو اور خدا پر تمہاری مدد کرنا ضروری ہے"[2]

"حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے جو کچھ رسول خدا سے سنا اسے فراموش نہیں کیا۔"[3]

آپؑ ہی کا ارشاد ہے: "رسول خداؐ نے ایک گھنٹہ رات میں اور ایک گھنٹہ دن میں مجھ سے مخصوص کر رکھا تھا کہ جس میں آپؐ کے پاس میرے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا"[4]

حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا: آپؑ کی احادیث سب سے زیادہ کیوں ہیں؟ فرمایا:

"میں جب رسول خدا سے کوئی سوال کرتا تھا تو آپؐ جواب دیتے اور جب میں خاموش ہوتا تو آپ ہی گفتگو کا سلسلہ شروع فرماتے تھے۔"[5]

---

[1] اعیان الشیعہ ج ۳ ص ۱۱

[2] ینابیع المودۃ ج ۱ ص ۱۰۴

[3] اعیان الشیعہ ج ۳

[4] ینابیع المودۃ ج ۱ ص ۷۷

[5] " " " ج ۲ ص ۳۶ ۔ طبقات بن سعد ج ۲ ص ۱۰۱

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: رسول خدا نے مجھ سے فرمایا:

"میری باتوں کو لکھ لیا کرو۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ میں فراموش کر دوں گا؟ فرمایا: نہیں! کیونکہ میں نے خداوند عالم سے یہ دعا کی ہے کہ تمہیں حافظ اور ضبط کرنے والا قرار دے۔ لیکن ان مطالب کو اپنے شریک کار اور اپنی اولاد سے ہونے والے ائمہ کے لئے محفوظ کر لو۔ ائمہ کے وجود کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔ لوگوں کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں بلائیں ان سے رفع ہوتی ہیں اور آسمان سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس کے بعد حسنؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تمہارے بعد یہ پہلے امام ہیں۔ پھر حسینؑ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: یہ ان کے دوسرے ہیں اور ان کی اولاد سے نو امام ہونگے۔"[۱]

کتابِ علیؑ

حضرت علیؑ نے اپنی ذاتی صلاحیت، توفیق الٰہی اور رسول خدا کی کوشش سے پیغمبر اسلام کے علوم و معارف کا احاطہ کر لیا اور انھیں ایک کتاب میں جمع کیا اور اس صحیفۂ جامعہ کو اپنے اوصیاء کی تحویل میں دیدیا تاکہ وقت ضرورت وہ اس سے استفادہ کریں۔

اہل بیت کی احادیث میں یہ موضوع منصوص ہے از باب نمونہ:

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:

"ہمارے پاس ایک چیز ہے کہ جس کی وجہ سے ہم لوگوں کے نیاز مند نہیں

۱۔ ینابیع المودۃ ج۱ ص۲۱

ہیں جبکہ لوگ ہمارے محتاج ہیں کیونکہ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو رسولؐ کا املا اور حضرت علیؑ کے خط میں مرقوم ہے۔ اس جامع کتاب میں تمام حلال وحرام موجود ہے[۱]"

حضرت امام محمد باقرؑ نے جابر سے فرمایا:

"اے جابر اگر ہم اپنے عقیدہ اور مرضی سے تم سے کوئی حدیث نقل کرتے تو ہلاک ہوجاتے۔ ہم تو تم سے وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو کہ ہم نے رسول خدا سے اسی طرح ذخیرہ کی ہے جیسے لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں[۲]۔"

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: میں نے حضرت صادقؑ سے سنا کہ آپؑ فرماتے ہیں:

"ہمارے پاس ایک مجلد کتاب ہے جو ستر گز لمبی ہے یہ رسولؐ کا املا اور حضرت علیؑ کا خط ہے، لوگوں کی تمام علمی ضرورتیں اس میں موجود ہیں، یہاں تک بدن پر وارد ہونے والی خراش بھی مرقوم ہے[۳]۔"

علمِ نبوت کے وارث

فہیمی صاحب: آپ تو اولادِ رسولؐ کی امامت کو قبول نہیں کرتے ہیں لیکن انکے اقوال کو تو بہرحال آپ کو معتبر اور حجت تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس طرح صحابہ و تابعین کی احادیث کو حجت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عترت رسولؐ کی بیان کردہ احادیث کو بھی حجت سمجھئے بالفرض

۱۔ جامع احادیث الشیعہ ج ۱ مقدمہ

۲۔ " " " "

۳۔ جامع احادیث الشیعہ ج ۱

اگر وہ امام نہیں ہیں تو روایت کرنے کا حق تو ان سے سلب نہیں ہوا ہے۔ ان کے اقوال کی اہمیت ایک معمولی راوی سے کہیں زیادہ ہے۔ اہل سنت کے علما نے بھی ان کے علم اور طہارت کا اعتراف کیا ہے[1]

ائمہ نے بار بار فرمایا ہے کہ: ہم اپنی طرف سے کوئی چیز بیان نہیں کرتے ہیں بلکہ پیغمبر کے علوم کے وارث ہیں جو کچھ کہتے ہیں اسے اپنے آبا و اجداد کے ذریعہ پیغمبر سے نقل کرتے ہیں۔ از باب نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

"میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے اور ان کی حدیث میرے جد کی حدیث ہے اور میرے جد کی حدیث حسینؑ کی حدیث ہے، حسینؑ کی حدیث حسنؑ کی حدیث ہے اور حسنؑ کی حدیث امیر المؤمنینؑ کی حدیث ہے اور امیر المؤمنین کی حدیث رسول اللہؐ کی حدیث ہے اور حدیث رسولؐ، خدا کا قول ہے[2]"

فہیمی صاحب! آپ سے انصاف چاہتا ہوں! کیا جوانان جنت کے سردار حسنؑ و حسینؑ، زین العابدین، ایسے عابد و متقی اور محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ جیسے صاحبان علم کی احادیث ابوہریرہ، سمرہ بن جندب اور کعب الاحبار کی حدیثوں کے برابر بھی نہیں ہیں؟!!!

پیغمبر اسلام نے علیؑ اور ان کی اولاد کو اپنے علوم کا خزانہ قرار دیا ہے اور اس موضوع کو بار بار مسلمانوں کے گوش گزار کیا ہے اور ہر مناسب موقع محل پر ان کی طرف لوگوں کی راہنمائی

---

[1] روضۃ الصفا ج ۳۔ اثبات الوصیہ مؤلفہ مسعودی

[2] جامع احادیث الشیعہ ج ۱ مقدمہ

کی ہے مگر افسوس وہ اسلام کے حقیقی راستہ سے منحرف ہو گئے اور اہل بیت کے علوم سے محروم ہو گئے جو کہ ان کی پسماندگی کا سبب ہوا۔

جلالی : ابھی میرے ذہن میں بہت سے سوالات باقی ہیں لیکن چونکہ وقت ختم ہو چکا ہے اس لئے انھیں آئندہ جلسہ میں اٹھاؤں گا۔

انجینئر : اگر احباب مناسب سمجھیں تو آئندہ جلسہ غریب خانہ پر منعقد ہو جائے۔

کیا امام حسن عسکریؑ کے یہاں کوئی بیٹا تھا؟

ہفتہ کی رات میں احباب انجینئر صاحب کے گھر جمع ہوئے اور جلالی صاحب کے سوال سے جلسہ کا آغاز ہوا۔

جلالی: میں نے سنا ہے کہ امام حسن عسکری کے یہاں کوئی بیٹا ہی نہیں تھا!

ہوشیار: چند طریقوں سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے یہاں بیٹا تھا:

الف ۔ پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہار علیہم السلام سے نقل ہونے والی احادیث میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ حسن بن علی بن محمد کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا جو طولانی غیبت کے بعد لوگوں کی اصلاح کے لئے قیام کرے گا۔ اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیگا یہ موضوع روایات میں مختلف تعبیروں میں بیان ہوا ہے:

مثلاً: مہدی حسینؑ کی نویں پشت میں ہیں، مہدی حضرت صادق کی چھٹی اولاد ہیں، مہدی موسیٰ کاظمؑ کی پانچویں اولاد ہیں، مہدی امام رضاؑ کی چوتھی اولاد ہیں مہدی امام محمد تقی کی تیسری اولاد ہیں۔

ب ۔ بہت سی احادیث میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ مہدی موعود گیارہویں امام حسن عسکری سے کے بیٹے ہیں، بطور مثال ملاحظہ فرمائیں:

صقر کہتے ہیں: میں نے علی بن محمدؑ سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا:

"میرے بعد میرے بیٹے حسن (عسکری) امام ہیں اور ان کے بعد ان کے بیٹے قائم ہیں جو کہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پُر کریں گے جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی"۔[1]

ج: امام حسن عسکریؑ نے متعدد احادیث میں اس بات کی خبر دی ہے کہ قائم و مہدی میرا بیٹا ہے اور امام و پیغمبر جھوٹ و خطا سے منزہ ہیں ان احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

محمد بن عثمان نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے:

"میں امام حسن عسکری کی خدمت میں تھا کہ آپؑ سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا جو کہ ان کے آباء و اجداد سے نقل ہوئی ہے کہ تا قیامت زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہے گی اور جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مرجائے، وہ جہالت کی موت مرتا ہے۔ امامؑ نے جواب دیا: "یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح اور حق ہے"۔ عرض کیا گیا: اے فرزند رسولؐ! آپؑ کے بعد امام و حجت کون ہے؟ فرمایا: "میرے بیٹے محمد حجت و امام ہیں اور جو ان کے معرفت کے بغیر مرے گا وہ جہالت کی موت مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! میرا بیٹا غیبت میں رہے گا، اس زمانہ میں دنیا والے سرگرداں ہوں گے، باطل پرست ہلاک ہوں گے اور جو شخص ان کے ظہور کے

---

[1] اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۲۷۵

وقت کو معین کرتا ہے وہ جھوٹا ہے وہ اپنی غیبت کا زمانہ ختم ہو جانے کے بعد قیام کریں گے گویا میں سفید پرچم نجف میں ان کے سر پر لہراتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔[1]

د - امام حسن عسکریؑ نے اپنے بیٹے کی ولادت کی چند اشخاص کو خوشخبری دی ہے از باب مثال ملاحظہ فرمائیں:

۱- فضل بن شاذانؒ جن کا انتقال حضرت حجت کی ولادت کے بعد اور امام حسن عسکری کی شہادت سے قبل ہوا تھا، انہوں نے اپنی کتاب غیبت میں محمد بن علی بن حمزہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام حسن عسکری سے سنا کہ آپؑ فرما رہے تھے:

"۱۵ شعبان (۲۵۵) کی شب میں طلوع فجر کے وقت حجت خدا اور میرا جانشین مختون پیدا ہوا ہے۔[2]"

۲- احمد بن اسحاق کہتے ہیں: میں نے امام حسن عسکریؑ سے سنا کہ آپؑ فرما رہے تھے:

"حمد ہے اس خدا کی جس نے میرے مرنے سے قبل ہی مجھے میرا جانشین دکھا دیا، اخلاق و خلق میں وہ سب سے زیادہ رسولؐ سے مشابہ ہے، ایک مدت تک خدا انھیں پردۂ غیب میں رکھے گا اس کے بعد انھیں ظاہر کرے گا تاکہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے پر کریں۔[3]"

۳- احمد بن حسن بن اسحاق قمی نے روایت کی ہے کہ جب خلف صالح پیدا ہوئے اس وقت امام حسنؑ کا خط احمد بن اسحاق کے بدست میرے پاس پہنچا اس میں آپؑ نے اپنے دست مبارک

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۶۰

[2] منتخب الاثر طبع اول ص ۳۲۰

[3] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۶۱

سے تحریر کیا تھا کہ :

"ہمارے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے، اس بات کو مخفی رکھنا کیونکہ میں بھی سوائے اپنے دوستوں کے اور کسی سے بیان نہیں کروں گا۔[1]"

۴- اسحاق بن احمد کہتے ہیں : ایک روز میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا، آپؑ نے فرمایا :

"احمد! جس چیز کے بارے میں لوگ شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟ میں نے عرض کی : ہمارے زن و مرد اور بوڑھے جوان پر تو حق اس وقت آشکار ہو گیا تھا جب آپؑ نے خط کے ذریعہ بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی تھی چنانچہ ہم ان کے معتقد ہو گئے ہیں۔[2]"

۵- ابوجعفر عمری نے روایت کی ہے کہ جب صاحب الامر پیدا ہوئے اس وقت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا :

"ابو عمرو کو بلاؤ"، جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا : دس ہزار رطل[3] نان اور دس ہزار رطل گوشت خرید کر لاؤ اور بنی ہاشم میں تقسیم کر دو اور فلاں گوسفند سے میرے بیٹے کا عقیقہ کرو۔[4]

احادیث و اخبار کے اس مجموعہ سے یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے یہاں بیٹا تھا۔

---

[1] اثبات الهداة ج ٦ ص ۴۳۲

[2] منتخب الاثر طبع اول ص ۳۷۵

[3] یعنی آدھا سیر

[4] اثبات الهداة ج ٦ ص ۴۳۰

امام زمانہؑ کو بچپنے میں دیکھا گیا ہے

ڈاکٹر : یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی کے یہاں بیٹا پیدا ہو اور کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو؟ پانچ سال گزر جائیں اور کوئی اسے پہچانتا نہ ہو ؟ کیا امام حسن عسکری کی سامرہ میں بود و باش نہیں تھی ؟ کیا ان کے گھر کسی کی بھی آمد و رفت نہیں تھی ؟ کیا صرف عثمان بن سعید کے کہنے سے اس چیز کو قبول کیا جا سکتا ہے ؟

ھوشیار : اگرچہ یہ طے تھا کہ امام حسن عسکریؑ کے بیٹے کو کوئی نہ دیکھنے پائے لیکن پھر بھی بعض قریبی اور قابل اعتماد اشخاص نے انھیں بچپن میں دیکھا ہے اور ان کے وجود کی گواہی دی ہے ، مثلاً :

۱۔ حکیمہ خاتون بنت امام محمد نقی امام حسن عسکری کی پھوپھی ، صاحب الامر کی ولادت کے وقت وہاں موجود تھیں اور انہوں نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے : حکیمہ خاتون کہتی ہیں : پندرہ شعبان (۲۵۵) کی شب میں امام حسن عسکری کے گھر تھی ۔ جب میں اپنے گھر واپس آنا چاہتی تھی اس وقت امام حسن عسکری نے فرمایا : پھوپھی جان ! آج کی رات آپ ہمارے ہی گھر ٹھہر جائیے کیونکہ آج کی رات ولی خدا اور میرا جانشین پیدا ہوگا ۔ میں نے دریافت کیا کس کنیز سے ؟ فرمایا : سوسن سے ۔

میں نے سوسن کو اچھی طرح سے دیکھا لیکن مجھے حمل کے آثار نظر نہ آئے۔ نماز اور افطار کے بعد سوسن کے ساتھ میں ایک کمرے میں سو گئی۔ تھوڑی دیر بعد بیدار ہوئی تو امام حسن عسکری کی باتوں کے متعلق سوچنے لگی۔ پھر نماز شب میں مشغول ہوئی۔ سوسن نے بھی نماز شب ادا کی۔ صبح صادق کا وقت قریب آگیا۔ لیکن وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے مجھے امام حسن عسکری کی باتوں میں شک ہونے لگا تو دوسرے کمرہ سے امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: پھوپھی جان شک نہ کیجئے میرے بیٹے کی ولادت کا وقت قریب ہے۔

اچانک سوسن کی حالت بدل گئی میں نے پوچھا: کیا بات ہے۔ فرمایا: شدید درد محسوس ہو رہا ہے۔ میں وضع حمل کے وسائل فراہم کرنے میں مشغول ہو گئی اور دایہ کے فرائض کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی۔

کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ولی خدا پاک و پاکیزہ پیدا ہوئے اور اسی وقت امام حسن عسکری نے فرمایا: پھوپھی جان میرے بیٹے کو لائیے۔ میں بچہ کو ان کے پاس لے گئی انہوں نے بچہ کو لیا اور اپنی زبان مبارک اس کی آنکھوں پر پھرائی تو بچہ نے آنکھیں کھول دیں اس کے بعد نوزاد کے دہان اور کان پر زبان پھرائی اور سر پر ہاتھ پھیرا تو بچہ گویا ہوا اور تلاوت قرآن کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اس کے بعد بچہ مجھے دیدیا اور فرمایا: "اس کی ماں کے پاس لے جائیے"۔ حکیمہ خاتون کہتی ہیں: میں نے بچہ کو اس کی ماں کو دیدیا اور اور اپنے گھر لوٹ آئی۔ تیسرے دن میں پھر امام حسن عسکری کے گھر گئی اور پہلے بچہ کو دیکھنے کی غرض سے سوسن کے کمرہ میں داخل ہوئی لیکن بچہ وہاں نہیں تھا۔ اس کے بعد امام حسن عسکری کی خدمت میں پہنچی۔ لیکن بچہ کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی تھی، کہ امام حسن عسکری نے فرمایا: پھوپھی جان میرا بیٹا خدا

کی پناہ میں غائب ہو گیا ہے۔ جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا اور ہمارے شیعہ ہمارے جانشین کے بارے میں اختلاف کرنے لگیں تو آپ قابل اعتماد شیعوں سے میرے بیٹے کی داستان ولادت بیان کر دیجئے گا لیکن اس قضیہ کو مخفی رکھنا چاہئے کیونکہ میرا بیٹا غائب ہو جائے گا۔[1]

۲۔ امام حسن عسکری کی خدمت گار نسیم و ماریہ نے روایت کی ہے کہ: جب صاحب الامر نے ولادت پائی تو پہلے وہ دو زانو بیٹھے اور اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ اس کے بعد چھینک آئی تو فرمایا: "الحمد للہ رب العالمین"[2]

۳۔ ابو غانم خادم کہتا ہے: امام حسن عسکری کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا، تیسرے دن اس بچہ کو آپ نے اپنے اصحاب کو دکھایا اور فرمایا: "یہ میرا بیٹا میرے بعد تمہارا امام و مولیٰ ہے اور یہی وہ قائم ہے جس کا تم انتظار کروگے اور اس وقت ظہور کرے گا جب زمین ظلم وستم سے بھر جائے گی اور اسے عدل و انصاف سے پر کرے گا۔"[3]

۴۔ ابو علی خیزرانی اس کنیز سے نقل کرتے ہیں جو کہ امام حسن عسکری نے انھیں بخش دی تھی کہ اس نے کہا: "صاحب الامر کی ولادت کے وقت میں موجود تھی، ان کی والدہ کا نام صیقل ہے۔"[4]

---

[1] غیبت شیخ ص۱۴۱ و ۱۴۲

[2] اثبات الھداۃ ج ۷ ص۲۹۲، اثبات الوصیہ ص۱۹۷

[3] اثبات الھداۃ ج ۶ ص۴۳۱

[4] منتخب الاثر ص۳۴۳

۵۔ حسن بن حسین علوی کہتے ہیں : "میں سامرہ میں امام حسن عسکری کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور آپ کے فرزند کی ولادت کی مبارک باد پیش کی۔"[1]

۶۔ عبداللہ بن عباس علوی کہتے ہیں : "میں سامرہ میں امام حسن عسکری کی خدمت میں شرف یاب ہوا اور آپ کے فرزند کی ولادت کی مبارک باد پیش کی۔"[2]

۷۔ حسن بن منذر کہتے ہیں : "ایک دن حمزہ بن ابی الفتح میرے پاس آئے اور کہا : مبارک ہو کل رات خدا نے امام حسن عسکری کو فرزند عطا کیا ہے۔ لیکن ہمیں اس خبر کے مخفی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں نے نام پوچھا تو فرمایا : ان کا نام محمد ہے۔"[3]

۸۔ احمد بن اسحاق کہتے ہیں : ایک روز میں امام حسن عسکری کی خدمت میں شرفیاب ہوا۔ میرا قصد تھا کہ آپ کے جانشین کے بارے میں کچھ دریافت کروں۔ لیکن آپؑ ہی نے گفتگو کا آغاز کیا اور فرمایا : اے احمد بن اسحاق ! خداوند عالم نے حضرت آدم کی خلقت سے قیامت تک، زمین کو اپنی حجت سے خالی نہیں رکھا ہے، اور نہ رکھے گا۔ اس کے وجود کی برکت سے زمین سے بلائیں دور ہوتی ہیں، بارش برستی ہے اور زمین کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ ! آپؑ کا جانشین کون ہے ؟ امام گھر میں داخل ہوئے اور ایک تین سالہ بچہ کو لائے جو کہ چودھویں کے چاند کی مانند تھا اور فرمایا : اے احمد ! اگر تم خدا اور ائمہ کے نزدیک معزز نہ ہوتے تو میں تمہیں

---

[1] اثبات الہداۃ ج ۷، ص۴۳۳

[2] " " ج ۷، ص۴۳۰

[3] " " ج ۶ ص۴۳۴

اپنا بیٹا نہ دکھاتا ۔ جان لو یہ بچہ رسول کا ہمنام اور ہم کنیت ہے ۔ یہی زمین کو عدل وانصاف سے پر کرے گا ۔[1]

۹۔ معاویہ بن حکیم، محمد بن ایوب اور محمد بن عثمان عمری نے روایت کی ہے کہ ہم چالیس آدمی امام حسن عسکریؑ کے گھر میں جمع تھے کہ آپ اپنے بیٹے کو لائے اور فرمایا: یہ تمہارا امام اور میرا جانشین ہے ۔ میرے بعد تمہیں اس کی اطاعت کرنا چاہئے اور اختلاف نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ۔ واضح رہے کہ میرے بعد تم اسے نہ دیکھو گے ۔"[2]

۱۰ ۔ جعفر بن محمد بن مالک نے شیعوں کی ایک جماعت منجملہ علی بن بلال، احمد بن ہلال، محمد بن معاویہ بن حکیم اور حسن بن ایوب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم لوگ امام حسن عسکریؑ کے گھر میں اس لئے جمع ہوئے تھے تاکہ آپ کے جانشین کے بارے میں معلوم کریں ۔ اس مجلس میں چالیس اشخاص موجود تھے کہ عثمان بن سعید اٹھے اور عرض کی: یا ابن رسول اللہؐ! ہم ایک سوال کی غرض سے آئے ہیں ۔ آپؑ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، اس کے بعد فرمایا کوئی شخص مجلس سے باہر نہ جائے، یہ کہہ کر آپؑ تشریف لے گئے اور ایک گھنٹے کے بعد واپس تشریف لائے، چاند سا بچہ اپنے ساتھ لائے اور فرمایا: یہ تمہارا امام ہے ۔ اس کی اطاعت کرو ۔ لیکن اس کے بعد اسے نہ دیکھو گے ۔[3]

۱۱ ۔ ابو ہارون کہتے ہیں: میں نے صاحب الزمان کو دیکھا ہے جبکہ آپ کا چہرہ

۱۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص ۲۳

۲۔ " " " ص ۲۵

۳۔ اثبات الھداۃ ج ۶ ص ۳۱۱

چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا تھا۔[1]

۱۲۔ یعقوب کہتے ہیں : ایک روز میں امام حسن عسکریؑ کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپؑ کے داہنی طرف پردہ پڑا ہوا ہے۔ میں نے عرض کی: مولا صاحب الامر کون ہے ؟ فرمایا : پردہ اٹھاؤ ، جب میں نے پردہ اٹھایا تو ایک بچہ ظاہر ہوا جو آپؑ کے زانو پر آکر بیٹھ گیا ، امام نے فرمایا یہی تمہارا امام ہے۔[2]

۱۳۔ عمرو اہوازی کہتے ہیں: امام عسکری نے مجھے اپنا بیٹا دکھایا اور فرمایا: میرے بعد میرا بیٹا تمہارا امام ہے۔[3]

۱۴۔ خادم فارسی کہتے ہیں : میں امام حسن عسکریؑ کے دروازے پر تھا کہ گھر سے ایک کنیز نکلی جبکہ اس کے پاس کوئی چیز تھی جس پر کپڑا پڑا تھا امام نے فرمایا : اس سے کپڑا ہٹاؤ ، تو کنیز نے ایک حسین و جمیل بچہ دکھایا۔ امام نے مجھ سے فرمایا: یہ تمہارا امام ہے۔ خادم فارسی کہتے ہیں : اس کے بعد میں نے اس بچہ کو نہیں دیکھا۔[4]

۱۵۔ ابو نصر خادم کہتے ہیں : میں نے صاحب الزمان کو گہوارہ میں دیکھا ہے۔[5]

۱۶۔ ابو علی بن مطہر کہتے ہیں : میں نے حسن عسکری کے فرزند کو دیکھا ہے۔[6]

۱۔ اثبات الھداۃ ج ۷ ، ص ۲۰

۲۔ اثبات الھداۃ ج ۶ ص ۴۲۵

۳۔ اثبات الھداۃ ج ۷ ، ص ۱۶

۴۔ ینابیع المودۃ باب ۸۲

۵۔ اثبات الھداۃ جلد ۷ ، ص ۳۴۴ ، اثبات الوصیہ ص ۱۹۸

۶۔ ینابیع المودہ باب ۸۲

۱۷۔ کامل بن ابراہیم کہتے ہیں: "میں نے صاحب الامر کو امام حسن عسکری کے گھر میں دیکھا ہے: چار سال کے تھے اور چہرہ چاند کی مانند چمک رہا تھا، میری مشکلوں کو میرے سوال کرنے سے پہلے ہی حل کیا تھا۔[۱]

۱۸۔ سعد بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے صاحب الامر کو دیکھا ہے آپ کا چہرہ چاند کے ٹکڑے کی مانند تھا۔[۲]

۱۹۔ حمزہ بن نصیر غلام ابی الحسنؑ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب صاحب الامر پیدا ہوئے تو آپ کے گھر میں رہنے والے افراد نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ جب کچھ بڑے ہوئے تو مجھے حکم ملا کہ روزانہ نلی کی ہڈی گوشت سمیت خرید کر لاؤ اور فرمایا یہ تمہارے چھوٹے مولا کے لئے ہے۔[۳]

۲۰۔ ابراہیم بن محمد کہتے ہیں: ایک روز میں حاکم کے ڈر سے فرار کرنا چاہتا تھا لہٰذا وداع کی غرض سے امام حسن عسکری کے گھر گیا تو آپ کے پاس ایک حسین بچہ کو دیکھا۔ عرض کی فرزند رسول یہ کس کا بچہ ہے؟ فرمایا: یہ میرا بیٹا اور جانشین ہے۔[۴]

یہ لوگ امام حسن عسکری کے معتمد ثقہ اور اصحاب و خدام ہیں کہ جنہوں نے بچپنے

---

[۱] اثبات الهداة ج ۷، ص۳۲۳، ینابیع المودہ باب ۸۲

[۲] بحارالانوار ج ۵۲ ص۸۰ و ص۸۲

[۳] اثبات الهداة ج ۷، ص۱۸، اثبات الوصیہ ص۱۹۷

[۴] اثبات الهداة ج ۷، ص۳۵۶۔ ولادت صاحب الامر کے سلسلہ میں تفصیل کے شائقین، علامہ محقق سید ہاشم بحرانی کی کتاب، تبصرۃ الولی فیمن رأی المهدی اور بحارالانوار ج ۵۱ باب ۱ ج ۵۲ باب ۱۷ و ۱۹ ملاحظہ فرمائیں

میں آپ کے لخت جگر کو دیکھا ہے اور اس کے وجود کی گواہی دی ہے۔ جب ہم اس گواہی کے ساتھ پیغمبر اور ائمہ کی احادیث کو ضمیمہ کرتے ہیں تو امام حسن عسکری کے بیٹے کے وجود کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

وصیّت میں ذکر کیوں نہیں ہے؟

انجینئر: کہتے ہیں کہ امام حسن عسکری نے مرتے دم اپنی مادر گرامی کو اپنا وصی قرار دیا تھا تاکہ ان کے امور کی نگرانی کریں اور یہ بات قضات وقت کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے لیکن آپ نے کسی بیٹے کا نام نہیں لیا ہے اور انتقال کے بعد آپ کا مال آپ کی والدہ اور بھائی کے درمیان تقسیم ہوا[۱]۔ اگر کوئی بیٹا ہوتا تو اپنی وصیت کے ضمن میں اس کا نام بھی درج کرتے تاکہ میراث سے محروم نہ رہے۔

ھوشیار: امام حسن عسکری نے عمداً وصیت میں اپنے بیٹے کا نام ذکر نہیں کیا تھا تاکہ بادشاہ وقت کی طرف سے یقینی خطرات سے انھیں نجات دلائیں۔ اس سلسلے میں آپ بہت زیادہ محتاط رہے اور اپنے بیٹے کی ولادت کی خبر طشت از بام ہونے سے اس قدر خوف زدہ رہتے کہ کبھی تو اپنے خاص اصحاب سے بھی اسے چھپاتے اور اس موضوع کو مبہم بنا دیتے تھے۔

ابراھیم ابن ادریس کہتے ہیں:

"امام حسن عسکری نے میرے پاس ایک گوسفند بھیجی اور کہلوایا: اس گوسفند

---

[۱] اصول کافی باب مولد ابی محمد الحسن بن علی۔

سے میرے بیٹے کا عقیقہ کردو اور اپنے خاندان کے ساتھ کھاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی لیکن جب میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا ہمارا بچہ دنیا سے چلا گیا۔ ایک مرتبہ پھر دو گوسفند کے ساتھ ایک خط ارسال کیا جس کا مضمون یہ تھا؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ان دو گوسفندوں سے اپنے مولا کا عقیقہ کرو اور اپنے عزیزوں کے ساتھ کھاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن جب میں حاضرِ خدمت ہوا تو مجھ سے کچھ نہ فرمایا۔"[1]

حضرت امام جعفر صادقؑ نے بھی اپنی وصیت میں بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ آپ نے پانچ اشخاص، خلیفۂ وقت منصور عباسی، محمد بن سلیمان مدینہ کے گورنر کا بیٹا، اپنے دو بیٹے عبداللہ و موسیٰؑ اور موسیٰؑ کی مادرِ گرامی حمیدہ کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔[2]

امام صادقؑ نے اپنے اس عمل سے اپنے فرزند موسیٰ کو یقینی خطرے سے نجات عطا کی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اگر موسیٰ کاظم کی امامت و وصایت خلیفہ پر ثابت ہو گئی تو وہ ان کے قتل کے درپے ہو جائے گا۔ چنانچہ امام کا خیال صحیح ثابت ہوا اور خلیفہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اگر امام صادق کا کوئی معین وصی ہے تو اسے قتل کر دو۔

دوسرے کیوں خبردار نہ ہوئے؟

فہیمی: اگر کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب اور دوست و

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۲۲ اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۲۹۵، اثبات الوصیہ ص ۱۹۸ [2] اصول کافی باب الاشارہ والنص علی ابی الحسن موسیٰ

ہمسایوں کو اس کی اطلاع ضروری ہوتی ہے اور ولادت کے موضوع میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ یہ بات کیونکر قبول کی جاسکتی ہے کہ امام حسن عسکری، جو کہ شیعوں کے نزدیک معزز تھے، کے یہاں بیٹا پیدا ہوا لیکن لوگ اسی سے اتنے ہی بے خبر رہے کہ اصل موضوع ہی میں شک و اختلاف میں پڑ گئے!

هوشیار : عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے لیکن معمول کے خلاف امام حسن عسکری نے پہلے ہی اپنے بیٹے کی ولادت کو مخفی رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا، بلکہ پیغمبر اور ائمہ اطہار کے زمانہ سے یہی مقدر تھا کہ امام مہدی کی ولادت کو مخفی رکھا جائے چنانچہ آپؑ کی خفیہ ولادت کو آپ کی علامت شمار کیا جاتا تھا مثلاً -

حضرت امام زین العابدین نے فرمایا:

"ہمارے قائم کی ولادت لوگوں سے پوشیدہ رہے گی، یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگیں گے۔ پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں، اور یہ اس لئے ہے کہ جب آپؑ ظہور فرمائیں اس وقت آپ کی گردن پر کسی کی بیعت نہ ہو[1]۔"

عبداللہ بن عطا کہتے ہیں: میں نے امام محمدؑ باقر کی خدمت میں عرض کی، عراق میں آپ کے شیعہ بہت ہیں خدا کی قسم آپ جیسی حیثیت کسی کی نہیں ہے آپ خروج کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا:

"عبداللہ! تم فضول باتوں میں آگئے ہو خدا کی قسم میں صاحب الامر نہیں ہوں جس کا روایات میں ذکر ہے۔" میں نے عرض کی: صاحب الامر کون ہے؟

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۳۵

فرمایا:

"ایسے شخص کے انتظار میں زندگی بسر کرو جس کی ولادت مخفی رہے گی۔ وہی تمہارا مولا ہے[1]۔"

فہیمی: امام حسن عسکریؑ نے اپنے بیٹے کی ولادت کو لوگوں سے اس لئے مخفی رکھا تاکہ لوگ شک و حیرت میں مبتلا رہیں اور گمراہ ہو جائیں؟

ہوشیار: جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، مہدی موعود کی داستان صدر اسلام ہی سے مسلمانوں کے پیش نظر رہی ہے۔ پیغمبرؐ کی جو احادیث اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں اور وہ تائیدیں جو ائمہ اطہار نے کیں ہیں وہ مسلمانوں کے درمیان مشہور تھیں۔ بادشاہان وقت بھی ان سے بے خبر نہیں تھے۔ انہوں نے بھی سنا تھا کہ مہدی موعود نسل فاطمہؑ اور اولاد حسینؑ سے ہوگا، ظالموں کی حکومتوں کو برباد کرے گا اور مشرق و مغرب پر اس کی حکومت ہوگی۔ ظالموں کو تہ تیغ کرے گا۔ اس لئے وہ مہدی موعود کی ولادت سے خوف زدہ تھے۔ وہ اپنی سلطنت سے احتمالی خطرہ کو دفع کرنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ بنی ہاشم خصوصاً امام حسن عسکریؑ کے گھر پر کڑی نظر رکھتے تھے اور خفیہ و ظاہری افراد کو تعینات رکھتے تھے۔

معتمد عباسی نے چند قابلہ عورتوں کو مخفی طور پر اس کام پر معین کیا تھا وہ گاہ گاہ بنی ہاشم خصوصاً امام حسن عسکری کے گھر جائیں اور حالات کی رپورٹ پیش کریں جب اس کو امام حسن عسکری کی بیماری کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے خاص افراد کو اس کام پر

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۴

مامور کیا کہ وہ رات دن امام کے گھر پر نظر رکھیں ۔ اور جب امام کی وفات کی خبر سنی تو ایک جماعت کو امامؑ کے فرزند کو تلاش کرنے پر مامور کیا اور آپ کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا ۔ اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ماہر دائیوں کو بھیجا تاکہ امام کی کنیزوں کا معائنہ کریں اور اگر ان میں سے کسی کو حاملہ پائیں تو اسے قید کرلیں ۔

ان عورتوں کو ایک کنیز پر شک ہوگیا ، انہوں نے اس کی رپورٹ دی خلیفہ نے کنیز کو ایک حجرے میں قید کر دیا اور نحریر خادم کو اس کی نگرانی پر مامور کر دیا اور جب تک اس کے حمل سے مایوس نہیں ہوا ، اس وقت تک آزاد نہیں کیا ۔ صرف امام حسن عسکری کی خانہ تلاشی پر اکتفا نہ کی بلکہ جب دفن سے فارغ ہوا تو حکم دیا کہ شہر کے تمام گھروں کی تلاشی لی جائے [1]

اب تو اس بات کی تصدیق فرمائیں کہ ان خطرناک حالات میں امام حسن عسکری کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ اپنے بیٹے کی ولادت کو لوگوں سے مخفی رکھیں تاکہ وہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں ۔ پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہار نے بھی ایسے حالات کے بارے میں خبر دی تھی ولادت کے مخفی رہنے والے موضوع کو وہ پہلے سے جانتے تھے ۔

پھر یہ عجیب و غریب داستان ایسی نہیں ہے کہ جس کا تاریخ میں سابقہ ہی نہ ہو ۔ تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں ۔ مثلاً جب فرعون کو یہ خبر ہوئی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا اور وہ اس کی حکومت کو تباہ کرے گا تو فرعون نے خطرہ کو رفع

---

[1] اصول کافی باب مولا ابی الحسن بن علی ، ارشاد مفید ، اعلام الوریٰ طبرسی ، کشف الغمہ باب الامام الھادی عشر

کرنے کیلئے کچھ جاسوس مقرر کئے کہ وہ حاملہ عورتوں پر نظر رکھیں اگر لڑکا پیدا ہو تو اسے قتل کر دیں اور لڑکی ہو تو اسے قید خانے میں ڈال دیں ۔ چنانچہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے فرعون نے سیکڑوں معصوم بچوں کو قتل کرا دیا ۔ لیکن ان مظالم کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا ، خدا نے موسیٰ کے حمل اور ولادت کو پوشیدہ رکھا تاکہ اپنے ارادہ کو پورا کر دے ۔

امام حسن عسکری نے خطرناک حالات کے باوجود لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنے بعض معتمد اصحاب کو اپنا بیٹا دکھا دیا تھا اور ثقہ افراد کو اپنے بیٹے کی ولادت کی خبر دی تھی لیکن اس بات کی بھی تاکید کی تھی کہ اس موضوع کو دشمنوں سے مخفی رکھنا یہاں تک کہ ان کا نام بھی نہ لینا ۔

صاحب الامرؑ کی مادر گرامی

جلالی : صاحب الامر کی مادر گرامی کا کیا نام ہے ؟

ہوشیار : آپ کی مادر گرامی کے متعدد نام بیان کئے گئے ہیں، جیسے : نرجس، صیقل، ریحانہ، سوسن، خمط، حکیمہ، مریم درج ذیل دو نکات پر توجہ فرمائیں تو مذکورہ اختلاف کا سبب معلوم ہو جائے گا۔

الف : امام حسن عسکریؑ کی مختلف نام کی متعدد کنیزیں تھیں۔ کنیزوں کے تعدد والے موضوع کو حکیمہ خاتون نے دو موقعوں پر بیان کیا ہے۔

ایک جگہ حکیمہ خاتون کہتی ہیں : ایک روز میں امام حسن عسکری کی خدمت میں پہنچی تو دیکھا آپؑ صحن میں تشریف فرما ہیں اور کنیزیں آپ کے چاروں طرف جمع ہیں میں نے عرض کی۔ میں آپ کے قربان! آپ کے جانشین کس کنیز سے پیدا ہوں گے فرمایا : سوسن سے[1]،،

دوسری جگہ حکیمہ خاتون فرماتی ہیں : ایک روز میں امام حسن عسکریؑ کے گھر گئی تھی۔ جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا : ہمارے ہی گھر افطار کیجئے کیونکہ

---

[1] بحار الانوار جلد ۵۱ صـ۱

آج کی رات خدا مجھے بیٹا عطا کرے گا۔ میں نے عرض کی: کس کنیز سے؟ فرمایا: نرجس سے۔ عرض کی مولا! میں بھی نرجس کو تمام کنیزوں سے زیادہ چاہتی ہوں [۱]

ان دو حدیثوں اور دیگر احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے یہاں متعدد کنیزیں تھیں۔

ب ۔ جیساکہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ فرزندِ حسن عسکری نے خطرناک اور وحشت ناک ماحول میں ولادت پائی ہے۔ کیونکہ خلفائے بنی عباس بلکہ بعض بنی ہاشم نے بھی یہ احساس کرلیا تھا کہ مہدی یعنی ظالم و ستمگروں سے جہاد کرنے والے کی ولادت کا وقت قریب ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے خفیہ اور آشکارا کارندوں کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ امام حسن عسکری بلکہ تمام علویوں کے گھروں کی مکمل طور پر نگرانی رکھیں۔ بنی عباس کی اس مشینری کی پوری کوشش یہ تھی کہ ان گھروں سے ایک نوزاد بچہ تلاش کر کے خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دے۔

ان دو مقدموں کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے یہ مقدر ہو گیا تھا کہ ایسے خوف ناک حالات اور ایسے مرکز توجہ گھر میں امام حسن عسکریؑ کا بیٹا پیدا ہو اور اسکی جان خطرہ سے محفوظ رہے۔ اس لئے تمام پیش بندیاں کی گئی تھیں۔ اولاً جیساکہ روایات میں وارد ہوا ہے آپ کی والدہ میں حمل کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ ثانیاً: امام حسن عسکریؑ نے احتیاط کی رعایت کے تحت کسی کو ان کی مادر گرامی کا نام نہیں بتایا۔ ثالثاً: ولادت کے وقت حکیمہ خاتون اور چند کنیزوں کے علاوہ کوئی گھر میں نہیں تھا جبکہ

۱۔ بحار الانوار جلد ۵۱ ص۲۵

وضع حمل کے وقت عام طور پر دائی اور چند عورتوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ امام حسن عسکری نے شادی کی ہے یا نہیں اور اگر کی ہے تو کس سے۔

پندرہ شعبان کی شب میں نہایت خفیہ اور پنہاں، ترس و خوف کے ماحول میں امام حسن عسکریؑ کے یہاں بیٹا پیدا ہوا، اس گھر میں جہاں متعدد کنیزیں موجود تھیں لیکن کسی میں بھی حمل کے آثار ظاہر نہیں تھے اور وضع حمل کے وقت حکیمہ خاتون کے علاوہ وہاں کوئی اور موجود نہ تھا اور کوئی قضیہ کے اظہار کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔

ایک زمانہ تک یہ موضوع سربستہ راز و مخفی رہا بعد میں خاص اصحاب کے درمیان شروع ہوا بعض کہتے تھے خدا نے امام حسن عسکری کو ایک فرزند عطا کیا ہے اور بعض انکار کرتے تھے۔ چونکہ کنیزیں یکساں تھیں کسی میں حمل کے آثار ظاہر نہیں تھے اس لئے امام مہدی کی مادر گرامی کے بارے میں اختلاف ناگزیر تھا، بعض کہتے تھے ان کی والدہ صیقل ہیں۔ بعض کہتے تھے سوسن ہیں اور بعض ریحانہ کو آپ کی والدہ قرار دیتے تھے اور کچھ ان کے علاوہ کسی اور کے قائل تھے۔ حقیقت حال سے کوئی واقف نہ تھا اور جو معدود افراد واقف بھی تھے انھیں حقیقت بیان کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ حکیمہ خاتون بھی، جو کہ آپ کی ولادت کی گواہ و شاہد تھیں، احتیاط کی رعایت کی وجہ سے کبھی نرجس کو کبھی سوسن کو آپ کی والدہ بتاتی تھیں۔

احمد بن ابراہیم کہتے ہیں: میں ۲۶۲ھ میں حکیمہ خاتون بنت امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پشت پردہ سے ان سے گفتگو کی اور ان کے نظریات معلوم کئے۔ انہوں نے اپنے ائمہ کا تعارف کرایا اور آخر میں محمد بن حسن کا نام لیا۔ میں نے پوچھا: آپ اس واقعہ کی خود گواہ ہیں یا اخبار کی بنا پر کہتی ہیں؟ فرمایا: امام حسن عسکری

نے قضیہ لکھ کر اپنی مادرگرامی کے سپرد کر دیا ہے ۔ میں نے عرض کی اس صورت میں شیعوں کو کس طرف رجوع کرنا چاہئے ؟ فرمایا : امام حسن عسکریؑ کی والدہ سے ۔ میں نے کہا: اس وصیت کی رو سے ایک عورت کی پیروی ہوگی ۔ فرمایا : امام حسن عسکریؑ نے اس وصیت میں اپنے جد امام حسین بن علیؑ کی پیروی کی ہے کیونکہ آپ نے بھی کربلا میں اپنی بہن زینبؑ کو اپنا وصی قرار دیا تھا اور امام زین العابدین کے علوم کی جناب زینبؑ کی طرف نسبت دی جاتی ہے ۔ امام حسینؑ نے یہ کام اس لئے انجام دیا تھا تاکہ امام زین العابدینؑ کی امامت کا مسئلہ مخفی رہے ۔ اس کے بعد حکیمہ نے فرمایا : تم تو اخباری ہو کیا تمہارے پیش نظر یہ روایت نہیں ہے کہ حسین کے بیٹے کی میراث تقسیم ہو جائے گی جبکہ وہ زندہ ہے ۔[1]

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ حکیمہ نے اس حدیث میں واضح اور صریح جواب دینے سے احتراز کیا ہے اور بچہ کی داستان کی امام حسن عسکری کی والدہ کی طرف نسبت دی ہے یا وہ مخاطب سے ڈرتی اور ان سے حقیقت کو چھپاتی ہیں یا موضوع کو جان بوجھ کر مبہم رکھنا چاہتی ہیں ۔ جبکہ یہی حکیمہ خاتون دوسری جگہ امام حسن عسکری کے نرجس سے نکاح کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہیں اور مہدی کی ولادت کی داستان کو، کہ جس کی خود گواہ تھیں، تفصیل سے بیان کرتی ہیں ۔ اس کے بعد کہتی ہیں اب میں آپ کو مستقل طور پر دیکھتی ہوں اور گفتگو بھی کرتی ہوں ۔[2]

خلاصہ ، صاحب الامر کی والدہ کے بارے میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ کوئی

۱۔ کمال الدین ج ۲ ص ۱۴۸

۲۔ ״ ״ ج ۲ ص ۹۹ ، ص ۱۰۳

عجیب و غریب بات نہیں ہے بلکہ اس زمانہ کے وحشت ناک حالات، کنیزوں کی کثرت اور اختفا میں شدت یہی اقتضا تھا اور امام حسن عسکری کی میراث کے سلسلے میں آپ کی والدہ اور جعفر کذاب کے درمیان جو شدید اختلاف رونما ہوا تھا بعید نہیں ہے کہ اس میں خلیفہ کا ہاتھ ہو اور اس طرح امام حسن عسکری کے بیٹے کا پتہ لگانا چاہتا ہو۔

کمال الدین میں صدوق لکھتے ہیں: "جب امام حسن عسکری کی میراث کے سلسلہ میں آپ کی والدہ سے جعفر سے نزاع ہوئی اور قضیہ خلیفہ تک پہنچا تو اس وقت امام حسن عسکری کی ایک کنیز صیقل نے حاملہ ہونے کا دعویٰ کیا چنانچہ اس کنیز کو خلیفہ معتمد کے گھر لے جایا گیا اور خلیفہ کی عورتوں، خدمت گاروں، ماہر عورتوں اور قاضی کی عورتوں کی نگرانی میں رکھی گئیں تاکہ ان کے حاملہ ہونے کا مسئلہ واضح ہو جائے۔ لیکن اس زمانے میں عبد اللہ بن یحییٰ اور صاحب زنج کے خروج کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حکومت کے افراد کو سامرہ سے نکلنا پڑا، اور اپنے مسائل میں الجھ گئے اور صیقل کی نگرانی سے دست بردار ہو گئے"[۱]

نام اور تعدد کے اختلاف میں دوسرا احتمال بھی ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے: یہ سب نام ایک ہی کنیز کے تھے۔ یعنی جس کنیز کے بطن سے صاحب الامر تھے ان کے کئی نام تھے، یہ بھی بعید نہیں ہے کیونکہ عربوں میں رواج تھا کہ وہ ایک ہی شخص کو متعدد ناموں سے پکارتے تھے۔

اس احتمال کا ثبوت وہ حدیث ہے جو کہ، کمال الدین، میں موجود ہے

---

[۱] کمال الدین ج ۲ ص ۱۴۹

صدوق نے اپنی سند سے غیاث سے روایت کی ہے کہ انہوں کہا : امام حسن عسکری کے جانشین جمعہ کے دن پیدا ہوئے ہیں ۔ ان کی مادر گرامی ریحانہ ہیں کہ جنھیں نرجس صیقل اور سوسن بھی کہا جاتا ہے چونکہ حمل کے زمانہ میں مخصوص نورانیت وجلا کی حامل تھیں اس لئے ان کا نام صیقل پڑ گیا تھا۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ صاحب الامر کی مادر گرامی کے نام کی تعیین میں اگرچہ مختصر ابہام ہے لیکن اس ابہام سے آپ کے اصل وجود پر کوئی حرف نہیں آتا ہے کیونکہ، جیسا کہ آپ نے ملاحظ فرمایا، ائمہ اطہار اور امام حسن عسکری نے اپنے بیٹے کے وجود کی خبر دی ہے اور حکیمہ خاتون بنت امام محمد تقی ، جو کہ قابل اعتماد و وثوق عورت تھیں، انہوں نے آپ کی ولادت کی وضاحت کی ہے ۔ اس کے علاوہ امام حسن عسکری کے گھر کے خدام اور بعض ثقہ افراد نے اس کو دیکھا ہے اور اس کے وجود کی گواہی دی ہے ۔ والدہ کا نام خواہ کچھ بھی ہو ۔

ولادت مہدی اور علمائے اہل سنّت

فہیمی : اگر امام حسن عسکری کے یہاں کوئی بیٹا ہوتا تو اہل سنّت کے علماء و مورخین بھی اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کرتے۔

ہوشیار : علمائے اہل سنت کی جماعت نے بھی امام حسن عسکری کی ولادت، آپ اور آپ کی پدر بزرگوار کی تاریخ لکھی ہے اور ولادت کا اعتراف کیا ہے۔

۱۔ محمد بن طلحہ شافعی نے لکھا ہے:

"ابو القاسم محمد بن حسن (عسکری) نے ۲۵۸ھ کو سامرہ میں ولادت پائی۔ آپ کے والد کا نام خالص حسن ہے۔ حجت، خلفِ صالح اور منتظر آپ کے القاب ہیں۔ اس سلسلہ میں چند حدیثیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ان کا مصداق امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں جو کہ پردہ غیب میں ہیں بعد میں ظاہر ہوں گے[1]

۲۔ محمد بن یوسف نے امام حسن عسکری کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"محمد جو کہ امام منتظر ہیں، کے علاوہ آپ کے یہاں کوئی بیٹا نہیں تھا[2]"

---

[1] مطالب السئول طبع ۱۲۸۷ھ ص ۸۹

[2] کفایۃ الطالب ص ۳۱۲

۳۔ ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں:

"بارہویں فصل ابو القاسم، محمد، حجت، خلف صالح بن ابو محمد، حسن خالص کے حالات کے سلسلے میں ہے۔ یہ شیعوں کے بارہویں امام ہیں۔ اس کے بعد امام کی تاریخ تحریر کی ہے اور مہدی کے بارے میں کچھ حدیثیں بیان کی ہیں۔"[1]

۴۔ یوسف بن قزاوغلی نے امام حسن عسکری کے حالات قلم بند کرنے کے بعد لکھا ہے:

"آپ کے بیٹے کا نام محمد اور کنیت ابو عبد اللہ و ابو القاسم ہے۔ وہی حجت، صاحب الزمان، قائم اور منتظر ہیں۔ امامت کا سلسلہ ان پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد مہدی سے متعلق کچھ احادیث لکھی ہیں۔"[2]

۵۔ شبلنجی نے اپنی کتاب نور الابصار میں تحریر کیا ہے کہ:

"محمد، حسن عسکری کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ ام دلا، نرجس یا صیقل یا سوسن ہیں۔ آپ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ امامیہ انھیں حجت، مہدی، خلف صالح، قائم، منتظر اور صاحب الزمان کہتے ہیں"[3]

۶۔ ابن حجر صواعق محرقہ میں امام حسن عسکری کے حالات لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

"آپ نے ابو القاسم، کہ جنھیں محمد، حجت کہا جاتا ہے، کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اس بچہ کی عمر باپ کے انتقال کے وقت پانچ سال

---

[1] فصول المہمہ ص ۲۷۳ و ص ۲۸۶

[2] تذکرۃ الخواص الامۃ ص ۲۰۴

[3] نور الابصار طبع مصر ص ۱۶۸

تھی[1]۔"

۷۔ محمد امین بغدادی نے اپنی کتاب "سبائک الذہب" میں لکھا ہے:

"محمد، جن کو مہدی بھی کہا جاتا ہے، والد کے انتقال کے وقت پانچ سال کے تھے[2]۔"

۸۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں لکھا ہے کہ:

"ابو القاسم محمد بن الحسن العسکری امامیہ کے بارہویں امام ہیں۔ شیعوں کے عقیدہ کے مطابق وہی منتظر، قائم اور مہدی ہیں[3]۔"

۹۔ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں:

"محمد، حسن (عسکری) کے بیٹے ہیں اور آپ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ امامیہ انہیں حجت، قائم اور مہدی سمجھتے ہیں[4]۔"

۱۰۔ شعرانی نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں لکھا ہے کہ:

"مہدی، امام حسن عسکریؑ کے بیٹے ہیں آپ نے پندرہ شعبان ۲۵۵ھ میں ولادت پائی۔ اور حضرت عیسیٰ کے ظہور تک زندہ و باقی رہیں گے۔ اب ۹۵۸ھ ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر ۷۰۳ سال ہو چکی ہے[5]۔"

۱۔ الصواعق المحرقہ

۲۔ سبائک الذہب ص ۷۸

۳۔ روضۃ الصفا ج ۳

۴۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۴

۵۔ الیواقیت والجواہر مؤلفہ شعرانی طبع ۱۳۵۱ھ ج ۲ ص ۲۳

۱۱- شعرانی ہی نے "فتوحات مکیہ" کے باب ۳۶۶ ویں سے نقل کیا ہے:

" جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی اس وقت مہدیؑ ظہور فرمائیں گے اور اسے عدل و انصاف سے پر کریں گے۔ آپ رسولؐ کی اولاد اور جناب فاطمہؑ کی نسل سے ہیں۔ ان کے جد حسینؑ اور باپ عسکریؑ بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن ابی طالب ہیں۔"[۱]

۱۲- خواجہ پارسا نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں تحریر کیا ہے کہ:

"محمد بن حسن عسکری ۱۵ ر شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ کا نام نرجس ہے۔ پانچ سال کی عمر میں باپ کا سایہ اٹھ گیا اور اس وقت سے آج تک غائب ہیں۔ وہی شیعوں کے امام منتظر ہیں۔ ان کے اصحاب خاص اور اہل بیت کے نزدیک ان کا وجود ثابت ہو چکا ہے۔ خداوند عالم الیاسؑ و خضرؑ کی مانند ان کی عمر کو طولانی بنا دے گا۔"[۲]

۱۳- ابو الفلاح حنبلی نے اپنی کتاب "شذرات الذہب" اور ذہبی نے "العبر فی خبر من غبر" میں لکھا ہے کہ:

"محمد بن حسن عسکری، بن علی نقی، بن جواد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق علوی اور حسینی ہیں۔ آپؑ کی کنیت ابو القاسم ہے، شیعہ انہیں

---

[۱] الیواقیت والجواہر ص۱۴۳

[۲] منقول از ینابیع المودۃ ج ۲ ص۱۲۶

خلف صالح، حجت، مہدی، منتظر اور صاحب الزمان کہتے ہیں۔"[1]

۱۴- محمد بن علی حموی لکھتے ہیں:-

"ابوالقاسم محمد منتظر ۲۵۹ھ کو شہر سامرہ میں پیدا ہوئے۔"[2]

مذکورہ علماء کے علاوہ اہل سنت کے دوسرے علما نے بھی امام حسن عسکری کے بیٹے کی ولادت کا قضیہ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔[3]

• • •

اسی وقت جلسہ ختم ہوگیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ جلسہ ہفتہ کی شب میں جلالی صاحب کے مکان پر منعقد ہوگا۔

---

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۱ و کتاب العبر فی خبر من غبر طبع کویت ج ۲ ص ۳۱

[2] تاریخ منصوری ص ۱۱۴، ص ۹۴ (ماسکو سے فوٹو کاپی لی گئی)

[3] تفصیل کے شائقین کشف الاسرار مؤلفہ حسین بن محمد تقی نور اور کفایۃ الموحدین ج ۲، مولفہ طبرسی کا مطالعہ فرمائیں۔

کیا پانچ سال کا بچّہ امام ہوتا ہے؟

جلسہ شروع ہونے کے بعد فہیمی صاحب نے اس طرح سوال اٹھایا:

فہیمی: بالفرض امام حسن عسکری کے یہاں بیٹا تھا۔ لیکن اس بات کو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے کہ، پانچ سال کا بچہ منصب امامت وولایت پر متمکن ہوتا ہے؟ اور احکام خدا کی حفاظت و تحمل کے لئے اس کا انتخاب ہوتا ہے اور کمسنی میں ہی علم و عمل کے اعتبار سے لوگوں کا امام اور ان پر خدا کی حجت قرار پاتا ہے؟

ہوشیار: آپ نے نبوت اور امامت کو ایک ظاہری اور معمولی چیز تصوّر کر لیا ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کے لئے کسی قید و شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص احکام کے حفظ و تحمل کی صلاحیت رکھتا ہے اسی کو منتخب کر لیا جاتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ گویا محمد بن عبداللہؐ کی جگہ ابوسفیان کا نبوت کے لئے انتخاب ہو سکتا ہے اور علی بن ابیطالب کے بجائے طلحہ و زبیر امام بن سکتے ہیں! لیکن اگر آپ غور کریں گے اور اہل بیت کی احادیث کا مطالعہ فرمائیں گے تو اس بات کی تصدیق فرمائیں گے کہ یہ بات اتنی آسان نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت بہت عظیم مقام ہے اس مقام پر فائز انسان کا خدا سے ارتباط و اتصال رہتا ہے اور وہ عالم غیبی کے افاضات سے مستفید ہوتا ہے، خدا کے احکام و قوانین وحی اور الہام کی صورت میں اس کے قلب پر نازل ہوتے ہیں

اور انھیں حاصل کرنے میں اس سے کوئی اشتباہ وخطا واقع نہیں ہوتی ۔ اسی طرح امامت بھی ایک عظیم منصب ہے ۔ اس عہدہ کا حامل خدا کے احکام اور نبوت کے علوم کو اس طرح حفظ وضبط کرتا ہے کہ جس میں خطا ونسیان اور معصیت کا امکان نہیں ہے ۔ اس کا بھی عالم غیب سے رابطہ رہتا ہے اور خدا کے افاضات واشراقات سے بہرہ مند رہتا ہے ۔ علم وعمل کے سبب لوگوں کا امام اور دین خدا کا نمونہ ومظہر قرار پاتا ہے ۔

واضح ہے کہ ہر شخص میں اس منصب پر پہنچنے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ اس کیلئے روح کے اعتبار سے انسانیت کے اعلی درجہ پر فائز ہونا چاہئے تاکہ عوالم غیبی سے ارتباط اور علوم کے حفظ وحصول کی اس میں لیاقت پیدا ہوسکے اور اس کی جسمانی ترکیب اور دماغی قوتوں میں نہایت ہی اعتدال پایا جاتا ہو کہ جس سے عالم ہستی کے حقائق اور غیبی افاضات کو بغیر کسی خطا واشتباہ کے الفاظ ومعانی کے قالب میں ڈھال سکے اور لوگوں تک پہنچا سکے ۔

پس خلقت کے اعتبار سے رسول اور امام ممتاز ہیں اور اسی ذاتی استعداد و امتیاز کی بنا پر خداوند عالم انھیں نبوت و امامت کے عظیم منصب کے لئے منتخب کرتا ہے اگرچہ یہ امتیازات عہد طفولیت ہی سے ان میں موجود ہوتے ہیں ۔ لیکن جب صلاح ہوتی ہے، کوئی مانع نہیں ہوتا اور حالات سازگار ہوتے ہیں تو ان ہی نمایاں افراد کا منصب نبوت وامامت کے حامل کے عنوان سے سرکاری طور پر تعارف کرایا جاتا ہے اور وہ احکام کے حفظ وتحمل کے لئے مامور ہوتے ہیں ۔

یہ انتخاب کبھی بلوغ کے بعد یا بزرگی کے زمانہ میں ہوتا ہے اور کبھی عہد طفولیت میں ہوتا ہے ۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں لوگوں سے گفتگو کی

اور کہا: میں نبی ہوں اور کتاب لے کر آیا ہوں ۔ سورۂ مریم میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ حضرت عیسٰی نے فرمایا: "میں خدا کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب اور نبوت عطا کی ہے، میں جہاں بھی رہوں بابرکت ہوں اور تاحیات مجھے نماز و زکواۃ کی وصیت کی ہے۔"

اس اور دوسری آیتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت عیسٰی بچپنے ہی سے نبی اور صاحب کتاب تھے۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ پانچ سال کے بچہ کا عوالم غیبی سے ارتباط رکھنے اور تبلیغ احکام کی ایسی عظیم ذمہ داری کے لئے منصوب کئے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ اس امانت کی ادائیگی اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

چنانچہ امام علی نقی بھی والد کے انتقال کے وقت نو یا سات سال کے تھے اور کم سنی کی بنا پر بعض شیعہ ان کی امامت کے بارے میں متردد تھے۔ اس مسئلہ کے حل کرنے کی غرض سے کچھ شیعہ آپؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور آپؑ سے سیکڑوں مشکل ترین سوالات معلوم کئے اور مکمل جواب حاصل کئے اور ایسی کرامات کو مشاہدہ کیا کہ جن سے ان کا شک برطرف ہو گیا۔[1]

امام رضاؑ نے انھیں اپنے جانشین اور امام کے عنوان سے پیش کیا تھا اور مخاطبین کے تعجب پر فرمایا تھا: "حضرت عیسٰی بھی بچپنے میں نبی اور حجت خدا ہوئے تھے۔"[2]

---

[1] اثبات الوصیہ ص۱۲۶

[2] اثبات الوصیہ ص۱۶۶

حضرت امام علی نقیؑ بھی چھ سال اور پانچ ماہ کی عمر میں شفقتِ پدری سے محروم ہوگئے تھے اور امامت آپ کی طرف منتقل ہوگئی تھی۔[1]

جناب فہمی صاحب! انبیاء و ائمہ کی خلقت کچھ اس زاویہ سے ہوئی ہے کہ جس کا عام افراد سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

نابغہ بچّے

کبھی عام بچوں کے درمیان بھی نادر افراد مشاہدہ کئے جاتے ہیں جو کہ استعداد اور حافظ کے اعتبار سے اپنے زمانہ کے نابغہ ہوتے ہیں اور ان کے ادراکات و دماغی صلاحیت چالیس سال کے بوڑھوں سے کہیں اچھی ہوتی ہے۔

ان ہی میں سے ایک ابو علی سینا بھی ہیں۔ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے بتایا: "جب میں اچھے برے کو سمجھنے لگا تو مجھے معلم قرآن کے سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد ادب کے استاد کے حوالے کیا۔ ادب کے استاد کو شاگرد جو بھی سناتے تھے اسے میں حفظ کرلیتا تھا۔ اس کے علاوہ استاد نے مجھے حکم دیا تھا کہ: تم "الصفات"، "غریب المصنف"، "ادب الکاتب"، "اصلاح المنطق"، "العین"، "شعر وحماسہ"، "دیوان ابن رومی"، "تصریف مازنی" اور سیبویہ کی نحو بھی سنایا کرو۔ چنانچہ انھیں بھی میں نے ایک سال چھ ماہ میں ختم کرڈالا، اگر استاد تعویق سے کام نہ لیتے تو اس سے کم مدت میں تمام کرلیتا اور جب دس سال کا ہوا تو اہل بخارا کو انگشت بدندان کردیا۔ اس کے بعد فقہ کی تعلیم

---

[1] مناقب ابن شہرآشوب ج ۴ ص ۴۰۱، اثبات الوصیہ ص ۱۹۴

کا سلسلہ شروع کیا اور بارہ سال کی عمر میں ابو حنیفہ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دینے لگا تھا اس کے بعد علم طب کی طرف متوجہ ہوا اور سولہ سال کی عمر میں "قانون" کی تصنیف کی اور چوبیس سال کی عمر میں خود کو تمام علوم کا ماہر سمجھتا تھا۔[1]

فاضل ہندی کے بارے میں منقول ہے کہ تیرہ سال کی عمر سے پہلے ہی انہوں نے تمام معقول و منقول علوم کو مکمل کر لیا تھا اور بارہ سال کی عمر سے پہلے ہی کتاب کی تصنیف میں مشغول ہو گئے تھے۔[2]

"ٹوماس ینگ" کو برطانیہ کے عظیم دانشوروں میں شمار کرنا چاہیئے۔ وہ بچپنے ہی سے ایک عجوبہ تھا۔ دو سال کی عمر سے پڑھنا جانتا تھا، آٹھ سال کی عمر میں خود ہی ریاضیات کا مطالعہ شروع کیا تو سے چودہ سال کا زمانہ اپنی کلاسوں کے درمیان کے مختصر وقفوں میں فرانسیسی، اطالوی، عبری، عربی اور فارسی کی تعلیم کا دورہ گزارا اور مذکورہ زبانوں کو اچھی طرح سیکھ لیا۔ بیس سال کی عمر میں رویت کی تھیوری پر ایک مقالہ لکھ کر دربار شاہی میں پیش کیا اور اس میں اس بات کی تشریح کی کہ آنکھ کی عینک کے لینز کی خمیدگی میں ردوبدل کے ذریعہ کیسے واضح تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔[3]

اگر آپ مشرق و مغرب کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو ایسے بہت سے نابغہ

۱۔ ھدیۃ الاحباب طبع تہران ص۷۶

۲۔ ھدیۃ الاحباب ص۲۲۸

۳۔ تاریخ علوم مؤلفہ پی بررو سو ترجمہ صفاری طبع سوم ص۴۳۲

ملیں گے۔

جناب فہیمی صاحب! نابغہ بچے ایسے دماغ اور صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں کہ کمسنی میں ہزاروں قسم کی چیزیں یاد کر لیتے ہیں اور علوم کی مشکلوں اور گتھیوں کو حل کرتے ہیں، اور ان کی محیّر العقول صلاحیت لوگوں کو انگشت بدندان کر دیتی ہے تو اگر خدا، حضرت بقیۃ اللہ، حجتِ حق، علت مبقیہ انسانیت حضرت مہدی کو پانچ سال عمر میں ولی و امام منصوب کر دے اور احکام کی حفاظت و تحمل کو ان کے سپرد کر دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ائمہ اطہار نے بھی آپ کی کمسنی کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"صاحب الامر کی عمر مبارک ہم میں سب سے زیادہ ہوگی اور زیادہ گمنام رہیں گے۔[1]"

حضرت قائم کے نام پر کھڑا ہونا:

جلالی: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، لوگوں کے درمیان یہ رسم ہے کہ وہ لفظ "قائم" سن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کا کوئی مدرک ہے یا نہیں؟

ہوشیار: یہ طریقہ دنیا کے تمام شیعوں میں رائج تھا اور ہے۔ منقول ہے کہ خراسان کی ایک مجلس میں امام رضاؑ تشریف فرما تھے کہ لفظ "قائم" زبان پر آیا تو آپ کھڑے ہوئے، اپنے دست مبارک کو سر پر رکھا اور فرمایا:

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۵

اللّٰھم عجّل فرجہ و سھّل مخرجہٗ

امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں بھی یہ طریقہ رائج تھا، عرض کیا گیا "قائمؑ سن کر کھڑے ہونے کی کیا علّت ہے؟ فرمایا:

صاحب الامر مدت دراز تک غیبت میں رہیں گے اور ان کے دوستدار محبت کی شدّت کی بنا پر آپ کو قائم کے لقب سے یاد کرتے ہیں جو کہ آپؑ کی حکومت و غربت کو بتاتا ہے۔ چونکہ اس وقت امام ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لہٰذا احترام کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور خدا سے آپ کے لئے تعجیل فرج کی دعا کرنا چاہئے۔"[۲]

شیعوں کے اس عمل میں مذہبی اور اظہار ادب کا ایک پہلو موجود ہے اگرچہ اس کا واجب ہونا معلوم نہیں ہے۔

---

[۱] الزام الناصب ص۸۱

[۲] " " ص۸۱

داستانِ غیبت کی ابتدا کب ہوئی؟

ڈاکٹر : میں نے سنا ہے کہ امام حسن عسکری دنیا سے لاولد اٹھے ہیں لیکن عثمان بن سعید جیسے فائدہ اٹھانے والوں نے اپنی عزت و بزرگی باقی رکھنے کی غرض سے مہدی کی غیبت کی داستان گھڑلی اور خوب اس کی نشر و اشاعت کی۔

ھوشیار : پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے غیبت مہدی کے بارے میں اس سے پہلے پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں کو اس کی خبر دیدی تھی چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"قسم اس خدا کی جس نے مجھے بشارت دینے کے لئے مبعوث کیا ہے قائم میرا بیٹا ہے اور وہ اس عہد کے مطابق غیبت اختیار کرے گا جو اس تک پہنچے گا غیبت اتنی طولانی ہوگی کہ لوگ یہاں تک کہنے لگیں گے کہ خدا کو آلِ محمد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس کی ولادت ہی میں شک کریں گے۔ پس جو بھی غیبت کا زمانہ درک کرے اسے اپنے دین کی حفاظت کرنا چاہیئے اور شک کے راستہ سے شیطان کو اپنے اندر راہ نہیں دینا چاہیئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے وہ دین و ملت سے خارج

کردے۔ جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے ماں، باپ (آدم و حوا) کو جنت سے نکال دیا تھا بے شک خدا شیطان کو کافروں کا فرمانروا اور دوست قرار دیتا ہے[1]۔"

اصبغ بن نباتہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت قائم کا ذکر کیا اور فرمایا:

"جان لو! ان کی غیبت ایسی ہوگی کہ جاہل کہے گا: خدا آل محمد کا محتاج نہیں ہے[2]۔"

امام صادق فرماتے ہیں:

"اگر تم امام کی غیبت کی خبر سنو تو انکار نہ کرنا[3]۔" ۸۸ حدیثیں اور ہیں

ان احادیث کی بنا پر مسلمان "قائم" کے لئے غیبت ضروری سمجھتے ہیں اور ان کے خصائص میں شمار کرتے ہیں یہاں تک کہ جس کو وہ مہدی سمجھتے تھے اسے بھی غیبت کی ترغیب دلاتے تھے۔ ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں:

"عیسیٰ بن عبداللہ نے نقل کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بچپن ہی سے غیبت کی زندگی بسر کرتے تھے اور مہدی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے[4]۔"

سید محمد حمیری کہتے ہیں:

"میں محمد بن حنفیہ کے بارے میں غلو کرتا تھا اور میرا عقیدہ تھا کہ وہ غائب ہیں

---

[1] اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۳۸۶

[2] " " " ص ۳۹۳

[3] " " ص ۳۵۰

[4] مقاتل الطالبین ص ۱۶۵

ایک زمانہ تک اسی عقیدہ کا معتقد رہا یہاں تک کہ خدا نے مجھ پر احسان کیا اور جعفر بن محمد امام صادقؑ کے ذریعہ مجھے آتش (جہنم) سے نجات عطا کی اور سیدھے راستہ کی ہدایت کی۔ واقعہ یہ تھا کہ جب جعفر بن محمدؑ کی امامت دلیل و برہان سے ثابت ہوگئی، تو ایک روز میں نے آپ سے عرض کی: فرزند رسولؐ! غیبت کے سلسلہ میں آپ کے آباو اجداد سے کچھ حدیثیں ہم تک پہنچی ہیں کہ جن میں غیبت کے وقوع پذیر ہونے کو یقینی قرار دیا گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ مجھے اس سے خبردار فرمائیں کہ کون غیبت اختیار کریگا؟ امام صادقؑ نے جواب دیا: میرا چھٹا بیٹا غیبت اختیار کرے گا اور وہ رسولؐ کے بعد ہونے والے ائمہ میں سے بارہواں ہے کہ ان میں سے پہلے علیؑ اور آخری قائم برحق، بقیۃ اللہ اور صاحب الزمان ہیں۔ قسم خدا کی اگر وہ نوحؑ کی عمر کے برابر بھی غیبت میں رہیں گے تو بھی دنیا سے نہ جائیں گے یہاں تک ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و انصاف سے پر کریں گے۔"

سید حمیری کہتے ہیں: جب میں نے اپنے مولا جعفر بن محمد سے یہ سنا تو حق مجھ پر آشکار ہوگیا اور پہلے عقیدہ سے توبہ کی اور اس سلسلہ میں کچھ اشعار بھی کہے۔[1]

غیبت مہدی کی داستان عثمان بن سعید نے نہیں گھڑی ہے بلکہ خدا نے ان کے لئے غیبت مقرر کی اور رسولؐ خدا و ائمہ اطہار علیہم السلام نے آپکی ولادت سے قبل

---

[1] کمال الدین مؤلفہ شیخ صدوق طبع ۱۳۷۸ھ ج۱ ص۱۱۲ تا ص۱۱۵

لوگوں کو اس کی خبر دی ہے۔

طبرسیؒ لکھتے ہیں :

"ولی عصر کی غیبت کے بارے میں آپؑ اور آپؑ کے والد کی ولادت سے پہلے حدیثیں صادر ہوئی ہیں اور شیعہ محدثین نے انھیں اصول اور ان کتابوں میں قلم بند کیا ہے جو کہ امام محمد باقرؑ کے زمانہ میں تألیف ہوئی ہیں، منجملہ ثقہ محدثین میں سے ایک حسن بن محبوب ہیں، انہوں نے غیبت سے تقریباً سو سال قبل کتاب "مشیخہ" تألیف کی اور اس میں غیبت سے متعلق احادیث جمع کیں۔ اس میں ایک حدیث یہ ہے کہ :

ابو بصیر کہتا ہے : میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کی: حضرت ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) فرماتے تھے: "قائم آل محمد کی دو غیبتیں ہوں گی ایک غیبت صغریٰ دوسری غیبت کبریٰ"۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ملاحظہ فرمایئے کہ امام حسن عسکریؑ کے بیٹے کے لئے دو غیبتوں کا پیش آنا اس طرح ثابت ہوا"[1]

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں پیدا ہونے والے محمد بن ابراہیم بن جعفر نعمانی کہ جن کی تالیف کے زمانہ میں امام زمانہ کی عمر اسّی سال سے زیادہ گزر چکی تھی وہ اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں : ائمہؑ نے امام زمانہ کی غیبت کی پہلے ہی خبر دیدی تھی، اگر امام کی غیبت واقع نہ ہوتی تو یہ امامیہ کے عقیدہ کے باطل ہونے کا ثبوت ہوتا۔ لیکن خدا نے آپؑ کو غیبت میں مبتلا کر ائمہ کی احادیث کی صحت کو آشکار کر دیا۔

---

[1] اعلام الوریٰ مولفہ طبرسیؒ طبع تہران ص۴۱۶

امام زمانہؑ کی ولادت سے پہلے غیبت سے متعلق کتابیں

بارہویں امام حضرت مہدی موعود کی غیبت کو پیغمبر اکرمؐ، علیؑ بن ابیطالبؑ اور دیگر ائمہ نے مسلمانوں کے گوش گزار کیا ہے اور یہ بات صدر اسلام ہی سے مسلمانوں کے درمیان مشہور تھی اتنی مشہور تھی کہ علماء، رواتِ احادیث، ائمہ کے اصحاب نے آپ اور آپ کے باپ دادا کی ولادت سے قبل مخصوص غیبت کے موضوع پر کتابیں تالیف کی ہیں اور ان میں مہدی موعود اور آپؑ کی غیبت سے متعلق احادیث جمع کی ہیں رجال کی کتابوں میں آپ ان مؤلفین کے نام تلاش کر سکتے ہیں۔ از باب نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ موسیٰ بن جعفر کے صحابی، علی بن حسن بن محمد طائی طاطری نے غیبت کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی ہے یہ فقیہ اور معتمد تھے[1]

۲۔ موسیٰ بن جعفر کے صحابی علی بن عمر اعرج کوفی نے غیبت سے متعلق ایک کتاب تالیف کی ہے[2]

۳۔ موسیٰ بن جعفر کے صحابی ابراہیم بن صالح انماطی نے غیبت کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی ہے[3]

۴۔ امام رضاؑ کے ہمعصر حسن بن علی بن ابی حمزہ نے غیبت کے سلسلہ میں ایک

۱۔ رجال نجاشی ص۱۹۳، رجال شیخ طوسی ص۳۵۷، فہرست طوسی ص۱۱۸

۲۔ رجال نجاشی ص۱۹۴

۳۔ رجال نجاشی ص۲۸، فہرست شیخ طوسی ص۵۷

کتاب لکھی ہے[1]۔

۵۔ امام رضاؑ کے جلیل القدر اور مؤثق صحابی عباس بن ہشام ناشری رسدی متوفی ۲۲۰ھ نے غیبت پر ایک کتاب تحریر کی ہے[2]۔

۶۔ امام علی نقی اور امام حسن عسکری کے صحابی، عالم و ثقہ انسان علی بن حسن بن فضال نے غیبت سے متعلق ایک کتاب لکھی ہے[3]۔

۷۔ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکری کے صحابی فقیہ و متکلم، فضل بن شاذان نیشاپوری متوفی ۲۶۰ھ نے قائم آل محمد اور آپ کی غیبت کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی ہے[4]۔

اگر آپ گزشتہ مطالب پر توجہ فرمائیں گے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ امام زمانہ کی داستانِ غیبت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا ایک دینی عمیق سلسلہ ہے جو کہ رسول کے زمانہ سے آج تک موضوع بحث بنا ہوا ہے اس بنا پر یہ احتمال دینا کہ مہدی کی غیبت کی داستان کو عثمان بن سعید نے گھڑی ہو گی، بے بنیاد ہے اور یہ بات معرض انسان ہی کہہ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر ہم تیں مطالب کو ایک دوسرے سے ضمیمہ کر دیں تو غیبتِ امام زمانہؑ قطعی ہو جائے گی:

۱۔ رجال نجاشی ص۲۸، فہرست شیخ طوسی ص۴۵

۲۔ " " ص۲۱۵ رجال شیخ طوسی ص۳۸۴، فہرست شیخ طوسی ص۱۴۷

۳۔ " " ص۱۹۵ " " " ص۴۱۹

۴۔ " " ص۳۲۵ " " " ص۴۲۰ و ص۴۳۴ فہرست شیخ طوسی ص۱۵۰

الف : عقلی دلیل اور ائمہ سے صادر ہونے والی بے پناہ احادیث کے مطابق نوع انسان کی بقا کے لئے امام اور حجت کا وجود ضروری ہے اور کوئی زمانہ اس مقدس وجود سے خالی نہ رہے گا۔

ب : بہت سی احادیث کے مطابق امام صرف بارہ ہوں گے زیادہ نہیں۔

ج : احادیث اور تاریخ کی گواہی کا مقتضا یہ ہے کہ ان میں سے گیارہ دار فانی کو وداع کہہ چکے ہیں۔

ان تین مطالب کے انضمام سے حضرت مہدی کی بقا یقینی طور پر ثابت ہوجاتی ہے اور چونکہ ظاہر نہیں ہیں اس لئے یہ کہنا چاہئے کہ پردۂ غیبت میں ہیں۔

غیبت صغریٰ و کبریٰ

جلالی : غیبت صغریٰ و کبریٰ کے کیا معنیٰ ہیں ؟

ہوشیار : بارہویں امام دو مرتبہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ اپنی پیدائش کے سال ۲۵۵ یا ۲۵۶ یا اپنے والد کے انتقال کے سال سے ۳۲۹ھ تک اس زمانہ میں آپ اگرچہ عام لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے لیکن رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوا تھا بلکہ آپ کے نائب آپ کی خدمت میں پہنچتے اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے غیبت کے اس ۶۹ سالہ یا ۷۴ سالہ زمانہ کو غیبت صغریٰ کہتے ہیں۔

دوسری غیبت ۳۲۹ھ سے شروع ہوئی اس میں نوّاب کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا اور ظہور تک جاری رہے گی۔ اسی کو غیبت کبریٰ کہتے ہیں پیغمبر اکرم اور ائمہ پہلے ہی دونوں غیبتوں کی خبر دے چکے تھے، مثلاً :

اسحاق بن عمار کہتے ہیں : میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا :

"قائم کی دو غیبتیں ہوں گی، ایک طولانی دوسری چھوٹی۔ غیبت صغریٰ میں خاص شیعوں کو ان کی قیام گاہ کا علم ہوگا۔ لیکن دوسری میں آپ کے مخصوص دینی دوستوں کے علاوہ آپؑ کی قیام گاہ کا کسی کو

پتہ نہیں ہوگا۔"[1]

آپ ہی کا ارشاد ہے:

"صاحب الامر کی دو غیبتیں ہیں: ایک ان میں سے اتنی طویل ہوگی کہ ایک گروہ کہے گا: مرگئے ہیں، دوسرا کہے گا: قتل کر دیئے گئے، تیسرا کہے گا: چلے گئے۔ معدود افراد ایسے ہوں گے جو آپ کے وجود کے معتقد رہیں گے اور انہی کا ایمان ثابت و استوار ہے۔ اس زمانہ میں آپ کی قیام گاہ کا کسی کو پتہ نہ ہوگا، ہاں ان کے مخصوص خدمت گار جانتے ہوں گے۔"[2] آٹھ حدیثیں اور ہیں۔

غیبت صغریٰ اور شیعوں کا ارتباط

فہیمی: میں نے سنا ہے کہ: غیبت صغریٰ کے شروع ہونے کے بعد بعض فریب کاروں نے سادہ لوح لوگوں سے غلط فائدہ اٹھایا اور یہ دعویٰ کرکے کہ ہم امام غائب کے نائب ہیں لوگوں کو فریب دیا اور اس طرح اپنی حیثیت بنالی اور لوگوں کے مال سے اپنے گھر بھر لئے۔ جناب عالی! اس بات کی وضاحت فرمائیں یہ نواب کون تھے؟ اور امام زمانہ سے لوگوں کے رابطہ کا وسیلہ کیا تھا؟

ہوشیار: غیبت صغریٰ کے زمانہ میں عام لوگ صاحب الامر کی ملاقات سے محروم تھے۔ لیکن رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ وہ ان افراد کے ذریعہ

---

[1] اثبات الھداۃ ج ۷ ص ۶۹، بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۵۵

[2] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۵۳

جنھیں نائب، وکیل اور باب کہا جاتا تھا امام سے رابطہ قائم کرتے، اپنی دینی مشکلوں کو حل کرتے اور دیگر ضرورتوں کو پورا کرتے تھے، اپنے اموال سے سہم امام نکال کر انھیں کے ذریعہ بھیج دیتے تھے۔ کبھی آپ سے مادی مدد مانگتے تھے۔ کبھی حج اور دوسرے سفر کے لئے اجازت لیتے تھے کبھی مریض کی شفا اور بیٹے کی پیدائش کیلئے دعا کراتے تھے۔ کبھی امام ہی کی طرف سے بعض لوگوں کیلئے پیسہ، لباس اور کفن بھیجا جاتا تھا۔ ان امور میں مخصوص و معین افراد واسطہ تھے۔ حاجتیں خطوط کے ذریعہ ارسال کی جاتی تھیں چنانچہ آپؑ بھی خط ہی کی صورت میں جواب ارسال فرماتے تھے۔ اصطلاح میں آپ کے خطوط کو توقیع کہتے ہیں۔

کیا توقیعات خود امام کی تحریر تھیں؟

جلالی: توقیعات کو خود امام تحریر فرماتے تھے یا کوئی اور؟

ہوشیار: ہم کہہ چکے ہیں کہ توقیعات کے کاتب خود امام ہیں۔ یہاں تک خواص اور علمائے وقت کے درمیان آپ کا خط (تحریر) مشہور تھا چنانچہ وہ اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس کے ثبوت بھی موجود ہیں۔

محمد بن عثمان عمری کہتے ہیں: "امام کی طرف سے صادر ہونے والی توقیع کو میں بخوبی پہچانتا تھا[1]۔"

اسحاق بن یعقوب کہتے ہیں: محمد بن عثمان کے ذریعہ میں نے اپنے مشکل مسائل امام کی خدمت میں ارسال کئے اور جواب امام زمانہ کے دستخط کے ساتھ موصول ہوا[2]۔"

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۳

[2] " " " " ص ۳۴۹ ، اثبات الھداۃ ج ۷ ص ۴۶۰

شیخ ابوعمر عامری کہتے ہیں: "شیعوں کی ایک جماعت سے ابو غانم قزوینی نے ایک موضوع کے بارے میں اختلاف و نزاع کی۔ شیعوں نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے ایک خط میں صورت حال لکھ کر ارسال کر دیا اور جواب امام کی دستخط کے ساتھ موصول ہوا۔"[1]

صدوقؒ فرماتے ہیں: "جو توقیع امام زمانہ نے اپنے دست مبارک سے میرے والد کیلئے رقم کی تھی وہ میرے پاس ابھی تک موجود ہے۔"[2]

مذکورہ افراد نے اس بات کی تو گواہی دی ہے کہ وہ خطوط امام زمانہ کی تحریر ہوتے تھے لیکن اس سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طریقہ سے امام زمانہ کا خط پہچانتے تھے کیونکہ غیبت کے زمانہ میں مشاہدہ کا امکان نہیں تھا اس کے علاوہ بعض اشخاص نے اس کے برخلاف کہا ہے۔ مثلاً ابو نصر ھبۃ اللہ نے روایت کی ہے کہ صاحب الامر کی توقیعات وہ جو کہ عثمان بن سعید اور محمد بن عثمان کے ذریعہ شیعوں تک پہنچتی تھیں ان کا وہی خط ہے جو امام حسن عسکری کے زمانہ کی توقیعات کا تھا۔[3]

پھر ابو نصر ہی کہتے ہیں: "۳۰۴ھ میں ابو جعفر عمری کا انتقال ہوا۔ تقریباً وہ پچاس سال تک امام زمانہ کے وکیل رہے۔ ان کے پاس لوگ اپنے اموال لاتے تھے اور وہ بھی شیعوں کو اسی خط میں امام کی توقیعات دیتے تھے جس میں امام حسن عسکری کے زمانہ میں لکھی جاتی تھیں"[4]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۳ ص ۱۷۸

[2] انوار نعمانیہ طبع تبریز ج ۲ ص ۲۲

[3] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۴۶

[4] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۵۲

دوسری جگہ کہتے ہیں : امام زمانہ کی توقیعات محمد بن عثمان اسی خط میں لکھتے تھے جس میں امام حسن عسکریؑ کے زمانہ میں ان کے باپ عثمان بن سعید لکھتے تھے۔[1]

عبداللہ بن جعفر حمیری کہتے ہیں : عثمان بن سعید کے انتقال کے بعد صاحب الامر کی توقیعات اسی خط میں صادر ہوتی تھیں جس میں ہم سے پہلے خط وکتابت ہوتی تھی۔[2]

ان روایات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو توقیعات عثمان بن سعید اور ان کے بعد محمد بن عثمان کے توسط سے لوگوں تک پہنچی ہیں ان کا خط بالکل وہی تھا کہ جس میں امام حسن عسکری کے زمانہ میں توقیعات صادر ہوتی تھیں ۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ توقیعات امام کے خط میں نہیں تھیں بلکہ یہ کہا جائے کہ امام حسن عسکریؑ نے توقیعات اور خط وکتابت کیلئے ایک مخصوص محرر مقرر کر رکھا تھا جو کہ عثمان بن سعید اور محمد بن عثمان کے زمانہ تک زندہ رہا ۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض توقیعات خود امام نے اور کچھ دوسروں نے تحریر کی ہیں ۔ لیکن یاد رہے کہ زمانۂ غیبت صغریٰ کے علماء اور شیعوں کے حالات اور توقیعات کے متن کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان خطوط کی عبارت شیعوں کے نزدیک موثق اور قابل اعتماد تھی اور وہ انھیں امام ہی کی طرف سے سمجھتے اور قبول کرتے تھے ۔

اختلافات کے سلسلے میں مکاتبہ کرتے اور جواب کے بعد سراپا تسلیم ہوجاتے تھے، یہاں تک اگر کبھی کسی توقیع کے بارے میں شک ہوجاتا تھا تو بھی مکاتبہ ہی کے ذریعہ حل کرتے تھے۔[3]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۵۰

[2] 〃 〃 〃 ص ۳۴۹

[3] 〃 〃 ج ۵۳ ص ۱۵۰

علی بن حسین بابویہ نے امام زمانہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا اور بیٹے کی پیدائش کے لئے دعا کا تقاضا کیا اور اس کا جواب بھی ملا۔[1]

جن علما نے غیبت صغریٰ اور نواب کا زمانہ درک کیا ہے ان میں سے ایک محمد بن ابراھیم بن جعفر نعمانی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "غیبت" میں نوّاب کی نیابت اور سفارت کی تائید کی ہے چنانچہ غیبت سے متعلق احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امام اور لوگوں کے درمیان معین و مشہور افراد واسطہ تھے، ان کے توسط سے بیمار شفا پاتے اور شیعوں کی مشکلوں کے حل صادر ہوتے تھے لیکن اب غیبت صغریٰ کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور غیبت کبریٰ کا زمانہ آگیا ہے۔[2]

معلوم ہوتا ہے کہ توقیعات کے ساتھ کچھ سچے قرائن و شواہد ہوتے تھے کہ جن کی بنا پر علمائے وقت اور شیعہ انھیں تسلیم کرتے تھے۔

شیخ حر عاملیؒ لکھتے ہیں: ابن ابی غانم قزدینی شیعوں سے بحث کرتا اور کہتا تھا: امام حسن عسکریؑ کے یہاں کوئی بیٹا ہی نہیں تھا۔ شیعوں نے امام کی خدمت میں خط ارسال کیا، وہ بغیر روشنائی کے قلم سے سفید کاغذ پر لکھا جاتا تھا تاکہ علامت و معجزہ بن جائے چنانچہ امامؑ نے ان کے خط کا جواب دیا۔[3]

١۔ بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۰۶

٢۔ کتاب "غیبت" ۹۱/

٣۔ اثبات الھداۃ ج ۷، ص ۲۶۰

نوّاب کی تعداد

نوّاب کی تعداد میں اختلاف ہے۔ سید بن طاؤس نے اپنی کتاب "ربیع الشیعہ" میں جو نام ذکر کئے ہیں وہ یہ ہیں: ابو ہاشم داؤد بن القاسم، محمد بن علی بن بلال، عثمان بن سعید، محمد بن عثمان، عمر اہوازی، احمد بن اسحاق، ابو محمد الوجنای، ابراھیم بن مہزیار، محمد بن ابراھیم۔[1]

شیخ طوسی نے وکلاء کے نام اسی طرح نقل کئے ہیں: بغداد سے عمری، ان کا بیٹا، حاجز، بلالی اور عطار، کوفہ سے عاصمی، اہواز سے محمد بن ابراھیم بن مہزیار، قم سے احمد بن اسحاق، ہمدان سے محمد بن صالح، رَے سے شامی و اسدی، آذربائجان سے قاسم بن العلاء اور نیشاپور سے محمد بن شاذان۔[2]

لیکن شیعوں کے درمیان چار اشخاص کی وکالت مشہور رہی ہے: ۱۔ عثمان بن سعید ۲۔ محمد بن عثمان ۳۔ حسین بن روح ۴۔ علی بن محمد سمری۔ ان میں سے ہر ایک نے مختلف شہروں میں نمائندے مقرر کر رکھے تھے۔[3]

عثمان بن سعید

عثمان بن سعید امام حسن عسکریؑ کے موثق و بزرگ صحابہ میں سے تھے۔ ان کے متعلق

۱۔ رجال بو علی طبع ۱۳۰۲ھ ص۳۱۲

۲۔ رجال مامقانی طبع نجف ج ۱ ص۲۰۰، اثبات الھداۃ ج۷ ص۲۹۴

۳۔ بحار الانوار ج۵۱ ص۳۶۲

بوعلی لکھتے ہیں: "عثمان بن سعید موثق وجلیل القدر تھے، ان کی توصیف کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے"[1]

علامہ بہبہانی لکھتے ہیں: "عثمان بن سعید ثقہ اور جلیل القدر ہیں[2]۔ امام علی نقی اور امام حسن عسکری نے آپ کی توثیق کی ہے۔

احمد بن اسحاق کہتے ہیں: "میں نے امام علی نقی کی خدمت میں عرض کی، میں کس کے ساتھ معاشرت کروں اور احکام دین کس سے دریافت کروں اور کس کی بات قبول کروں؟ فرمایا: سعید بن عثمان ہمارے معتمد ہیں۔ اگر وہ تم سے کوئی بات کہیں تو صحیح ہے۔ انکی بات سنو! اور اطاعت کرو کیونکہ مجھے ان پر اعتماد ہے۔"

ابوعلی نقل کرتے ہیں کہ: امام حسن عسکری سے بھی ایسا ہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: عثمان بن سعید اور ان کے بیٹے پر مجھے اعتماد ہے۔ تمہارے سامنے وہ جو روایت بھی بیان کریں وہ صحیح ہے۔ ان کی بات سنو! اور اطاعت کرو کیونکہ مجھے ان پر اعتماد ہے۔

اصحاب کے درمیان یہ حدیث اس قدر مشہور تھی کہ ابوالعباس حمیری کہتے ہیں: "ہم لوگوں کے درمیان بہت زیادہ مذاکرہ ہوتا تھا اور اس میں عثمان بن سعید کی ستائش کرتے تھے[3]۔"

محمد بن اسمٰعیل و علی بن عبد اللہ کہتے ہیں: "سامرہ میں ہم لوگ حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں شرف یاب ہوئے اس وقت شیعوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی ناگہاں

---

[1] رجال بوعلی ص۲۰۰

[2] منہج المقال مؤلفہ علامہ بہبہانی ص۲۱۹

[3] بحار الانوار ج ۵۱ ص۳۴۸

بدر خادم آیا اور عرض کی ایک پریشان بال جماعت آئی ہے، داخل ہونے کی اجازت چاہتی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: وہ یمن کے شیعہ ہیں اس کے بعد آپ نے بدر خادم سے فرمایا: عثمان بن سعید کو بلاؤ۔ عثمان آئے، امام نے فرمایا: تم ہمارے موثق وکیل ہو یہ جماعت جو مال خدا لیکر آئی ہے۔ اسے تحویل میں لے لو۔ راوی کہتا ہے: میں نے عرض کی: ہم تو یہ جانتے تھے کہ عثمان بہترین شیعہ ہیں لیکن آپؑ نے اس عمل سے ان کا اور مرتبہ بڑھا دیا اور ان کے ثقہ اور وکیل ہونے کا اثبات کر دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: حقیقت یہی ہے جان لو کہ عثمان بن سعید میرے وکیل ہیں اور ان کا بیٹا میرے بیٹے مہدی کا وکیل ہوگا۔[۱]

امام حسن عسکریؑ نے اپنے بیٹے کے بارے میں چالیس افراد، منجملہ ان کے علی بن بلال، احمد بن ہلال، محمد بن معاویہ اور حسن بن محبوب، کے سامنے فرمایا:

"یہ میرا جانشین اور تمہارا امام ہے اس کی اطاعت کرو، واضح رہے آج کے بعد مدتوں تک تم اسے نہیں دیکھ سکو گے۔ عثمان بن سعید کی باتوں کو تسلیم کرو اور ان کے حکم کے مطابق چلو کیونکہ وہ تمہارے امام کا جانشین ہے اور شیعوں کے امور کے حل و فصل اسی کے ہاتھ میں ہیں۔[۲]

ان کی کرامات

ان تمام باتوں کے علاوہ ان کی طرف کچھ کرامات بھی منسوب ہیں جس سے

---

۱ بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۴۵

۲ " " " ص ۳۴۶

ان کی صداقت ثابت ہوتی ہے ۔ ان میں سے کچھ ملاحظہ فرمائیں ۔

شیخ طوسی نے اپنی کتاب غیبت میں بنی نوبخت کی ایک جماعت منجملہ اس کے ابوالحسن کثیری سے روایت کی ہے کہ : قم اور اس کے مضافات سے عثمان بن سعید کے پاس کچھ مال بھیجا گیا پہنچانے والا جب واپس لوٹنے لگا تو عثمان بن سعید نے کہا : ایک اور امانت تمہارے سپرد کی گئی تھی وہ تم نے تحویل میں کیوں نہیں دی ؟ اس نے عرض کی : میرے پاس اور کوئی چیز باقی نہیں ہے ۔ عثمان بن سعید نے کہا: واپس جاؤ اور اسے تلاش کرو ۔ چند دن تلاش کرنے کے بعد وہ شخص پھر آیا اور کہا : مجھے تو کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی ۔ فلاں بن فلاں نے ہمارے لئے سردائی کے دو پارچے تمہارے سپرد کئے تھے وہ کیا ہوئے ؟ عرض کی : خدا کی قسم آپ کی بات صحیح ہے لیکن میں بھول گیا اب نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں ۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اپنے گھر لوٹ آیا اور بہت تلاش کیا لیکن ناکام رہا ۔ پھر عثمان بن سعید کے پاس گیا ، اور پورا واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا : فلاں بن فلاں روئی بیچنے والے کے پاس جاؤ ۔ روئی کے دو تھیلے تم اس کے پاس لے گئے تھے ، جس تھیلے پر یہ تحریر ہو اسے کھول کر دیکھو وہ امانت تمہیں اس میں ملے گی اس حکم کی تعمیل کی پارچہ اس میں ملا تو ان کی خدمت میں پہنچا دیا۔[1] "

محمد بن علی اسود کہتے ہیں : ایک عورت نے مجھے ایک کپڑا دیا تھا کہ اسے عثمان بن سعید کے پاس پہنچا دینا ۔ دوسرے کپڑوں کے ساتھ اسے میں ان کی خدمت میں لے گیا ۔ انہوں نے کہا : محمد بن عباس قمی کی تحویل میں دیدو ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی

---

[1] بحارالانوار ج ۵۱ ص ۳۱۶

اس کے بعد عثمان بن سعید نے پیغام بھیجا کہ فلاں عورت کا کپڑا تم نے کیوں نہیں دیا؟ پس اس عورت کے کپڑے کی بات مجھے یاد آگئی تلاش بسیار کے بعد وہ ملا تو میں تحویل میں دے دیا[۱]

شیخ صدوق رح نے اپنی کتاب "اکمال الدین" میں لکھا ہے: "ایک شخص عراق سے عثمان بن سعید کے پاس سہم امام لے کر گیا۔ عثمان نے مال واپس کر دیا اور کہا: اس میں سے چار سو درہم اپنے چچا زاد بھائیوں کا حق نکال دو۔ عراقی کو بڑا تعجب ہوا۔ جب اس نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک اس کے چچا زاد بھائیوں کی کاشتکاری کی کچھ زمین اس کے پاس ہے۔ جب صحیح طریقہ سے آنے پائی کا حساب کیا تو ان کے چار سو ہی درہم نکلے۔ لہٰذا اس نے مبلغ مذکور کو اموال سے نکال دیا اور بقیہ کو عثمان بن سعید کے پاس لے گیا، چنانچہ قبول کر لیا گیا[۲]

اب احباب انصاف فرمائیں، کیا عثمان بن سعید کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث، امام حسن عسکری کے نزدیک ان کی قدر و منزلت اور امام حسن عسکری کے خاص اصحاب کا ان کے سامنے سراپا تسلیم ہوتے اور ان کے عادل ہونے پر شیعوں کے اتفاق کے باوجود کیا ان کے وعدے میں شک کیا جا سکتا ہے کیا یہ احتمال دیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو فریب دینے کی وجہ سے ایسا کیا تھا؟!

---

[۱] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۲۵

[۲] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۲۶، اثبات الھداۃ ج ۷ ص ۲۰۲

محمد بن عثمان

عثمان بن سعید کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے محمد بن عثمان اپنے باپ کے جانشین ہوئے اور امام کے وکیل منصوب ہوئے۔

شیخ طوسی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: محمد بن عثمان اور ان کے والد دونوں صاحب الزمان کے وکیل تھے اور امام کی نظر میں معزز تھے۔[۱]

مامقانی نے لکھا ہے: محمد بن عثمان کی عظمت و جلالت امامیہ کے نزدیک مسلم ہے۔ کسی دلیل و بیان کی محتاج نہیں ہے۔ شیعوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ اپنے والد کی حیات میں امام حسن عسکری کے بھی وکیل تھے اور حضرت حجّت کے بھی سفیر تھے۔[۲]

عثمان بن سعید نے تصریح کی ہے کہ: میرے بعد میرا بیٹا میرا جانشین اور نائب امام ہے۔[۳]

یعقوب بن اسحاق کہتے ہیں: میں نے محمد بن عثمان کے توسط سے امام زمانہؑ کی خدمت میں خط ارسال کیا اور کچھ دینی مسائل معلوم کئے۔ امام کی تحریر میں جواب موصول ہوا آپ نے تحریر فرمایا تھا: محمد بن عثمان عمری موثق ہیں اور ان کے خطوط میرے ہی خط ہیں۔[۴]

۱۔ منہج المقال ص۳۰۵، رجال مامقانی ج ۳ ص۱۴۹

۲۔ رجال مامقانی ج ۳ ص۱۴۹

۳۔ رجال مامقانی ج ۱ ص۲۰۰

۴۔ بحار الانوار ج ۵۱ ص۳۴۹

انکی کرامات

محمد بن شاذان کہتے ہیں کہ: میرے پاس سہم امام کے چار سو اسی درہم جمع ہو گئے تھے۔ چونکہ میں پانچ سو سے کم امام کی خدمت میں نہیں بھیجنا چاہتا تھا اس لئے بیس اپنی طرف سے شامل کر کے محمد بن عثمان کے توسط امام کی خدمت میں ارسال کر دیئے لیکن اس اضافہ کی تفصیل نہ لکھی۔ امام کی طرف سے اس کی وصول یابی کی رسید اس تحریر کے ساتھ موصول ہوئی: "پانچ سو درہم تمہارے بیس درہم کے ساتھ موصول ہوئے"۔[1]

جعفر بن تسیل کہتے ہیں: محمد بن عثمان نے مجھے طلب کیا، چند کپڑے اور ایک تھیلی میں کچھ درہم دیئے اور فرمایا: "واسط جاؤ اور وہاں پہلا جو شخص ملے یہ کپڑے اور درہم اس کے حوالہ کر دو" میں واسط کے لئے روانہ ہوا اور پہلے جس شخص سے میری ملاقات ہوئی وہ حسن بن محمد بن قطاۃ تھے۔ میں نے انھیں اپنا تعارف کرایا، معانقہ کیا اور کہا: "محمد بن عثمان نے آپ کو سلام کہلایا ہے اور آپ کے لئے یہ امانت ارسال کی ہے"۔ یہ بات سن کر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا: محمد بن عبد اللہ عامری کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب میں ان کا کفن لینے کے لئے نکلا ہوں جب ہم نے اس امانت کو کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک مردہ کے دفن کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ جنازہ اٹھانے والوں اور گورکن کیلئے کچھ پیسے بھی تھے، اس کے بعد تشیع جنازہ کے بعد انہیں دفن کر دیا۔"[2]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۳۷

[2] " " " ص ۳۵۱

محمد بن علی بن الاسود قمی کہتے ہیں: "محمد بن عثمان نے اپنی قبر تیار کرائی تو میں نے وجہ دریافت کی، کہا: مجھے امام نے حکم دیا ہے کہ "اپنے امور کو سمیٹ لو" چنانچہ اس واقعہ کے دو ماہ بعد ان کا انتقال ہوا[1]

محمد بن عثمان تقریباً پچاس سال تک نائب امام رہے اور ۳۰۴ھ میں انتقال کیا[2]۔

حسین بن روح

امام زمانہ کے تیسرے نائب حسین بن روح ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے عقلمند ترین انسان تھے۔ محمد بن عثمان نے انھیں امام زمانہ کا نائب منصوب کیا تھا۔

بحار میں مجلسیؒ لکھتے ہیں: جب محمد بن عثمان کا مرض شدید ہو گیا تو شیعوں کے سربرآوردہ اور معروف افراد، جیسے ابو علی بن ہمام، ابو عبداللہ بن محمد کاتب، ابو عبداللہ باقطانی، ابو سہل اسماعیل بن علی نوبختی اور ابو عبداللہ بن وجنا ان کے پاس گئے اور ان کے جانشین کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "حسین بن روح میرے جانشین اور صاحب الامر کے وکیل و معتمد ہیں۔ اپنے امور میں ان سے رجوع کرنا۔ مجھے امام نے حکم دیا ہے کہ حسین بن روح کو اپنا نائب مقرر کر دو"[3]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ صـ۳۵۲

[2] " " " صـ۳۵۲

[3] " " " صـ۳۵۵

جعفر بن محمد مدائینی کہتے ہیں : امام زمانہ کے اموال کو میں محمد بن عثمان کے پاس لے جاتا تھا ۔ ایک روز چار سو درہم ان کی خدمت میں پیش کئے تو فرمایا : اس پیسہ کو حسین بن روح کے پاس لے جاؤ ۔ میں نے عرض کی میری خواہش ہے کہ آپ ہی قبول فرمائیں فرمایا : حسین بن روح کے پاس لے جاؤ ، معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے انھیں اپنا جانشین قرار دیا ہے ۔ میں نے دریافت کیا ، کیا امام زمانہ کے حکم سے آپ نے یہ کام انجام دیا ہے ؟ فرمایا : "بے شک" ۔ پس میں اسے حسین بن روح کے پاس لے گیا ۔ اس کے بعد سہم امام کو ہمیشہ انھیں کے پاس لے جاتا تھا ۔[1]

محمد بن عثمان کے اصحاب و خواص کے درمیان بہت سے افراد تھے جو کہ مراتب میں حسین بن روح سے بلند تھے ۔ مثلاً جعفر بن احمد متیل کے بارے میں سب کو یقین تھا کہ منصب نیابت ان کے سپرد کیا جائے گا ۔ لیکن ان کی توقع کے خلاف اس منصب کیلئے حسین بن روح کو منتخب کیا گیا ۔ اور تمام اصحاب یہاں تک جعفر بن احمد بن متیل بھی ان کے سامنے سراپا تسلیم ہوگئے ۔[2]

ابو سہل نوبختی سے لوگوں نے دریافت کیا : حسین بن روح کیسے نائب بن گئے جبکہ آپ اس منصب کے لئے زیادہ سزاوار تھے ؟ انھوں نے کہا : امام بہتر جانتے ہیں کہ اس منصب کے لئے کس کا انتخاب کیا جائے ۔ چونکہ میں ہمیشہ مخالفوں سے مناظرہ کرتا ہوں ۔ اگر مجھے وکیل بنایا جاتا تو ممکن تھا کہ بحث کے دوران اپنے مدعا کے اثبات

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۵۲

[2] " " " ص ۳۵۳

کیلئے امام کا پتہ بتا دیا۔ لیکن حسین بن روح مجھ جیسے نہیں ہیں، یہاں تک کہ اگر امام اس کے لباس میں چھپے ہوں اور لوگ قینچی سے پارہ پارہ کریں تو بھی وہ اپنا دامن نہیں کھولیں گے کہ امام نظر آجائیں۔[1]

صدوقؒ لکھتے ہیں: محمد بن علی اسود نے نقل کیا ہے کہ علی بن حسین بن بابویہ نے میرے ذریعہ حسین بن روح کو پیغام دیا کہ صاحب الامرؑ سے میرے لئے دعا کرا دیں شاید خدا مجھے بیٹے عطا کرے۔ میں نے ان کا پیغام حسین بن روح کی خدمت میں پہنچا دیا تین روز کے بعد انہوں نے اطلاع دی کہ امام نے ان کے لئے دعا کر دی ہے عنقریب خدا انھیں ایسا بیٹا عطا کرے گا کہ جس سے لوگوں کو فیض پہنچے گا۔ اسی سال ان کے یہاں محمد کی ولادت ہوئی۔ اس کے اور بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ اس کے بعد صدوقؒ لکھتے ہیں جب محمد بن علی جب بھی مجھے دیکھتے تھے کہ محمد بن حسن بن احمد کے درس میں آمد و رفت رکھتا ہوں اور علمی کتابوں کے پڑھنے اور حفظ کرنے کا بہت زیادہ شوق ہے، تو کہتے تھے: اس سلسلے میں ذرہ برابر بھی تعجب نہ کرو کہ تحصیل علم سے تمہیں اتنا شغف ہے کیونکہ تم امام زمانہ کی دعا سے پیدا ہوئے ہو۔[2]

ایک شخص کو حسین بن روح کی نیابت پر شک تھا۔ پس اس نے موضوع کی تحقیق کے لئے بغیر روشنائی کے قلم سے ایک خط لکھا اور امام زمانہ کی خدمت میں ارسال کیا چند روز کے بعد امام نے حسین بن روح کے ذریعہ اس کا جواب ارسال فرمایا۔[3]

۱۔ بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۵۹

۲۔ کمال الدین ج ۲ ص ۱۸۰

۳۔ اثبات الھداۃ ج ۷ ص ۳۴۰

۳۲۶ھ، ماہ شعبان میں حسین بن روح نے وفات پائی[1]

چوتھے نائب

امام زمانہ کے چوتھے نائب شیخ ابوالحسن علی بن محمد سمری تھے۔ ان کے بارے میں ابن طاؤس لکھتے ہیں: "انہوں نے امام علی نقی اور امام حسن عسکری کی خدمت کی اور ان دونوں اماموں کا ان سے مکاتبہ تھا اور ان کے لئے بہت سی توقیعات مرقوم فرمائی ہیں۔ وہ نمایاں اور ثقہ شیعوں میں سے ایک تھے[2]

احمد بن محمد صفوانی کہتے ہیں: حسین بن روح نے علی بن محمد سمری کو اپنا جانشین مقرر کیا تاکہ وہ ان کے امور کو انجام دیں۔ لیکن جب علی بن محمد سمری کا وقت قریب آیا تو لوگ ان کی خدمت میں آئے تاکہ ان کے جانشین کے بارے میں سوال کریں۔ انہوں نے فرمایا: مجھے اپنا نائب بنانے کا حکم نہیں ملا ہے[3]

احمد بن ابراہیم بن مخلد کہتے ہیں: ایک دن علی بن محمد سمری نے بغیر کسی تمہید کے فرمایا: خدا علی بن بابویہ قمی پر رحم کرے۔ حاضرین نے اس جملہ کی تاریخ لکھ لی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اسی دن علی بن بابویہ کا انتقال ہوا تھا۔ سمری نے بھی ۳۲۹ھ میں وفات پائی[4]

---

[1] رجال مامقانی ج ۱ ص ۲۰۱

[2] 〃 〃 ج ۲ ص ۳۰۲

[3] بحارالانوار ج ۱۵ ص ۲۶۰

[4] 〃 〃 〃 ص ۲۶۰

حسین بن احمد کہتے ہیں : علی بن محمد سمری کی وفات سے چند روز قبل میں ان کی خدمت میں تھا کہ امام زمانہ کی طرف سے صادر ہونے والے خط کو انہوں نے لوگوں کے سامنے پڑھا۔ اس کا مضمون یہ تھا : " علی بن محمد سمری! خدا تمہارے انتقال پر تمہارے بھائیوں کو صبر جمیل عطا کرے۔ چھ روز کے بعد تمہاری اجل آجائے گی۔ اپنے کاموں کو سمیٹ لو اور اب کسی کو اپنا نائب مقرر نہ کرنا کیونکہ اس کے بعد غیبت کبریٰ کا سلسلہ شروع ہوگا۔ میں اس وقت تک ظاہر نہ ہونگا جب تک خدا کا حکم نہ ہوگا طویل مدت، دلوں میں قساوت اور زمین ظلم و جور سے نہ بھر جائے گی۔ تمہارے درمیان ایسے افراد پیدا ہوں گے جو ظہور کا دعویٰ کریں گے۔ لیکن یاد رہے، سفیانی کے خروج اور آسمانی چیخ سے پہلے جو شخص ظہور کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہے"[1]

شیعوں کے درمیان چار اشخاص کی نیابت مشہور ہے۔ کچھ لوگوں نے اپنے مہدی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے لیکن دلیل نہ ہونے کی بنا پر ان کا جھوٹ آشکار ہوا اور ذلیل ہوئے۔ جیسا کہ حسن شریعی، محمد ابن نصیر نمیری، احمد بن ہلال کرخی، محمد بن علی بن ہلال، محمد بن علی شلمغانی اور ابوبکر بغدادی نے کیا تھا۔

یہ تھی نوّاب کے بارے میں میری معلومات۔ ان مدارک سے ان کے دعوے کے صحیح ہونے کا اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔

. . .

ڈاکٹر: اس سلسلے میں میرے ذہن میں کچھ سوالات تھے لیکن آج کی رات ہماری بحث بہت طویل ہوگئی اسلئے آئندہ جلسہ میں پیش کروں گا۔

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۳۶۱

ابتداء ہی میں غیبت کبریٰ کیوں واقع نہ ہوئی؟

تمام احباب کی موجودگی میں ڈاکٹر صاحب کے گھر جلسہ منعقد ہوا۔

ڈاکٹر : غیبت صغریٰ کا کیا فائدہ تھا؟ اگر یہی طے تھا کہ امام زمانہ غیبت اختیار کریں گے تو امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد ہی کیوں غیبت کبریٰ کا آغاز اور مکمل انقطاع نہ ہوا؟

ہوشیار : امام اور لوگوں کے رہبر کا غائب ہونا، وہ بھی عرصۂ دراز کیلئے عجیب و غیر مانوس بات ہے اور لوگوں کے لئے اس کا تسلیم کرنا مشکل ہے۔ اس لئے رسولؐ اور ائمہ نے یہ عزم کیا کہ آہستہ آہستہ لوگوں کو اس امر سے مانوس کیا جائے اور اسے تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ لہٰذا گاہ بگاہ وہ ان کی غیبت اور اس زمانہ میں لوگوں کے مشکلوں میں گھرنے کی خبر دیتے تھے اور ان کا انتظار کرنے والوں کے لئے ثواب بیان کرتے اور انکار کرنے والوں کی سرزنش کرتے تھے۔ کبھی اپنے عمل سے غیبت کی شبیہ پیش کرتے تھے۔

اثبات الوصیت میں مسعودی لکھتے ہیں : امام علی نقیؑ لوگوں کے ساتھ کم معاشرت کرتے تھے اور اپنے مخصوص اصحاب کے علاوہ کسی سے ربط و ضبط نہیں رکھتے تھے۔ جب امام حسن عسکریؑ ان کے جانشین ہوئے تو آپ بھی لوگوں سے اکثر پس پردہ سے گفتگو فرماتے تھے تاکہ ان کے شیعہ بارہویں امام کی غیبت سے مانوس

ہو جائیں[1]۔

اگر امام حسن عسکری کی رحلت کے بعد ہی مکمل غیبت واقع ہو جاتی تو امام زمانؑ کے مقدس وجود ہی سے لوگ غافل رہتے اور رفتہ رفتہ فراموش کر دیتے۔ اس لئے غیبت صغریٰ سے ابتداء ہوئی تاکہ شیعہ اس زمانہ میں اپنے امام سے نائبوں کے ذریعہ رابطہ کریں اور ان کی علامتوں اور کرامات کو مشاہدہ کریں اور اپنے ایمان کی تکمیل کریں جب خیالات مساعد اور کامل آمادگی ہو گئی تو غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔

کیا غیبت کبریٰ کی انتہا ہے؟

انجینئر : کیا غیبت کبریٰ کی کوئی حد معین ہے؟

ھوشیار : کوئی حد تو معین نہیں ہے۔ لیکن احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیبت اتنی طویل ہوگی کہ ایک گروہ شک میں پڑ جائے گا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

امیرالمؤمنینؑ نے حضرت قائمؑ کے بارے میں فرمایا:

"ان کی غیبت اتنی طویل ہوگی کہ جاہل کہے گا: خدا کو رسولؐ کے اہل بیت کی احتیاج نہیں ہے[2]۔"

---

[1] اثبات الوصیہ ص۲۰۶

[2] اثبات الھداۃ ج ۶ ص۳۹۳

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

"قائم (ع) میں جناب نوح (ع) کی ایک خصوصیت پائی جائیگی اور وہ ہے طول عمر[1]"

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص۲۱۷

فلسفۂ غیبت

انجینیئر : اگر امام ظاہر ہوتے اور لوگ ضرورت کے وقت آپ کی خدمت میں پہنچ کر اپنی مشکلیں حل کرتے تو یہ ان کے دین اور دنیا کیلئے بہتر ہوتا۔ پس غیبت کیوں اختیار کی؟

ہوشیار : اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر مانع نہ ہوتا تو آپ کا ظہور زیادہ مفید و بہتر تھا۔ لیکن چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے اس مقدس وجود کو آنکھوں سے پنہاں رکھا ہے اور خدا کے افعال نہایت ہی استحکام اور مصلحت و واقع کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہٰذا امام کی غیبت کی بھی یقیناً کوئی وجہ ہوگی۔ اگرچہ ہمیں اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے، درج ذیل حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیبت کا بنیادی سبب لوگوں کو نہیں بتایا گیا ہے، صرف ائمہ اطہار علیہم السلام کو معلوم ہے۔

عبداللہ بن فضل ہاشمی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"صاحب الامر کیلئے ایسی غیبت ضروری ہے کہ گمراہ لوگ شک میں مبتلا ہو جائیں گے"۔ میں نے عرض کی، کیوں؟ فرمایا: "ہمیں اس کی علت بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے"۔ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ وہی فلسفہ جو گزشتہ

حجت خدا کی غیبت میں تھا۔ لیکن اس کی حکمت ظہور کے بعد معلوم ہو گی۔ بالکل ایسے ہی جیسے جناب خضرؑ کی کشتی میں سوراخ، بچہ کے قتل اور دیوار کو تعمیر کرنے کی علت جناب موسیٰ کو جدا ہوتے وقت معلوم ہوئی تھی۔ اے فضل کے بیٹے! غیبت کا موضوع سرّی ہے۔ یہ خدا کے اسرار اور الٰہی غیوب میں سے ایک ہے۔ چونکہ ہم خدا کو حکیم تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے اس بات کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ اس کے امور حکمت کی رو سے انجام پاتے ہیں۔ اگرچہ اسکی تفصیل ہم نہیں جانتے۔"[1]

مذکورہ حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیبت کی اصلی علت و سبب اسلئے بیان نہیں ہوئی ہے کہ لوگوں کو بتانے میں صلاح نہیں تھی یا وہ اس کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

فائدہ اوّل: امتحان و آزمائش ۔ تاکہ جن لوگوں کا ایمان قوی نہیں ہے انکی باطنی حالت ظاہر ہو جائے اور جن لوگوں کے دل کی گہرائیوں میں ایمان کی جڑیں اتر چکی ہیں، غیبت پر ایمان، انتظارِ فرج اور مصیبتوں پر صبر کے ذریعہ ان کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے اور ثواب کے مستحق قرار پائیں، امام موسیٰ کاظم فرماتے ہیں:

"ساتویں امام کے جب پانچویں بیٹے غائب ہو جائیں، اس وقت تم اپنے دین کی حفاظت کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تمہیں دین سے خارج کر دے۔ اے میرے چھوٹے بیٹے! صاحب الامر کے لئے ایسی غیبت ضروری ہے کہ جسمیں

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۹۱

مومنین کا ایک گروہ اپنے عقیدے سے منحرف ہو جائے گا۔ خدا امام زمانہ کی غیبت کے ذریعہ اپنے بندوں کا امتحان لے گا۔[1]

دوسرا فائدہ: غیبت کے ذریعہ ستمگروں کی بیعت سے محفوظ رہیں گے۔

حسن بن فضال کہتے ہیں کہ امام رضاؑ نے فرمایا:

"گویا میں اپنے تیسرے بیٹے (امام حسن عسکریؑ) کی وفات پر اپنے شیعوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے امام کو ہر جگہ تلاش کر رہے ہیں لیکن نہیں پا رہے ہیں" میں نے عرض کی: فرزند رسول! کیوں؟ فرمایا: "ان کے امام غائب ہو جائیں گے" عرض کی: کیوں غائب ہوں گے؟ فرمایا: "تاکہ جب تلوار کے ساتھ قیام کریں تو اس وقت آپ کی گردن پر کسی کی بیعت نہ ہو۔[2]"

تیسرا فائدہ: غیبت کی وجہ سے قتل سے نجات پائی۔

زرارہ کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا:

"قائم کے لئے غیبت ضروری ہے"۔ عرض کی کیوں؟ فرمایا: "قتل ہو جانے کا خوف ہے اور اپنے شکم مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔[3]"

مذکورہ تینوں حکمتیں اہل بیت کی احادیث میں منصوص ہیں۔

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص۱۱۳

[2] 〃 〃 ج ۵۱ ص۱۵۲

[3] اثبات الهداة ج ۶ ص۴۲۷

امام زمانہ اگر ظاہر ہوتے تو کیا حرج تھا؟

انجینئر: اگر امام زمانہ لوگوں کے درمیان آشکار طور پر رہتے، دنیا کے کسی بھی شہر میں زندگی بسر کرتے، مسلمانوں کی دینی قیادت کی زمام اپنے ہاتھوں میں رکھتے اور شمشیر کے ساتھ قیام اور کفر کا خاتمہ کرنے کیلئے حالات سازگار ہونے تک ایسے ہی زندگی گزارتے تو کیا حرج تھا؟

ہوشیار: اچھا مفروضہ ہے لیکن اس کا تجزیہ کرنا چاہئے کہ اس سے کیا نتائج برآمد ہوئے۔ میں حسب عادت موضوع کی تشریح کرتا ہوں۔

پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ اطہار نے بارہا یہ بات لوگوں کے گوش گزار کی تھی کہ ظلم وستم کی حکومتیں مہدی موعود کے ہاتھوں تباہ ہوں گی اور بیدادگری کا قلعہ قمع ہوگا۔ اس لئے لوگوں کے دو گروہ ہمیشہ امام زمانہ کے وجود مقدس کے منتظر رہے۔ ایک مظلوم وستم رسیدہ لوگوں کا گروہ جو کہ ہمیشہ اکثریت میں رہا ہے۔ وہ حمایت و دفاع کے قصد سے امام زمانؑ کے پاس جمع ہوئے اور انقلاب و دفاع کا تقاضا کرتے تھے۔ یہ ہمیشہ ہوتا تھا کہ ایک بڑا گروہ آپ کا احاطہ کئے رہتا اور انقلاب کا تقاضا کرتا تھا۔

دوسرا گروہ خونخوار ستمگروں کا رہا ہے جس کا پسماندہ اور محروم قوموں پر تسلط رہا ہے یہ ذاتی مفاد کے حصول اور اپنے منصب کے تحفظ میں کسی بھی برے سے برے

کام کو انجام دینے سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور پوری قوم کو اپنے مفاد پر قربان کرنے کیلئے تیار رہتا تھا۔ یہ گروہ امام زمانہ کے وجود کو اپنے شوم مقاصد کی راہ میں مانع سمجھتا اور اپنی فرمان روائی کو خطرہ میں دیکھتا تھا تو آپ کا خاتمہ کر کے اس عظیم خطرہ سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس منصوبہ میں وہ سب متحد ہو گئے تاکہ عدالت و دادخواہی کی جڑیں اس طرح کاٹ دیں کہ پھر سرسبز نہ ہوسکیں۔

موت سے ڈر!

جلالی: امام زمانہ اگر معاشرہ کی اصلاح، دین کی ترویج اور مظلوموں سے دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جاتے تو اس میں کیا حرج تھا؟ کیا ان کا خون ان کے آباء و اجداد کے خون سے زیادہ عزیز ہے؟ موت سے کیوں ڈرتے تھے؟

ھوشیار: دین و حق کی راہ میں قتل ہونے سے امام زمانہ اپنے آباء و اجداد کی طرح نہ ڈرتے تھے اور نہ ڈرتے ہیں۔ لیکن ان کے قتل ہونے میں معاشرہ اور دین کی صلاح نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شہید ہونے والے امام کے بعد دوسرا امام اس کا جانشین ہوا ہے لیکن اگر امام زمانہ قتل ہو جائیں تو پھر کوئی جانشین نہیں ہے۔ اور زمین حجت خدا کے وجود سے خالی ہو جائے گی۔ جبکہ یہ مقدر ہو چکا ہے کہ آخر کار حق باطل پر غالب ہوگا اور امام زمانہ کے ذریعہ دنیا کی زمام حق پرستوں کے ہاتھوں میں آئے گی۔

کیا امام کی حفاظت کرنے پر خدا قادر نہیں ہے؟

جلالی: کیا خدا امام زمانہ کو دشمنوں کے شر سے بچانے اور ان کی حفاظت پر قادر

نہیں ہے؟

ہوشیار : باوجودیکہ خدا کی قدرت لامحدود ہے لیکن اپنے امور کو وہ اسباب و عادات کے مطابق انجام دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ انبیاء و ائمہ کی حفاظت اور دین کی ترویج میں عام اسباب و علل سے دست بردار ہو جائے اور عادت کے خلاف عمل کرے اور اگر ایسا کرے گا تو دنیا اختیار و امتحان کی جگہ نہ رہے گی۔

ستمگران کے سامنے سراپا تسلیم ہو جاتے !

جلالی: اگر امام زمانہ ظاہر ہوتے اور کفار و ستمگر آپ کو دیکھتے، آپ کی برحق باتیں سنتے تو ممکن تھا کہ وہ آپ کو قتل نہ کرتے بلکہ آپ کے ہاتھوں پر ایمان لاتے اور اپنی روش بدل دیتے۔

ہوشیار: ہر شخص حق کے سامنے سراپا تسلیم نہیں ہوتا ہے بلکہ ابتداء سے آج تک لوگوں کے درمیان ایک گروہ حق و صحت کا دشمن رہا ہے اور اسے پامال کرنے کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کی ہے۔ کیا انبیاء و ائمہ اظہار حق نہیں کرتے تھے ؟ کیا ان کی برحق باتیں اور معجزات ستمگروں کی دسترس میں نہیں تھے ؟ اس کے باوجود انہوں نے چراغ ہدایت کو خاموش کرنے کے سلسلے میں کسی کام سے دریغ نہ کیا۔ صاحب الامر بھی اگر خوف کے مارے غائب نہ ہوئے ہوتے تو ان کے ہاتھوں اسیر ہو جاتے۔

خاموش رہو تاکہ محفوظ رہو

ڈاکٹر : میرے نقطۂ نظر سے اگر امام زمانہ کلی طور پر سیاست سے علیحدہ رہتے

اور کفار و ستمگروں سے کوئی سروکار نہ رکھتے، ان کے اعمال کے مقابل سکوت اختیار کرتے اور اپنی دینی و اخلاقی راہنمائی میں مشغول رہتے تو دشمنوں کے شر سے محفوظ رہتے۔

ھوشیار : چونکہ ستمگروں نے یہ بات سن رکھی تھی کہ مہدی موعود ان کے دشمن ہیں اور ان کے ہاتھوں ظالم کا قلعہ قمع ہوگا۔ اس لئے وہ آپ کے سکوت پر اکتفا نہ کرتے۔ اس کے علاوہ جب مومنین یہ دیکھتے کہ آپ ظلم و ستم کو خاموشی سے دیکھ رہے ہیں، ایک دو سال سے نہیں بلکہ سیکڑوں سال سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ امام کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرتے تو وہ بھی آہستہ آہستہ دنیا کی اصلاح اور حق کی کامیابی سے مایوس ہو جاتے اور پیغمبر اکرم و قرآن مجید کی بشارتوں میں شک کرنے لگتے۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ مظلوم لوگ آپ کو سکوت کی اجازت نہ دیتے۔

عدم تعرض کا معاہدہ

انجینئر : وقت کے ستمگروں سے عدم تعرض کا معاہدہ کرنے کا امکان تھا وہ اس طرح کہ آپؑ ان کے کسی کام میں مداخلت نہیں کریں گے اور چونکہ آپ کی امانت داری و نیک منشی مشہور تھی اس لئے آپ کے معاہدے محترم اور اطمینان بخش ہوتے اور ستمگروں کو بھی آپ سے سروکار نہ ہوتا۔

ھوشیار : مہدی موعود کا پروگرام تمام ائمہ اطہار کے پروگرام سے مختلف ہے۔ ائمہ کو تاحدِ امکان ترویج دین اور امر بالمعروف و نہی از منکر کیلئے مامور کیا گیا تھا، جنگ کے لئے نہیں۔ لیکن ابتدا ہی سے یہ مقدر تھا کہ مہدی کی سیرت و رفتار ان سے مختلف ہوگی، وہ ظلم اور باطل کے مقابلہ میں سکوت نہیں کریں گے اور

جنگ جہاد کے ذریعہ ظلم وجور کی بیخ کنی کریں گے اور ستمگروں کے خود سری کے محلوں کو منہدم کریں گے۔

ایسی سیرت ورفتار مہدی کی علامتیں اور خصوصیات شمار کی جاتی تھیں۔ ہر امام سے کہا جاتا تھا کہ ستمگروں کے خلاف قیام کیوں نہیں کرتے؟ فرماتے تھے: مہدی تلوار سے جنگ کریں گے، قیام کریں گے جبکہ میرے اندر یہ خصوصیات نہیں ہیں اور ان کی طاقت بھی نہیں ہے۔ بعض سے دریافت کیا جاتا تھا: کیا آپؑ ہی قائم ہیں؟ فرماتے تھے: میں قائم برحق ہوں لیکن وہ قائم نہیں ہوں جو زمین کو خدا کے دشمنوں سے پاک کریں گے۔ بعض کی خدمت میں عرض کیا جاتا تھا: ہمیں امید ہے کہ آپ ہی قائم ہیں۔ فرماتے تھے: میں قائم ہوں لیکن جو قائم زمین کو کفر وظلم سے پاک کریں گے وہ اور ہیں۔ دنیا کی پریشان حالی، ابتری، ظالموں کی ڈکٹیٹری اور مومنین کی محرومیت کی شکایت کی جاتی تھی تو فرماتے تھے: مہدی کا انقلاب مسلّم ہے۔ اسی وقت دنیا کی اصلاح ہوگی اور ظالموں سے انتقام لیا جائے گا۔ مومنین کی قلت اور کافروں کی کثرت وطاقت کی اعتنا کی جاتی تو ائمہ شیعوں کی ڈھارس بندھاتے اور فرماتے تھے: آل محمد کی حکومت حتمی اور حق پرستی کی کامیابی یقینی ہے۔ صبر کرو اور فرج آل محمدؐ کے منتظر رہو اور دعا کرو، مومنین اور شیعہ ان خوش خبریوں سے مسرور ہوتے اور ہر قسم کے رنج وغم کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔"

اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ مومنین بلکہ بشریت کو جو مہدی سے توقعات ہیں ان کے باوجود آپ وقت کے ستمگروں سے پیمان مودت ودوستی باندھ سکتے تھے؟! اگر آپ ایسا کرتے تو کیا مومنین پر یاس وناامیدی غالب نہ آجاتی۔ کیا وہ آپ پر یہ

تہمت نہ لگائے کہ آپ نے ظالموں سے ساز باز کرلی ہے اور آپ کا مقصد اصلاح نہیں ہے ؟ !

میرے نقطۂ نظر سے تو اس کا امکان ہی نہیں تھا اور اگر ایسا ہوگیا ہوتا تو مومنین کی قلیل تعداد مایوس و بدظن ہو کر دین سے خارج اور طریقہ کفر پر گامزن ہو جاتی ۔

اس کے علاوہ اگر آپ ستمگروں سے عدم تعرض اور دوستی کا معاہدہ کرلیتے تو مجبوراً اپنے عہد کی پابندی کرتے ، نتیجہ میں کبھی جنگ کا اقدام نہ کرتے ، کیونکہ اسلام نے عہد و پیمان کو محترم قرار دیا ہے اور اس پر عمل کو ضروری جانا ہے[1]۔

اس وجہ سے احادیث میں تصریح ہوتی ہے کہ صاحب الامر کی ولادت کے مخفی رکھنے اور غیبت کا ایک راز یہ ہے کہ ظالموں سے بیعت نہ کرسکیں تاکہ جب چاہیں قیام کریں اور کسی کی بیعت میں نہ ہوں ۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں :

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں :

"صاحب الامر کی ولادت کو مخفی رکھا جائے گا تاکہ ظہور کے وقت آپ کسی پیمان کے پابند نہ ہوں ، خدا ایک رات میں ان کے لئے زمین ہموار کریگا[2]۔"

ان تمام چیزوں کے علاوہ جب خود خواہ ستمگر و زمامدار اپنے مفاد و منافع کیلئے خطرہ محسوس کرتے تو وہ اس پیمان سے مطمئن نہ ہوتے اور آپ کے قتل کا منصوبہ بناتے اور زمین کو حجت خدا کے وجود سے خالی کر دیتے ۔

---

[1] مائدہ/۱ و اسراء/۳۴ و مومنون/۸

[2] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۹۶

مخصوص نواب کیوں معین نہ کئے ؟

جلالی : ہم اصل لزوم غیبت کو قبول کرتے ہیں لیکن غیبت کبریٰ میں آپ نے اپنے شیعوں کے لئے غیبت صغریٰ کی مانند نواب کیوں معین نہیں کئے؟ شیعہ ان کے ذریعہ آپ سے رابطہ قائم کرتے اور اپنے مشکلات حل کرتے ؟

ہوشیار : دشمنوں نے نوّاب حضرات کو بھی اذیتیں پہنچائی ہیں ، شکنجے دیئے ہیں تاکہ وہ امام کی قیام گاہ کا پتہ بتادیں ۔ انھیں آزاد نہیں چھوڑا گیا تھا۔

جلالی : یہ بھی ممکن تھا کہ معین اشخاص کو وکیل منصوب کرتے ۔ خود کبھی کبھی بعض مومنین کے پاس تشریف لاتے اور شیعوں کے لئے انھیں احکام و پیغام دیتے۔

ہوشیار : اس میں بھی صلاح نہیں تھی بلکہ ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ وہی لوگ دشمنوں کو امام کے مکان کا پتہ بتا دیتے اور آپ کی اسیری و قتل کے اسباب فراہم کر دیتے ۔

جلالی : خطرہ کا احتمال اس صورت میں تھا کہ جب آپ مجہول الحال شخص کے لئے ظاہر ہوتے لیکن اگر آپ صرف علما اور موثق و معتمد مومنین کے لئے ظہور فرماتے تو خطرہ کا بالکل احتمال نہ ہوتا۔

ہوشیار : اس مفروضہ کے بھی کئی جواب دیئے جا سکتے ہیں:

۱۔ جس شخص کے لئے بھی ظہور فرماتے اس سے اپنا تعارف کرانے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ناچار معجزہ دکھانا پڑتا بلکہ ان لوگوں کے لئے تو کئی معجزے دکھانے پڑتے جو آسانی سے کسی بات کو قبول نہیں کرتے ۔ اسی اثنار میں فریب کار

اور جادوگر بھی پیدا ہو جاتے جو کہ لوگوں کو فریب دیتے، امامت کا دعوی کرتے اور سحر وجادو دکھا کر عوام کو گمراہ کرتے اور معجزہ وجادو میں فرق کرنا ہر ایک کے قبضہ کی بات نہیں ہے، اس قضیہ سے بھی لوگوں کے لئے بہت سے مفاسد و اشکالات پیدا ہوجاتے۔

۲۔ فریب کار بھی اس سے غلط فائدہ اٹھاتے، جاہل لوگوں کے درمیان جاکر امام سے ملاقات کا دعویٰ کرتے اور اپنے مقصد تک پہنچانے کیلئے آپ کی طرف خلاف شرع احکام کی نسبت دیتے، جو چاہتا خلاف شرع عمل کرتا اور اپنے کام کی ترقی و تصحیح کے لئے کہتا۔ میں امام زمانہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ کل رات غریب خانہ ہی پر تشریف لائے تھے مجھ سے فرمایا ہے۔ فلاں کام انجام دو، فلاں کام کیلئے میری تائید کی ہے، اس میں جو خرابی اور مفاسد ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

۳۔ اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ امام زمانہ کسی بھی شخص، یہاں تک صالح لوگوں سے بھی ملاقات نہیں کرتے بلکہ ممکن ہے کہ بہت سے صالحین و اولیاء خدا آپؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوتے ہوں لیکن انہیں یہ بات بیان کرنے کی اجازت نہ ہو، ہر شخص اپنی ہی کیفیت سے واقف ہے اسے دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

امام غائب کا کیا فائدہ؟

انجینئر : اگر امام لوگوں کے پیشوا ہیں، تو انھیں ظاہر ہونا چاہئے۔ غائب امام کے وجود سے کیا فائدہ ہے ؟ جو امام سیکڑوں سال غائب رہے۔ دین کی ترویج نہ کرے، معاشرے کی مشکلوں کو حل نہ کرے، مخالفوں کے جواب نہ دے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے، مظلوموں کی حمایت نہ کرے، خدا کے احکام و حدود کو نافذ نہ کرے ایسے امام کے وجود کا کیا فائدہ ہے ؟ !

ہوشیار : غیبت کے زمانہ میں لوگ آپ کے بیان کردہ فوائد سے اپنے اعمال کی بنا پر محروم ہیں۔ لیکن وجود امام کے فوائد ان ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اور بھی فوائد ہیں جو کہ غیبت کے زمانہ میں مترتب ہوتے ہیں منجملہ ان کے ذیل کے دو فوائد بھی ہیں :

اوّل : گزشتہ بحث، علماء کی کتابوں میں نقل ہونے والی دلیلوں اور موضوع امامت کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کے مطابق امام کا مقدس وجود نوع انسان کی غایت، انسانیت کا فرد کامل اور عالم مادی و عالم ربوبیت کے درمیان رابطہ ہے۔ اگر روئے زمین پر امام کا وجود نہ ہوگا تو نوع انسان تباہ ہو جائے گی۔ اگر امام نہ ہوں گے تو صحیح معنوں میں خدا کی معرفت و عبادت نہ ہوگی۔ اگر امام نہ ہوں گے تو عالم مادی اور منبع تخلیق کے درمیان رابطہ منقطع ہو جائے گا۔ امام کے قلب مقدس کی مثال ایک

ٹرانسفارمر کی سی ہے جو کارخانہ کے ہزاروں بلبوں کو بجلی فراہم کرتا ہے۔ عوالم غیبی کے اشراقات و افاضات پہلے امام کے پاکیزہ قلب پر اور ان کے وسیلہ سے تمام لوگوں کے دلوں پر نازل ہوتے ہیں۔ امام عالم وجود کا قلب اور نوع انسانی کے رہبر و مربی ہیں اور یہ واضح ہے کہ ان فوائد کے ترتیب میں آپ کی غیبت و حضور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیا اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام کے وجود کا کیا فائدہ ہے؟! میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے یہ اعتراض اس کی زبان سے کیا ہے جس نے امامت و ولایت کے معنی کی تحقیق نہیں کی ہے اور امام کو صرف مسئلہ بیان کرنے والا تصور کر لیا ہے نہ کہ حدود جاری کرنے والا جبکہ عہدۂ امامت و ولایت اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں :

"ہم مسلمانوں کے امام، دنیا پر حجت، مومنین کے سردار، نیکو کاروں کے رہبر اور مسلمانوں کے مولا ہیں، ہم زمین والوں کے لئے امان ہیں جیسا کہ آسمان والوں کے لئے ستارے امان ہیں۔ ہماری وجہ سے آسمان اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ جب خدا چاہتا ہے ہمارے واسطے سے باران رحمت نازل کرتا اور زمین سے برکتیں ظاہر کرتا ہے۔ اگر ہم روئے زمین پر نہ ہوتے تو اہل زمین دھنس گئے ہوتے"

پھر فرمایا: "جس دن سے خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا ہے۔ اس دن سے آج تک زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رہی ہے لیکن حجت خدا کا وجود کبھی ظاہر و آشکار اور کبھی غائب و مخفی رہا ہے۔ قیامت تک زمین حجت خدا سے خالی نہ ہوگی۔ اگر امام نہ ہوگا تو خدا کی عبادت نہ ہوگی۔

سلمان کہتے ہیں: "میں نے عرض کی امام غائب کے وجود سے لوگوں کو کیسے فائدہ پہنچتا ہے؟ فرمایا: "جیسے ابر میں چھپے ہوئے سورج سے پہنچتا ہے۔"[1]

اس اور دیگر حدیثوں میں صاحب الامر کے مقدس وجود اور ان کے ذریعہ لوگوں کو پہنچنے والے فائدہ کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے جو کہ بادل میں چھپ کر بھی لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وجہ تشبیہ یہ ہے: طبیعی اور فلکیات کے علوم سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سورج شمسی نظام کا مرکز ہے۔ اس کی قوت جاذبہ زمین کی محافظ اور اسے گرنے سے بچاتی ہے، زمین کو اپنے چاروں طرف گردش دیتی ہے، دن، رات اور مختلف فصلوں کو وجود میں لاتی ہے۔ اس کی حرارت حیوانات، نباتات اور انسانوں کی زندگی کا باعث ہے، اس کا نور زمین کو روشنی بخشتا ہے۔ ان فوائد کے مترتب ہونے میں سورج کے ظاہر یا بادل میں پوشیدہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے یعنی اس کی قوت جاذبہ حرارت اور نور دونوں صورتوں میں رہتا ہے۔ ہاں کم و بیش کا فرق ہوتا ہے۔ جب سیاہ گھٹاؤں میں سورج چھپ جاتا ہے یا رات ہو جاتی ہے تو جاہل یہ خیال کرتے ہیں کہ اب موجودات سورج کی حرارت و نور سے بے بہرہ ہیں جبکہ یہ بہت غلطی ہے کیونکہ اگر ایک منٹ کیلئے بھی جانداروں کو سورج کی حرارت اور نور میسر نہ ہو تو برف بن کر ہلاک ہو جائیں، سورج ہی کی برکت سے سیاہ گھٹائیں چھٹتی ہیں اور اس کا حقیقی چہرہ ظاہر ہوتا ہے۔

امام کا مقدس وجود بھی عالم انسانیت کا قلب اور سورج اور اس کا تکوینی مربی

---

[1] ینابیع المودۃ ج ۲ ص ۲۱۷

وہادی ہے ، اور ان فوائد کے ترتب میں آپ کی غیبت وحضور میں اثرانداز نہیں ہے۔
حاضرین سے گزارش ہے کہ نبوت عامہ اور امامت کے بارے میں ہونے والی بحث کو مدنظر رکھیں اور نہایت سنجیدگی سے ایک مرتبہ اسے دھرالیں ہتاکہ ولایت کے حقیقی معنی تک پہنچ جائیں ۔ اور امام کے وجود کے اہم فائدہ کو سمجھ جائیں اور اس بات کو سمجھ لیں کہ اب بھی نوع انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ امام غائب کی برکت کا اثر ہے ۔

لیکن آپ نے جو دوسرے فوائد بیان کئے ہیں اگرچہ غیبت کے زمانہ میں عام لوگ ان سے محروم ہیں لیکن خداوند عالم اور خود امام فیض میں مانع نہیں ہیں بلکہ اس میں خود لوگوں کی تقصیر ہے ۔ اگر وہ ظہور میں مانع چیزوں کو برطرف کر دیتے اور توحید و عدالت کی حکومت کے اسباب فراہم کر لیتے ۔ دنیا کے اذہان و افکار کو ہموار کر لیتے تو امام کا ظہور ہو جاتا اور آپ انسانی معاشرہ کو بے پناہ فوائد سے مالامال کر دیتے ۔

ممکن ہے آپ یہ کہیں : جب عام حالات امام زمانہ کے ظہور کے لئے سازگار نہیں ہیں تو اس پُرخطر کام کی کوشش کرنا بے فائدہ ہے ؟ لیکن واضح رہے مسلمانوں کی طاقت وہمت کو ذاتی منافع کے حصول میں منحصر نہیں ہونا چاہیئے ، تمام مسلمانوں بلکہ ساری دنیا کے اجتماعی امور کی اصلاح میں کوشش کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے ، رفاہ عام میں تندہی اور ظلم وبیدادگری سے مبارزہ بہت بڑی عبادت ہے ۔

ممکن ہے مزید آپ کہیں : ایک یا چند افراد کی کوشش سے کچھ نہیں ہوتا ۔ اور پھر میرا کیا گناہ ہے کہ امام کے دیدار سے محروم ہوں ؟ !

جواب : اگر ہم نے عام افکار کے رشد ، دنیا والوں کو اسلامی حقائق سے متعارف کرانے اور اسلام کے مقدس مقصد سے قریب لانے کی کوشش کی اور اپنا فریضہ

انجام دیدیا، تو اس کا ہمیں اجر ملے گا ، اگرچہ ہم نے معاشرۂ بشریت کو مقصد سے ایک ہی قدم قریب کیا ہوگا اور اس کام کی اہمیت علماء پر مخفی نہیں ہے اسی لئے بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے کہ انتظار فرج سب سے بڑی عبادت ہے۔[1]

دوسرا فائدہ : مہدی، انتظار فرج اور امام زمانہ کے ظہور پر ایمان رکھنے سے مسلمانوں کے دلوں کو سکون ملتا اور امید بندھتی ہے اور امیدوار رہنا مقصد کی کامیابی کا سبب ہے۔ جس گروہ نے اپنے خانۂ دل کو یاس ونا اُمیدی سے تاریک کرلیا اور اس میں امید کی کرن کا گزر نہ ہو تو وہ ہرگز کامیاب نہ ہوگا۔

ہاں دنیا کے آشفتہ حالات ، مادیت کا تباہ کن سیلاب ، علوم و معارف کی سرد بازاری، پسماندہ طبقہ کی روز افزوں محرومیت ، استعمار کے فنون کی وسعت، سرد و گرم جنگیں، اور مشرق و مغرب کا اسلحہ کی دوڑ میں مقابلہ نے روشن فکر اور بشر کے خیرخواہوں کو مضطرب کردیا ہے، یہاں تک کہ وہ کبھی بشر کی اصلی طاقت ہی کی تردید کردیتے ہیں۔
بشر کی امید کا صرف ایک جھروکہ کھلا ہوا ہے اور اس دنیائے تاریک میں جو امید کی چمکنے والی کرن انتظار فرج اور حکومت توحید کا درخشاں زمانہ اور قوانین الٰہی کا نفاذ ہے۔ انتظار فرج ہی مایوس اور لرزتے دلوں کو آرام بخشتا اور پسماندہ طبقے کے زخمی دلوں پر مرہم رکھتا ہے۔ حکومتِ توحید کی مسرت بخش خوش خبری نے ہی مومنین کے عقائد کی حفاظت کی اور دین میں اسے پائیدار کیا ہے۔ حق کے غلبہ اور کامیابی نے ہی بشر کے خیر خواہوں کو فعالیت و کوشش پر ابھارا ہے۔ اسی غیبی طاقت

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص۱۲۲ - ۱۵۰

سے استمداد انسانیت کو یاس و ناامیدی کے ہولناک غار میں گرنے سے بچاتی ہے اور امید و آرزوؤں کی شاہ راہوں کو منور کرتی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے توحید کی عالمی حکومت اور عالمی اصلاحات کے رہبر کے تعین و تعارف سے دنیا کے اسلام سے یاس و ناامیدی کے دیو کو نکال دیا ہے۔ شکست و ناامیدی کے راستوں کو مسدود کر دیا ہے۔ اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ اسلام کے اس گراں بہا منصوبہ پر عمل پیرا ہو کر مسلمان دنیا کی پراگندہ قوموں کو اپنی طرف متوجہ کریں گے اور حکومت توحید کی تشکیل کے لئے ان سے اتحاد کر لیں گے۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

"انتظار فرج خود عظیم فرج و گشائش ہے۔"[1]

مختصر یہ کہ مہدی موعود پر ایمان نے شیعوں کے مستقبل کو تابناک بنا دیا ہے اور اس دن کی امید میں خوش رہتے ہیں۔ شکست و یاس کو ان سے سلب کر کے انھیں مقصد کی راہ، تہذیب اخلاق اور معارف سے دلچسپی لینے پر ابھارا ہے۔ شیعہ، مادیت، شہوت رانی، ظلم و ستم، کفر و بے دینی اور جنگ و استعمار کے تاریک دور میں حکومت توحید۔ عقل انسانیت کی تکمیل، ظلم و ستم کی تباہی، حقیقی صلح کی برقراری اور علوم و معارف کی گرم بازاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور اس کے اسباب و مقاصد فراہم کر رہے ہیں۔ اس لئے اہل بیتؑ کی احادیث میں انتظار فرج کو بہترین عبادت اور راہ حق میں شہادت قرار دیا گیا ہے۔[2]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۲۲

[2] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۲۲ تا ۱۵۰

اسلام سے دفاع

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ ولی عصر (ع)
زمانہ غیبت میں بھی اسلام کی عظمت و ارتقاء اور مسلمانوں کے امور کے حل و فصل میں ممکنہ
حد تک کوشش فرماتے ہیں۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں :

" وہ لوگ راہ حق سے منحرف ہوکر ، دائیں بائیں چلے گئے اور ضلالت کی راہ پر گامزن ہوئے ، ہدایت کے راستہ کو چھوڑ دیا ، پس جو ہونے والا ہے اس کیلئے جلد نہ کرو ، انتظار کرو اور جو چیز بہت جلد واقع ہونے والی ہے اسے دور نہ سمجھو! کتنے لوگوں نے کسی چیز کے بارے میں جلد بازی سے کام لیا لیکن جب اسے پالیا تو کہا : اے کاش! میں نے اس کا ادراک نہ کیا ہوتا مستقبل کی بشارتیں کتنی قریب ہیں اب وعدوں کے پورا ہونے اور ان چیزوں کے ظاہر ہونے کا وقت ہے جنھیں تم نہیں پہچانتے آگاہ ہوجاؤ ہم اہل بیت میں سے جو اس زمانہ کو درک کرے گا ۔ وہ امام زمانہ ہے ۔ وہ روشن چراغ کے ساتھ قدم اٹھائے گا اور صالحین کا طریقہ اختیار کرے گا۔ یہاں تک کہ اس زمانہ کے لوگوں کی مشکلکشائی کرے گا اور اسیروں کو آزاد کرے گا باطل و نقصان دہ طاقتوں کو پراگندہ کرے گا ۔ مفید لوگوں کو جمع کرے گا۔ ان تمام کاموں کو خفیہ طور پر انجام دے گا کہ قیافہ شناس بھی غور و تامل کے بعد کچھ نہ سمجھ سکیں گے ۔ امام زمانہ کے وجود کی برکت سے دین سے

دفاع کیلئے لوگوں کی ایک جماعت کو اس طرح تیز کیا جائے گا جیسے لوہار تلوار کی باڑ تیز کرتا ہے، قرآن سے ان کے باطن کی آنکھوں میں جلا پیدا کی جائیگی اس کے معانی و تفاسیر ان کے گوش گزار کی جاتی رہیں گی اور علوم و حکمت کے چھلکتے ہوئے ساغر انھیں صبح و شام پلائے جائیں گے۔[1]"

اس خطبہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کے زمانہ میں بھی لوگ ان حوادث کے واقع ہونے کے منتظر تھے جن کی خبر انہوں نے رسولؐ سے سنی تھی ممکن ہے وہ غیبت کے زمانہ میں نہایت ہی خفیہ طور پر زندگی بسر کریں گے لیکن کامل بصیرت سے مسلمانوں کے ضروری مسائل کو حل اور اسلام کے مرکز سے دفاع میں کوشش کریں گے مسلمانوں کی مشکل کشائی کریں گے، گرفتاری بندوں کو آزادی دلائیں گے۔ اور جو لوگ اسلام کی منح کنی کے لئے جمع ہو گئے تھے انکو متفرق کریں گے اور ہر نقصان دہ تشکیل کو درہم کریں گے، ضروری اور مفید انجمنوں کی تشکیل کے مقدمات فراہم کریں گے۔ امام زمانہ کی برکت سے لوگوں کا ایک گروہ دین سے دفاع کے لئے تیار ہوگا اور اپنے امور میں قرآن کے علوم و معارف سے مدد لے گا۔

فہیمی : میں چاہتا تھا کہ آپ یہ ثابت کریں کہ ہم اہل سنت کی احادیث میں وجود مہدی کو —— خصوصاً آپ کے دیگر اسما جیسے قائم و صاحب الامر —— اس طرح کیوں بیان نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن وقت چونکہ ختم ہونے والا ہے، اس لئے آئندہ جلسہ میں اس موضوع پر بحث کی جائے تو بہتر ہے۔

سب نے اس بات کی تائید کی اور یہ طے پایا کہ آئندہ جلسہ ڈاکٹر صاحب کے گھر منعقد ہوگا۔

---

[1] نہج البلاغہ ج ۲ خطبہ ۱۴۶

خصوصیات مہدیؑ اہل سنّت کی کتابوں میں

معمولی ضیافت اور گفتگو کے بعد جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی اور فہیمی صاحب نے اس طرح سوال اٹھایا:

شیعوں کی احادیث میں مہدی موعود کا وجود مشخص اور واضح ہے جبکہ اہل سنت کی احادیث میں مجمل ومبہم انداز میں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً غیبت مہدی کا واقعہ آپکی اکثر احادیث میں پایا جاتا ہے جبکہ آپکی مسلم علامتیں اور خصوصیات کا ہماری احادیث میں کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں وہ بالکل خاموش ہیں۔ آپ حضرات کی احادیث میں مہدی موعود کے دوسرے نام قائم اور صاحب الامر وغیرہ بھی مذکور ہیں لیکن ہماری احادیث میں مہدی کے علاوہ اور کوئی نام بیان نہیں ہوا ہے، خصوصاً قائم تو ہماری احادیث میں ہے ہی نہیں! کیا یہ بات آپکے نقطۂ نظر سے معمولی ہے، قابل اعتراض نہیں ہے؟

ہوشیار: ظاہراً قضیہ کی علت یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے دور خلافت میں مہدویت کا موضوع مکمل طور پر سیاسی مسئلہ بن چکا تھا چنانچہ تمام مشخصات وعلامتوں کے ساتھ مہدی موعود خصوصاً غیبت وقیام سے متعلق احادیث کے نقل کرنے کے لئے آزادی نہیں تھی، خلفائے وقت احادیث کی تدوین خصوصاً مہدی کی غیبت اور قیام سے متعلق احادیث کے سلسلہ میں بہت حساس رہتے تھے بس اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ غیبت، قیام اور خروج کے الفاظ بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔

آپ بھی اگر تاریخ کا مطالعہ فرمائیں اور بنی امیہ و بنی عباس کی خلافت کے بحرانی حالات اور سیاسی کشمکش کا نقشہ کھینچے تو میرے خیال کی تائید فرمائیں گے۔ ہم اس مختصر وقت میں اس زمانہ کے اہم حوادث و واقعات کا تجزیہ نہیں کر سکتے لیکن اثبات مدعا کیلئے دو چیزوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ داستان مہدویت میں چونکہ ایک دینی پہلو موجود تھا اور پیغمبر اکرمؐ نے اسکی خبر دی تھی کہ جس زمانہ میں کفر و بے دینی کو فروغ ہوگا اور ظلم و ستم چھایا ہوگا اس وقت مہدی موعود انقلاب برپا کریں گے اور دنیا کی آشفتہ حالی کی اصلاح کریں گے اسی لئے مسلمان اس موضوع کو ایک طاقتور پناہ گاہ اور تسلی بخش وقوعہ تصور کرتے تھے اور ہمیشہ اس کے وقوع پذیر ہونے کے منتظر رہتے تھے۔ خصوصاً مذکورہ عقیدہ اس وقت اور زیادہ مشہور اور زندہ ہو جاتا تھا جب لوگ ظلم و ستم کی طغیانیوں اور بحرانی حالات میں ہر جگہ سے مایوس ہو جاتے تھے چنانچہ کبھی اصلاح کے علمبردار اور ابن الوقت افراد بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

عقیدۂ مہدویت سے سب سے پہلے جناب مختار نے فائدہ اٹھایا تھا۔ کربلا کے المناک سانحہ کے بعد جناب مختار قاتلوں سے انتقام لینا اور ان کی حکومت کو برباد کرنا چاہتے تھے لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ بنی ہاشم اور شیعہ حکومت پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں مایوس ہو چکے ہیں تو انہوں نے عقیدۂ مہدویت سے استفادہ کیا اور اس فکر کے احیاء سے قوم کی اُمید بندھائی۔ چونکہ محمد بن حنفیہ رسول کے ہم نام و ہم کنیت تھے۔ یعنی مہدی کی ایک علامت ان میں موجود تھی لہٰذا مختار نے وقت سے فائدہ اٹھایا اور محمد بن حنفیہ کو مہدی موعود اور خود کو ان کے وزیر کے عنوان سے پیش کیا اور لوگوں سے کہا محمد بن حنفیہ اسلام کے

مہدی موعود ہیں، اس زمانہ میں ظلم وستم اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ حسین بن علی اور ان کے اصحاب و جوان تشنہ لب کربلا میں شہید کر دیئے گئے ہیں، محمد بن حنفیہ انقلاب لانے کا قصد رکھتے ہیں تاکہ قاتلوں سے انتقام لے سکیں اور دنیا کی اصلاح کر سکیں۔ میں ان کا وزیر ہوں۔ اس طرح مختار نے قیام کیا اور کچھ قاتلوں کو تہ تیغ کیا درحقیقت اس عنوان سے برپا ہونے والا یہ پہلا انقلاب اور خلافت کے مقابلہ میں اولین قیام تھا۔

دوسرا ابومسلم خراسانی عقیدۂ مہدویت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ابومسلم نے خراسان میں، امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و انصار، ہشام بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں دردناک و سنسنی خیز انداز میں شہید ہونے والے زید بن علی بن حسینؑ اور ولید کے زمانۂ خلافت میں شہید ہونے والے یحییٰ بن زید کے انتقام کے عنوان سے بنی امیہ کی خلافت کے خلاف قیام کیا تھا۔ ایک جماعت بھی ابومسلم کو مہدی موعود خیال کرتی تھی اور ایک گروہ اسے ظہور مہدی کا مقدمہ تصور کرتا تھا اور مہدی کی علامتوں میں شمار کرتا تھا کہ وہ خراسان کی طرف سے سیاہ پرچموں کے ساتھ آئے گا۔ اس جنگ میں علویین، بنی عباس اور سارے مسلمان ایک طرف تھے، چنانچہ انہوں نے بھرپور اتحاد کے ساتھ بنی امیہ اور ان کے کارندوں کو اسلامی حکومت سے برطرف کر دیا۔

یہ تحریک اگرچہ رسول کے اہل بیت کے مغصوب حق کے عنوان سے شروع ہوئی تھی اور شاید انقلاب کے بعض چیمپئن افراد بھی خلافت علویین ہی کی تحویل میں دینا چاہتے تھے لیکن بنی عباس اور ان کے کارندوں نے نہایت ہی چال بازی سے انقلاب کو اس کے حقیقی راستہ سے ہٹا دیا۔ حکومت علویوں کی دہلیز تک پہنچ چکی تھی لیکن بنی عباس نے اپنے کو پیغمبر کے اہل بیت کے عنوان سے پیش کیا اور اسلامی خلافت کی مسند پر متمکن ہوئے۔

اس عظیم تحریک میں ملت کامیاب ہوئی اور بنی امیہ کے ظالم خلفاء سے اسلامی خلافت چھین لی۔ لوگوں کو بڑی خوشی تھی کہ انہوں نے ظالم خلفا کے شر سے نجات حاصل کرلی ہے اور اس کے علاوہ حق کو حق دار تک پہنچا دیا اور اسلامی خلافت کو خاندان پیغمبرؐ میں پلٹا دیا ہے۔ علویین بھی کسی حد تک خوش تھے اگرچہ انھیں خلافت نہیں ملی تھی لیکن کم از کم بنی امیہ کے ظلم وستم سے تو مطمئن ہوگئے تھے۔ مسلمان اس کامیابی سے بہت خوش تھے اور ملک کے عام حالات کی اصلاح، اسلام کی ترقی اور اپنی بہبودی کے سنہرے خواب دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے کو خوشخبری دے رہے تھے۔ لیکن کچھ ہی روز کے بعد وہ خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور بنی عباس و بنی امیہ کی حکومت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب ریاست طلب اور خوش باش ہیں۔ مسلمانوں کا بیت المال تباہ ہو رہا ہے۔ عدل و انصاف، اصلاحات اور احکام الٰہی کے نفاذ کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے اپنی غلط فہمی اور بنی عباس کی نیرنگ کو سمجھ لیا۔

علوی سادات نے بھی یہ بات محسوس کی کہ اسلام، مسلمانوں اور خود ان سے بنی عباس کا جو سلوک ہے وہ بنی امیہ کی روش سے مختلف نہیں ہے اور جہاد کی ابتداء اور بنی عباس سے جنگ کے آغاز کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ تحریک چلانے کے لئے بہتر افراد جو ممکن تھے وہ علی و فاطمہؑ کی اولاد تھے کیونکہ اول تو ان میں شائستہ، پاکدامن، فداکار اور دانش ور پیدا ہوتے تھے جو کہ خلافت کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھے۔ دوسرے پیغمبر کی حقیقی اولاد تھے اور آپ سے نسبت کی بنا پر محبوب تھے۔ تیسرے، مظلوم تھے، ان کا شرعی حق پامال ہو چکا تھا۔ لوگ بتدریج اہل بیتؑ

رسول کی طرف آئے۔ خلفائے بنی عباس کے جیسے جیسے ظلم وستم اور ڈکٹیٹرشپ بڑھتی جاتی تھی اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان اہل بیت کی محبوبیت بڑھتی جاتی تھی اور ان میں ظلم کے خلاف شورش کا جذبہ پیدا ہوتا تھا ۔ قوم کی تحریک اور علویوں کا قیام شروع ہوا، کبھی کبھی ان میں سے کسی کو پکڑتے اور شور و ہنگامہ بپا کرتے تھے کبھی اس میں صلاح سمجھتے تھے کہ عقیدۂ مہدویت پیغمبرؐ کے زمانہ سے ابھی تک باقی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہے، اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور قائد انقلاب کو مہدی موعود کے نام سے پہچنوایا جائے۔ یہاں بنی عباس کے خلفاء کا سخت، دلیر، دانشور اور قوم میں محبوب رقیبوں سے مقابلہ تھا۔ خلفائے بنی عباس علوی سادات کو بخوبی پہچانتے تھے، ان کی ذاتی لیاقت، فداکاری، قومی عزت اور خاندانی شرافت سے واقف تھے۔ اس کے علاوہ مہدی موعود کے بارے میں پیغمبرؐ کی دی ہوئی بشارتوں سے بھی باخبر تھے۔ پیغمبر کی احادیث کے مطابق انھیں معلوم تھا کہ مہدی موعود اولاد فاطمہؑ سے ہونگے جو قیام کرکے ستمگروں سے مبارزہ کریں گے اور ان کی کامیابی کو یقینی سمجھتے تھے وہ داستان مہدی اور لوگوں میں اس عقیدہ کے معنوی اثر سے بھی کسی حد تک واقف تھے۔ اس بناپر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنی عباس کی خلافت کو سب سے بڑا خطرہ علوی سادات سے تھا۔ انہوں نے ان کی اور ان کے کارندوں کی نیند حرام کردی تھی۔ البتہ خلفا نے بھی لوگوں کو علویوں کے پاس جمع نہ ہونے دیا اور ہر قسم کی تحریک و انقلاب کی پیش بندی میں بڑی تندی سے کام لیا۔ خصوصاً علویوں کے سربرآوردہ افراد پر سخت نظر رکھتے تھے یعقوبی لکھتے ہیں۔ موسیٰ ہادی طالبین کو گرفتار کرنے کی بہت کوشش کرتا تھا۔ انھیں خوف زدہ وہراساں رکھتا تھا تمام شہروں میں یہ حکم نامہ

بھیجدیا تھا کہ جہاں بھی طالبین کا کوئی آدمی ملے اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدو۔[1]

ابو الفرج لکھتے ہیں :

"جب منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے ساری کوشش محمد بن عبد اللہ بن حسنؑ کو گرفتار کرنے اور ان کے مقصد سے آگہی حاصل کرنے میں صرف کی۔"[2]

غیبتِ علویین

اس زمانہ کا ایک بہت ہی نازک اور مرکز توجہ مسئلہ بعض علوی سادات کی غیبت تھا۔ ان میں سے جس میں بھی ذاتی شرافت و شائستگی اور قیادت کی صلاحیت پائی جاتی تھی۔ قوم اسی کی طرف جھکتی اور ان کے دل اس کی طرف مائل ہوتے تھے خصوصاً یہ رجحان اس وقت اور زیادہ ہو جاتا تھا جب اس میں مہدی موعود کی کوئی علامت بھی ہوتی تھی۔ دوسری طرف خلافت کی مشنری جیسے ہی قوم کو کسی ایسے آدمی کی طرف بڑھتے دیکھتی تھی تو اس کے خوف وہراس میں اضافہ ہو جاتا تھا اور اس کے خفیہ و ظاہری کارندے اس شخص کی نگرانی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ لہٰذا وہ اپنی جان بچانے کیلئے خلافت کی مشنری سے روپوش ہو جاتا تھا، یعنی غیبت و پوشیدگی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ علوی سادات کا ایک گروہ ایک زمانہ تک غیبت کی زندگی گزارتا تھا۔ مثال کے طور پر ہم چند نمونے، ابو الفرج اصفہانی کی کتاب "مقاتل الطالبین" سے نقل کرتے ہیں:

---

1. تاریخ یعقوبی ج ۳ ص۱۲۲ طبع نجف ۱۳۸۴ھ

2. مقاتل الطالبین ص۱۴۳

منصور عباسی کے زمانۂ خلافت میں محمد بن عبد اللہ بن حسن اور ان کے بھائی ابراہیم غیبت کی زندگی بسر کرتے تھے، منصور بھی انھیں گرفتار کرنے کی بہت کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ اس مقصد میں کامیابی کے لئے اس نے بنی ہاشم کے بہت سے افراد کو گرفتار کیا اور ان سے کہا: محمد کو حاضر کرو اور ان بے گناہوں کو قیدخانہ میں لرزہ بر اندام سزائیں دیں۔[۱]"

"منصور کے زمانۂ خلافت میں عیسیٰ بن زید مخفی و روپوش تھے منصور نے انھیں گرفتار کرنے کی لاکھ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ منصور اور اس کے لڑکے نے بھی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔[۲]"

"معتصم اور واثق کے زمانۂ خلافت میں محمد بن قاسم علوی خلافت کی مشنری سے روپوش تھے۔ متوکل کے زمانہ میں گرفتار ہوئے اور قیدخانہ میں وفات پائی۔[۳]"

"رشید کے زمانہ خلافت میں یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن غائب تھے، لیکن رشید کے جاسوسوں نے انھیں تلاش کر لیا۔ ابتداء میں امان دی لیکن بعد میں گرفتار کر کے قیدخانہ میں ڈالدیا، اسی قیدخانہ میں بھوک اور اذیتوں کی تاب نہ لا کر دم توڑ دیا[۴]"

" مامون کے زمانۂ خلافت میں عبد اللہ بن موسیٰ غائب تھے اور اس سے

۱۔ مقاتل الطالبین ص۱۴۳ تا ص۱۵۴

۲۔ ، ، ص۲۷۹

۳۔ ، ، ص۳۹۲

۴۔ ، ، ص۳۰۸

مامون بہت خوف زدہ تھا[۱]

موسیٰ ہادی نے عمر بن خطّاب کی اولاد سے عبدالعزیز کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا، عبدالعزیز طالبیین سے بہت برے طریقہ اور سختی سے پیش آتا اور ان کے اعمال و حرکات پر سخت نظر رکھتا تھا۔ ایک روز ان سے کہا: تم ہر روز میرے پاس حاضری دیا کرو تاکہ تمہارے روپوش و غائب نہ ہونے کا مجھے علم رہے۔ ان سے عہد و پیمان لیا اور ایک کو دوسرے کا ضامن بنا دیا۔ مثلاً حسین بن علی اور یحییٰ بن عبداللہ کو حسن بن محمد بن عبداللہ بن حسن کا ضامن بنایا۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن علویین اس کے پاس گئے تو انھیں واپس لوٹنے کی اجازت نہ دی یہاں تک کہ جب نماز کا وقت آگیا، تو انھیں وضو کرنے اور نماز میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ نماز کے بعد اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ان سب کو قید کر لو۔ عصر کے وقت سب کی حاضری لی تو معلوم ہوا کہ حسن بن محمد بن عبداللہ بن حسن نہیں ہیں۔ پس ان کے ضامن حسین بن علی اور یحییٰ سے کہا: اگر حسن بن محمد تین دن تک میری خدمت میں شرف یاب نہ ہوئے یا انھوں نے خروج کیا یا غائب ہو گئے تو میں تمہیں قید خانے میں ڈال دوں گا۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ: یقیناً انھیں کوئی ضروری کام پیش آگیا ہوگا، اسی لئے نہیں آسکے ہم بھی انھیں حاضر کرنے سے قاصر ہیں۔ انصاف سے کام لو۔ تم جس طرح ہماری حاضری لیتے ہو اسی طرح عمر بن خطاب کے خاندان والوں کو بھی بلاؤ اس کے بعد ان کی حاضری لو اگر ان کے افراد ہم سے زیادہ غائب ہوئے تو ہمیں کوئی اعتراض

---

[۱] مقاتل الطالبیین ص ۴۱۵ - ۴۱۸

نہ ہوگا پھر ہمارے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرنا۔ لیکن حاکم ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوا اور قسم کھا کر کہا : اگر چوبیس ۲۴ گھنٹے کے اندر تم نے حسن کو حاضر نہ کیا تو تمہارے گھروں کو منہدم کرادونگا، آگ لگوادوں گا اور حسین بن علی کو ایک ہزار تازیانے لگاؤں گا[1]"

اس قسم کے حوادث سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں بعض علوی سادات غیبت و روپوشی کی زندگی گزارتے تھے اور یہ چیز اس زمانہ میں مرسوم تھی۔ چنانچہ جب ان میں سے کوئی غائب ہوتا تھا تو فریقین کی توجہ اسی کی طرف مبذول ہوجاتی تھی۔ ایک طرف قوم کی نگاہیں اس پر مرکوز ہوتی تھیں خصوصاً اس وقت جب غائب ہونے والے میں کوئی مہدی کی علامت ہوتی، اور وہ غیبت تھی۔ دوسری طرف خلافت کی مشنری اس سے خوف زدہ، مضطرب اور حساس ہوجاتی خصوصاً اس میں مہدی کی کوئی علامت دیکھتے اور یہ محسوس کرتے کہ لوگ اس کو احتمالی طور پر مہدی سمجھ رہے ہیں۔ ممکن ہے اس کی وجہ سے ایسا انقلاب و شورش برپا ہوجائے کہ جس کے کچلنے میں خلافت کی مشنری کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے۔

اب آپ بنی عباس کے انقلابی اور بحرانی حالات یعنی نقل احادیث اور کتابوں کی تالیف کے زمانہ کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں اور یہ انصاف کر سکتے ہیں کہ مولفین، علماء اور احادیث کے روات آزاد نہیں تھے کہ مہدی موعود سے متعلق خصوصاً مہدی کے قیام وغیبت سے مربوط احادیث کو اپنی کتابوں میں تحریر کرتے۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ

---

[1] مقاتل الطالبین ص ۲۹۴ - ۲۹۶

مہدویت کے مقابلہ میں، جو کہ اس زمانہ میں سیاسی مسئلہ بن چکا تھا، بنی عباس نے کوئی مداخلت نہیں کی ہوگی اور احادیث کے رواۃ کو آزاد چھوڑ دیا ہوگا کہ وہ مہدی منتظر اور ان کے قیام و غیبت سے مربوط احادیث کو، جو کہ سراسر ان کے ضرر میں تھیں، کتابوں میں درج کریں ؟

ممکن ہے آپ یہ خیال کریں کہ: خلفائے بنی عباس کم از کم اتنا تو جانتے ہی تھے کہ دانشوروں کو محدود رکھنے اور ان کے امور میں مداخلت کرنے میں معاشرہ کی بھلائی نہیں ہے۔ رواتِ احادیث اور علماء کو آزاد چھوڑ دینا چاہئے تاکہ وہ حقائق لکھیں اور بیان کریں اور لوگوں کو بیدار کریں۔ اس لئے میں خلفائے بنی امیہ و بنی عباس بلکہ ان سے پہلے خلفاء کی بے جا مداخلت کے چند نمونے پیش کرنے کیلئے مجبور ہوں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے:

خلفا کے زمانہ میں سلب آزادی

ابن عساکر نے عبد الرحمان بن عوف سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب نے اصحاب رسولؐ، جیسے عبد اللہ بن حذیفہ، ابو دردا، ابو ذر غفاری اور عقبہ بن عامر کو اسلامی شہروں سے طلب کیا اور سرزنش کرتے ہوئے کہا:

"پیغمبرؐ سے تم لوگ کیا کیا حدیثیں نقل کرتے اور لوگوں میں پھیلاتے ہو؟ اصحاب نے جواب دیا یقیناً آپ ہمیں حدیثیں بیان کرنے سے منع کرنا چاہتے ہیں ؟
عمر نے کہا: تم لوگ مدینہ سے باہر نہیں جا سکتے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھ سے دور نہیں ہو سکتے میں بہتر جانتا ہوں کہ کس حدیث کو قبول کرنا اور کس کو رد کرنا ہے۔ اصحاب رسولؐ عمر کی حیات تک ان کے پاس رہنے پر

مجبور ہوگئے[1]

معاویہ نے اپنے فرمانداروں کو حکم دیا کہ جو شخص بھی علی بن ابیطالب اور انکی اولاد کے فضائل کے بارے میں کوئی حدیث نقل کرتا ہے۔ اس کے لئے امان نہیں ہے[2]

محمد بن سعد اور ابن عساکر نے محمود بن عبید سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"میں نے عثمان بن عفان سے سنا کہ انہوں نے منبر کے اوپر سے کہا: کسی شخص کو ایسی حدیث نقل کرنے کا حق نہیں ہے جو کہ ابوبکر و عمر کے زمانہ میں نقل نہ ہوئی ہو۔[3]

معاویہ نے اپنے فرمانداروں کو لکھا: لوگوں کو صحابہ اور خلفا کے فضائل میں حدیثیں نقل کرنے کا حکم دو اور انھیں اس بات پر تیار کرو کہ جو احادیث حضرت علی بن ابیطالب کے فضائل کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ایسی ہی احادیث کو صحابہ کے بارے میں بیان کریں[4]

مامون نے ۲۱۸ھ میں عراق اور دوسرے شہروں کے علما و فقہا کو جمع کیا اور ان کے عقائد کے بارے میں بازپرس کی اور پوچھا کہ قرآن کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ اسے قدیم سمجھتے ہو یا حادث؟ پس جو لوگ قرآن کو قدیم مانتے تھے انھیں کافر قرار دیا اور شہروں میں لکھ کر بھیج دیا کہ ان کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ اس لئے تمام علما قرآن کے بارے میں مامون کے عقیدہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے لیکن چند افراد نے

---

[1] اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص۲۹

[2] نصائح الکافیہ مولفہ سید محمد بن عقیل طبع سوم ص۸۵

[3] اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص۳۰

[4] نصائح الکافیہ ص۸۵

قبول نہیں کیا۔[۱]

حجاز کے بڑے فقیہ مالک بن انس نے مدینہ کے گورنر جعفر بن سلیمان کے مزاج کے خلاف ایک فتویٰ دیدیا۔ حاکم نے انھیں بہت ہی رسوائی کے ساتھ طلب کیا اور ستر تازیانے لگانے کا حکم دیا، جس سے وہ ایک مدت تک بستر سے نہ اٹھ سکے۔

بعد میں منصور نے مالک کو طلب کیا ابتدائے گفتگو میں جعفر بن سلیمان کے تازیانہ لگانے پر اظہارِ افسوس کیا اور معذرت چاہی، اس کے بعد کہا: فقہ وحدیث کے موضوع پر آپ ایک کتاب تالیف کیجئے لیکن اس میں عبداللہ بن عمر کی دشوار، عبداللہ بن عباس کی سہل وآسان اور ابن مسعود کی نتا ذحدیثیں جمع نہ کیجئے۔ صرف ان مطالب کو جمع کیجئے جن پر صحابہ کا اتفاق ہے۔ جلد لکھئے تاکہ ہم اسے تمام شہروں میں بھیجدیں اور لوگوں کے لئے اس پر عمل کرنے کو لازم قرار دیدیں۔ مالک کہتے ہیں فقہ وعلوم کے سلسلے میں عراقیوں کا دوسرا عقیدہ ہے وہ ہماری باتوں کو قبول نہیں کریں گے، منصور نے کہا: آپ کتاب لکھئے ہم اس پر عراق کے لوگوں سے بھی عمل کرائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں گے تو ہم ان کی گردن ماردیں گے اور تازیانوں سے بدن کو سیاہ کردیں گے۔ کتاب کی تالیف میں جلد کیجئے، سال آئندہ میں اپنے بیٹے مہدی کو کتاب لینے کے لئے آپ کے پاس بھیجوں گا۔[۲]

معتصم عباسی نے احمد بن حنبل کو بلایا اور قرآن کے مخلوق ہونے کے سلسلے میں ان کا امتحان لیا اور اسّی کوڑے لگانے کا حکم دیا۔[۳]

۱؎ تاریخ یعقوبی ج ۳ ص۲۰۲ ۲؎ الامامہ والسیاسۃ ج ۲ ص۱۷۹ و ۱۸۰

۳؎ ،، ،، ،، ص۲۰۶

منصور نے ابو حنیفہ کو بغداد بلا کر زہر دیا۔[1]

ہارون رشید نے عباد بن عوام کے گھر کو ویران کر دیا اور احادیث نقل کرنے سے منع کر دیا۔[2]

خالد بن احمد" بخارا" کے گورنر نے محمد بن اسماعیل بخاری، ایسے عظیم محدث سے کہا: اپنی کتاب مجھے پڑھکر سناؤ۔ بخاری نے اس سے انکار کیا اور کہا: اگر یہی بات ہے تو مجھے نقل احادیث سے منع کر دو تاکہ خدا کے نزدیک معذور ہو جاؤں۔ اس بنا پر بخاری ایسے عالم کو جلاوطن کر دیا۔ وہ سمرقند کے دیہات خرتنگ چلے گئے اور آخری عمر تک وہیں اقامت گزیں رہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے بخاری سے سنا کہ وہ نماز تہجد کے بعد خدا سے مناجات کرتے اور کہتے تھے: اے اللہ اگر زمین میرے لئے تنگ ہوگئی ہے تو مجھے موت دیدے چنانچہ اسی مہینے میں ان کا انتقال ہو گیا۔[3]

جب نسائی نے حضرت علی بن ابیطالب کے فضائل جمع کر کے اپنی کتاب خصائص تالیف کی تو لوگوں نے انھیں دمشق بلایا اور کہا: ایسی ہی ایک کتاب معاویہ کے فضائل کے سلسلے میں تالیف کرو، نسائی نے کہا: مجھے معاویہ کی کسی فضیلت کا علم نہیں ہے، صرف اتنا جانتا ہوں کہ پیغمبرؐ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ: خدا کبھی معاویہ کو شکم سیر نہ کرے۔ یہ سنکر لوگوں نے اس عالم کو جوتوں سے مارا اور ان کی خصیوں کو

۱۔ مقاتل ص۲۹۴

۲۔ ،، ص۲۴۱

۳۔ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۳

اتنا دبایا کہ مر گئے۔[۱]

فیصلہ

خلفا کے بحرانی اور انقلابی حالات، مسئلۂ مہدویت خصوصاً موضوع غیبت و قیام، جو کہ مکمل طور پر سیاسی بن گیا تھا اور عام لوگ اس کی طرف متوجہ تھے، اس سے فائدہ اٹھایا جا رہا تھا، رواتِ احادیث اور صاحبانِ قلم پر پابندیاں عائد تھیں۔ ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کیجیے: کیا صاحبانِ قلم، رواتِ احادیث مہدی موعود، آپ کے علائم و آثار اور غیبت و قیام سے متعلق احادیث نقل کر سکتے تھے؟ کیا خلفائے وقت نے لکھنے والوں کو اتنی آزادی دے رکھی تھی کہ انہوں نے جو کچھ سنا یا پڑھا ہے اس کی روایت کریں اور اپنی کتابوں میں لکھیں؟ یہاں تک ان احادیث کو بھی قلم بند کریں جو خلافت کے لئے خطرہ کا باعث اور سیاسی رنگ میں رنگی ہوں!

کیا مالک بن انس اور ابو حنیفہ اپنی ان کتابوں میں جو کہ منصور عباسی کے حکم سے تالیف ہوئی تھیں مہدویت اور علویین کی غیبت سے متعلق احادیث نقل کر سکتے تھے؟ جبکہ اسی زمانہ میں محمد بن عبد اللہ بن حسن اور ان کے بھائی ابراہیم غائب تھے اور بہت سے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ محمد ہی مہدی موعود ہیں جو کہ قیام کریں گے، ظلم و ستم کا قلع قمع کریں گے اور دنیا کی اصلاح کریں گے! باوجودیکہ غیبت اور محمد کے قیام سے منصور بھی خوف زدہ تھا اور انھیں گرفتار کرنے کے لئے علویوں کے ایک بے گناہ گروہ کو قیدی بنا

---

[۱] نصائح الکافیہ ص۱۰۹

رکھا تھا۔ کیا اسی منصور نے ابو حنیفہ کو زہر نہیں دیا تھا؟ کیا اس کے گورنر جعفر بن سلیمان نے مالک بن انسؒ کو کوڑے نہیں لگوائے تھے؟

کیا اسی منصور نے جب مالک بن انس کو کتاب تالیف کرنے کا حکم دیا تھا تو ان کے کام میں مداخلت نہیں کی تھی اور صریح طور پر یہ نہیں کہا تھا کہ اس کتاب میں عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ اور ابن مسعود کی حدیثیں نقل نہ کرنا؟ اور جب مالک نے یہ کہا: عراق والوں کے پاس بھی علوم و احادیث ہیں ممکن ہے وہ ہماری احادیث کو قبول نہ کریں۔ منصور نے کہا: ہم آپ کی کتاب پر نیزوں کی انی اور تازیانوں کے زور سے عمل کرائیں گے؟! کیا منصور سے کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ لوگوں کے دینی امور میں تمہیں مداخلت کا کیا حق ہے؟ تمہیں کیسے معلوم کہ عراق والوں کے علوم و احادیث باطل ہیں؟ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ابن مسعود کا کیا جرم ہے جو تم ان کی احادیث قبول نہیں کرتے؟

تدوین احادیث کے سلسلہ میں منصور جیسے لوگوں نے جو بے جا مداخلت کی ہے میں اس کا صحیح محل تلاش نہیں کر سکتا۔ بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ابن مسعود کی احادیث خلافت کی مشنری کے موافق نہیں تھیں اس لئے ان کے نقل کرنے میں قدغن تھی۔ مالک کے بارے میں لکھتے ہیں ایک لاکھ احادیث سنی تھیں لیکن "موطا" میں پانچ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔[1]

کیا معتصم سے کوڑے کھانے والے احمد بن حنبل، جلا وطن ہونے والے بخاری اور زد و کوب میں جان دینے والے نسائی اپنی کتابوں میں ایسی احادیث لکھ سکے ہیں جو علویوں

---

[1] اضواء ص۲۷۱

کے موافق اور دربار خلافت کے مخالف تھیں ؟

نتیجہ

گزشتہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے، چونکہ احادیث مہدویت خصوصاً غیبت و قیام سے متعلق احادیث سیاسی صورت حال اختیار کر چکی تھیں اور خلافت کی مشنری کے ضرر اور اس کے مخالف یعنی علویوں کے حق میں تھیں ۔ اس لئے علمائے اہل سنّت پابندی کی وجہ سے انھیں اپنی کتابوں میں درج نہیں کر سکے اور اگر لکھی ہوں گی تو انھیں ظالم سیاستمداروں نے محو کر دیا ہے ۔ شاید ابہام و اجمال کی صورت میں وجود مہدی اس لئے حوادث کی دستبرد سے محفوظ رہ گیا کہ حکومت کو اس سے کوئی ضرر نہیں تھا ۔ لیکن مہدی موعود کے مکمل آثار و علائم اور احادیث کو اہل بیتِ رسولؐ اور ائمہ اطہار نے ، جو کہ علوم پیغمبرؐ کے محافظ تھے ، محفوظ رکھا اور وہ آج تک شیعوں کے درمیان باقی ہیں ۔

اس کے باوجود اہل سنّت کی کتابیں غیبت کے موضوع سے خالی نہیں ہیں ۔ مثلاً ایک روز حذیفہ کے سامنے کہا گیا : مہدی نے خروج کیا ہے ۔ حذیفہ نے کہا : اگر مہدی نے ظہور کیا ہے تو یہ تمہارے لئے بڑی خوش قسمتی کی بات ہے جبکہ ابھی اصحاب پیغمبرؐ زندہ ہیں لیکن ایسا نہیں ہے مہدی اس وقت تک خروج نہیں کریں گے جب تک لوگوں کے نزدیک مہدی سے زیادہ کوئی غائب محبوب نہ ہو۔[1]

یہاں حذیفہ نے موضوع غیبت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ حذیفہ حوادثِ زمانہ اور

---

[1] الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۵۹

اسرار پیغمبرؐ سے واقف و آگاہ ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں: میں مستقبل کے حوادث اور فتنوں کو تمام لوگوں سے بہتر جانتا ہوں۔ اگرچہ ان چیزوں کو رسولؐ نے ایک مجلس میں بیان کیا تھا۔ لیکن حاضرین میں سے اب میرے سوا کوئی باقی نہیں ہے[1]

جلالی : امام غائب کتنے سال زندہ رہیں گے؟

ہوشیار : آپؑ کی زندگی اور عمر کی مقدار معین نہیں ہوئی ہے لیکن اہل بیت کی احادیث طویل العمر قرار دیتی ہیں مثلاً امام حسن عسکریؑ نے فرمایا:

"میرے بعد میرا بیٹا قائم ہے اس میں پیغمبروں کی دو خصوصیتیں یہ بھی ہوں گی کہ وہ عمر دراز ہوں گے اور غیبت اختیار کریں گے۔ ان کی طولانی غیبت سے دل تاریک اور سخت ہو جائیں گے، آپؑ کے عقیدہ پر وہی لوگ باقی و قائم رہیں گے کہ خدا جن کے دلوں میں ایمان استوار رکھے گا اور غیبی روح کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا۔[2]" اس سلسلہ میں ۴۶ حدیثیں اور ہیں۔

ڈاکٹر : امام زمانہ سے متعلق ابھی تک آپ نے جو باتیں بیان فرمائی ہیں وہ سب مستدل اور قابل توجہ ہیں۔ لیکن ایک اہم اعتراض، کہ جس نے میرے اور تمام احباب کے ذہن کو ماؤف کر رکھا ہے اور ابھی تک امام غائب کے وجود کے سلسلے میں متردد ہیں وہ طول عمر ہے۔ علما اور تعلیم یافتہ طبقہ ایسی غیر طبیعی عمر کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ بدن کے خلیوں کی عمر محدود ہے۔ بدن کے اعضاء رئیسہ "قلب" "مغز" پھیپھڑے اور "جگر"

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۹

[2] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۲۲۴

کام کرنے کیلئے معین استعداد کے حامل ہیں۔ میں اس بات کو قبول نہیں کر سکتا کہ ایک طبیعی انسان کا قلب ہزار سال سے زیادہ کام کر سکتا ہے۔ صریح طور پر عرض کروں : ایسے موضوعات اس علمی زمانہ میں کہ جس میں فضا کو مسخر کر لیا گیا ہے، دنیا والوں کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا

ھوشیار : ڈاکٹر صاحب! مجھے بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت ولی عصر کی طول عمر کا مسئلہ مشکل مسائل میں ایک ہے۔ میں بھی علم طب و علم الحیات سے ناواقف ہوں لیکن حق بات قبول کرنے کے لئے تیار ہوں، حضور ہی طول عمر سے متعلق اپنی قیمتی معلومات سے نوازیں۔

ڈاکٹر : مجھے بھی اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ میری علمی اطلاعات بھی اتنی نہیں ہیں جو کہ ہماری بنیادی مشکل کو حل کر سکیں۔ اس بنا پر ہمیں کسی سائنسداں کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام اصفہان کی میڈیکل کالج کے پروفیسر ڈاکٹر نفیسی کے ذمہ کیا جائے اور ان کے علم سے استفادہ کیا جائے، کیونکہ موصوف کلاسیکی تعلیم کے علاوہ محقق بھی ہیں اور ایسے مطالب سے دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔

ھوشیار : کوئی حرج نہیں ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ سوالات لکھتا ہوں اور بذریعہ خط ڈاکٹر نفیسی صاحب کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں اور جواب کا تقاضا کرتا ہوں۔ بہتر ہے کہ جلسہ کو ملتوی کر دیا جائے ہو سکتا ہے اس مدت میں طول عمر کے موضوع پر ہم تحقیق کریں اور کامل بصیرت کے ساتھ بحث میں وارد ہوں ڈاکٹر نفیسی کا جواب موصول ہونے کے بعد جلالی صاحب آپ کو فون کے ذریعہ اطلاع دیں گے۔

طول عمر کے سلسلہ میں تحقیق

ایک ماہ تک تقریباً جلسہ ملتوی رہا یہاں تک جلالی صاحب نے احباب کو فون پر اطلاع دی چنانچہ ہفتہ کی شب میں سب ان کے گھر میں جمع ہوئے۔ معمولی ضیافت کے بعد جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی۔

ھوشیار : خوش قسمتی سے ڈاکٹر نفیسی صاحب کا جواب آگیا ہے انکی ذرہ نوازی کے شکریہ کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے اس خط کے متن کی پڑھنے کی خواہش کرتا ہوں۔

ڈاکٹر : کوئی حرج نہیں ہے۔

محترم جناب ... خط ملا اظہار محبت اور ذرہ نوازی کا شکریہ جو مطالب آپ نے تحریر کئے ہیں، اگرچہ میری مشغولیتیں بہت زیادہ ہیں، لیکن مطالعہ، خصوصاً طبیعی، آفاقی و انفسی مسائل میں تحقیق سے مجھے دلچسپی ہے اس لئے فراغت کے اوقات میں جناب عالی کے سوالات کے جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں۔ اُمید ہے وہ عقیدت مندوں کو پسند آئیں گے۔

کیا انسان کی عمر کی حد معیّن ہے؟

ھوشیار : کیا علم طب و علم الحیات میں انسان کی حیات کی کوئی حد معین

ہوئی ہے کہ جس سے آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے ؟

ڈاکٹر نفیسی : انسان کی زندگی کیلئے ایسی کوئی حد معین نہیں ہے کہ جس سے تجاوز محال ہو لیکن نوع انسان کی طویل ترین عمر حسب معمول سو سال سے زیادہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان زمانوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے جو مدون تاریخ میں موجود ہیں۔ لیکن، ممالک، آب و ہوا، نسل و میراث اور زندگی کی نوعیت کے لحاظ سے عمر کا اوسط مختلف ہے اور زمانہ میں متفاوت ہوتا ہے۔ جیساکہ آخری صدی میں عمر کے اوسط میں نمایاں فرق آیا ہے۔ مثلاً برطانیہ میں ۱۸۳۸ء سے ۱۸۵۴ء مردوں کی عمر کا اوسط ۳۹/۹۱ اور عورتوں کی عمر کا اوسط ۴۱/۸۵ تھا لیکن ۱۹۳۷ء میں مردوں کی عمر کا ۶۰/۱۸ اور عورتوں کی عمر کا اوسط ۶۴/۴۰ تھا۔

۱۹۰۱ء میں امریکہ میں مردوں کی عمر کا اوسط ۴۸/۲۳ اور عورتوں کا ۵۱/۸۰ سال تھا جبکہ ۱۹۴۷ء میں مردوں کی عمر کے اوسط میں ۶۳/۵۰ اور عورتوں کی عمر کے اوسط میں ۶۸/۹۵ تک اضافہ ہوا ہے۔ یہ اضافہ بچوں کو شامل ہے اور یہ طبی حالت کی بہتری اور بیماریوں کی خصوصاً متعدی بیماریوں کے سدباب کا مرہون منت ہے لیکن بڑھاپے کی بیماریوں میں، کہ جن کو استحالہ بھی کہتے ہیں، جیسے شرایین کا سخت ہونے کے، علاج و دوا میں کوئی بہتری نہیں ہوتی ہے۔

ھوشیار : کیا زندہ موجودات کی حیات کی تعیین کیلئے کوئی قاعدہ اور معیار ہے؟

ڈاکٹر نفیسی : عام خیال یہ ہے کہ بدن کے حجم اور مدتِ عمر کے درمیان ایک نسبت برقرار ہے۔ مثلاً جلد ختم ہونے والی عمر، پروانہ، پشہ اور کچھوے کی زندگی قابل توجہ

ہے لیکن یاد رہے یہ نسبت ہمیشہ ثابت نہیں رہتی ہے کیونکہ طوطا، کوّا اور غاز اکثر اپنے سے بڑے پرندوں یہاں تک کہ اکثر دودھ پلانے والے جانوروں سے بھی زیادہ طویل زندگی گزارتے ہیں۔

بعض مچھلیاں جیسے "سالموں" سوسال، کریپ ایک سو پچاس اور پیک دو سو سال تک زندہ رہتی ہیں ان کے مقابلہ میں گھوڑے کو دیکھئے کہ تیس سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتے

ارسطو کے زمانہ میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ہر موجود کی زندگی کی مدت کو اس کے رشد و نمو کے زمانہ کی ضرب سے نکالا جاسکتا ہے۔ اس ضرب کی تشکل کو "فرانسیس بیکن" نے حیوانات میں چالیس گن اور "فلورنس" نے پانچ گنا کو اس حیوان کے بلوغ کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔

"بوفن" اور "فلوارنس" نے انسان کی طبیعی عمر سوسال قرار دی ہے اور اب بھی عام خیال یہی ہے جبکہ داؤد پیغمبر نے عمر طبیعی ستر سال قرار دی ہے۔

اس کے دوران بہت سے ایسے سن رسیدہ اور طویل العمر افراد کے بارے میں رپورٹ دی ہے کہ جن کی عمر سو سال سے زائد تھی اگرچہ عمر کی تعیین اور تخمینہ میں مبالغہ اور اغراق کا امکان ہے۔

منجملہ ان معمرین کے ہانری چنکینیز ۱۶۹، تماس پارن، ۲۰۷ سال، کاترین کنتس ڈسمونڈ ۱۴۰ سال کے تھے اس کے علاوہ بھی ایران اور دیگر ممالک کے اخباروں میں دوسرے افراد کے نام ملتے ہیں۔

طولِ عمر کے اسباب

ھوشیار: طول عمر میں کونسے عوامل مؤثر ہیں؟

ڈاکٹر : طول عمر کے عوامل درج ذیل ہیں :

موروثی عامل : طول عمر میں موروثی عامل کی اہمیت واثر واضح ہے ۔ ایسے خاندان بھی پائے جاتے ہیں کہ جس کے افراد کی عمر کا اوسط عام طور پر زیادہ ہے مگر یہ کہ ان میں سے کوئی حادثاتی طور پر مر جائے ۔

اس سلسلے میں جو دلچسپ اور تحقیقی مطالعات ہوئے ہیں ان میں سے ایک "ریمونڈ پیبرل" کا مطالعہ ہے ۔ اس نے اپنی بیٹی کے تعاون سے ایک کتاب تالیف کی اور اس میں ایک خاندان کی طویل العمری، جس میں ایک فرد کی سات پشتوں، دادا، پردادا، نواسہ، نواسہ کی اولاد اور موخر الذکر کی اولاد کی اولاد ـــــ کی مجموعی عمر ۶۹۹ سال ہوتی ہے جبکہ اس خاندان کے دو اشخاص حادثہ میں مر گئے تھے ۔ بیمہ کمپنیوں کی تحقیق سے جو نئی شرح "لوئی ددبلین" اور ہربرٹ مارکس" نے پیش کی ہے اس میں انہوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ اسلاف کی درازیٔ عمر اخلاف کی عمر پر اثر انداز ہوتی ہے ۔

ممکن ہے یہ عامل کبھی دیگر عوامل جیسے ماحول اور بری عادت وغیرہ کے اثر کو ختم کر دے ۔ چنانچہ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ نامساعد حالات میں بعض افراد کی طول عمر کا یہی راز ہے ۔ مثلاً ممکن ہے ایک شخص الکحل پیتا ہے لیکن موروثی عامل کی بنا پر طویل عمر پاتا ہے ۔

اولاد، ماں باپ سے اعضاء سالم و طاقت ور قوا میراث میں پاتے ہیں جو کہ طول عمر میں موثر ہیں اور میراث ملنے والی درجہ اول کی چیزوں میں اعصاب کی مشنری اور خون کی گردش کا نام پیش کیا جا سکتا ہے ۔ انسان کی عمر کا اس کے شرائین کی رو سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے یعنی بعض لوگوں کی سرخ رگیں بڑھاپے کی عمر سے پہلے ہی سخت

ہوجاتی ہیں۔ اور ایسے بہت سے خاندان ہیں کہ جن کے افراد نوّے سال کی عمر سے پہلے ہی، قلب یا مغز کے سکتہ کی بنا پر مرجاتے ہیں۔ واضح ہے کہ اس سکتہ کی وجہ شرائین کی سختی اور ان چھلنی ہوجاتی ہے۔

دوسرا عامل، ماحول ہے: جس ماحول کی ہوا معتدل، صاف، جراثیم اور زہر سے پاک، شور و ہنگامہ سے خالی، سکون سے مالا مال اور سورج کی شعاعوں کا مرکز ہوگی اس کے باشندوں کی عمر دراز ہوگی۔

تیسرا عامل، شغل کی نوعیت اور کام کی مقدار ہے۔ کام میں جد وجہد خصوصاً روحی و عصبی فعالیت درازئ عمر میں بہت موثر ہے، جب بدن سالم اور ذہن آزاد ہو تو بدن اور روح کو بے کاری سے جو زنگ لگتا ہے وہ بدن و روح کی پُر کاری کے نتیجہ کی فرسودگی سے زیادہ ہوتا ہے اور اس سے عمر میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے طویل عمر لوگوں کی، وزیر اعظم اور پادریوں کی عمر معمولی افراد سے زیادہ ہے۔ یہ عمر طویل ان کی سعی پیہم کا نتیجہ ہے اور اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جوانی کے عالم میں ریٹائرڈمنٹ لے لینے اور جلد بیکار بیٹھنے سے بہت سے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں اور اس سے عمر کم ہوتی ہے۔

چوتھا عامل، غذا کی کیفیت ہے۔ غذا بھی مقدار اور نوعیت کے اعتبار سے درازی عمر پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔ جن لوگوں کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی ہے ان میں سے اکثر کم خوراک تھے، خشک خوراکی کیلئے بہت سی ضرب المثل کہی گئی ہیں، مونتین کہتا ہے: "انسان مرتا نہیں بلکہ خودکشی کرتا ہے۔ دوسری ضرب المثل کہتا ہے: تم اپنے دانتوں سے اپنی قبر کھودتے ہو۔ زیادہ کھانے سے جہاں بدن کی مختلف مشنریو کی فعالیت بڑھ جاتی ہے وہاں بہت سی بیماریاں جیسے شکر کی بیماری، رگوں، قلب اور

پھیپھڑوں کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے افسوس ہے کہ ایسے افراد کی بدنی طاقت بیماری کے ظاہر ہونے سے قبل بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ اس جھوٹی طاقت پر فخر بھی کرتے ہیں ۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ بعض ممالک میں شکر کے مرض میں مرنے والوں کی تعداد میں کافی کمی واقع ہوئی ۔ اس کی علت جنگ کے زمانہ میں غذا کی کمیابی کو سمجھنا چاہئے ۔ اس بنا پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ فقر ا بہت بڑا عطیہ ہے جو غذا کو معتدل اور اس میں کمی واقع کر دے ۔ اور زیادہ گوشت کھانا، خصوصاً چالیس سال کی عمر کے بعد بہت نقصان دہ ہے ۔

کورنل نیویارک یونیورسٹی میں ڈاکٹر MCCAY نے چوہوں پر ریسرچ کی ہے اس میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ لاغر چوہے موٹے چوہوں کو قبر میں پہنچاتے ہیں ۔ عام طور پر چوہے چار ماہ میں کامل و بالغ اور دو سال میں بوڑھے ہو جاتے ہیں اور تین سال سے پہلے مر جاتے ہیں ۔ ڈاکٹر MCCAY نے کچھ چوہے لئے اور انھیں کم کیلری والی غذا میں پالا لیکن وٹامن اور معدنی مواد کے لحاظ سے یہ غذا قوی تھی ۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان چوہوں کا رشد چار ماہ کے علاوہ ہزار دن تک جاری رہ سکتا ہے ۔ ان تجربوں میں اس نے مشاہدہ کیا کہ جن چوہوں نے معمولی غذا میں زندگی گزاری ہے وہ ۹۶۵ دن کے بعد مرے ہیں لیکن جن چوہوں کو کم کیلری والی غذا میں پالا تھا وہ اس کے بعد تک جوان و زندہ رہے اگر ہم کم غذا کھانے والے چوہوں کا انسان سے موازنہ کریں تو انہوں نے نوع انسانی کی اس فرد کی، جو کہ سو سے ایک سو پچاس سال تک زندہ رہتا ہے، زندگی گزاری ہے ۔ اس کے علاوہ یہ چوہے بہت کم بیمار ہوئے اور معمولی غذا میں زندہ رہنے والے چوہوں سے زیادہ چالاک تھے ایسے

ہی تجربے کچھ مچھلیوں اور دیگر حیوانات پر RMPHIBIEN نے کئے ہیں اور اسی نتیجہ پر پہنچا ہے جیساکہ پرخوری سے عمر کم ہوتی ہے اسی طرح غذا کی کمی بھی مرض کے پیدا ہونے اور عمر گھٹانے کے سلسلے میں گہرا اثر رکھتی ہے یعنی اگر غذائی نظام میں ضروری مواد نہیں ہو تو امراض کو وجود میں لائے گی۔

ضعیفی اور اس کے اسباب

ھوشیار : ضعیفی کیا ہے؟

ڈاکٹر : جس وقت بدن کے اعضاء رئیسہ، جیسے قلب، پھیپھڑے، جگر، مغز اور داخلی غدود فرسودہ ہوکر اپنے فرائض کی انجام دہی سے معذور ہو جاتے ہیں۔ خون کے تصفیہ اور ضروری ترشحات سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بدن پر ضعف و ناتوانی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور بڑھاپا آجاتا ہے۔

ھوشیار : بڑھاپے کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟

ڈاکٹر : بڑھاپے کی علامتیں عام طور پر کسی بھی شخص میں معین وقت پر ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بھی مسلّم نہیں ہے کہ بڑھاپے کی اصل وجہ عمر کی یہی مقدار نہیں ہے کہ بدن کے اعضاء پر اتنی مدت گزر جائے تو بڑھاپا آجاتا ہے بلکہ ضعیفی کی بنیادی علت اختلال کی پیدائش کو قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ اختلال عام طور پر اسی عمر میں پیدا ہوتا ہے اس بنا پر ضعیفی کی علت مرور زمان نہیں ہے بلکہ اس کی اصل علت اختلال ہے جو کہ اسی عمر میں اعضاء بدن میں پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی عمر میں بدن کی مختلف مشنریوں کی فعالیت میں کمی واقع ہوتی ہے اور تشریح الاعضاء کے نقطہ نظر سے ان کی مختلف

ضعیف سکڑ جاتی ہیں۔ ان کی رگوں کی تعداد بھی کم ہو جاتی ہے، نظام ہاضمہ بیکار اور ضروری غذائیں فراہم کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے اور نتیجہ میں پورے بدن پر ضعف طاری ہو جاتا ہے، طاقتِ تناسل کم اور مغز کی حرکت مدہم پڑ جاتی ہے۔ بعض اشخاص کا حافظہ خصوصاً اسماء کے سلسلہ میں بے کار ہو جاتا ہے، نیز قوت ارادی متاثر ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ بدنی قوت کے کم ہونے سے روحانی طاقت میں اضافہ ہو جائے۔ ممکن ہے تمام اعضاء بدن کی طرح داخلی مترشح غدود بھی چھوٹے اور ضروری ترشحات سے معذور ہو جائیں۔ لیکن مذکورہ حوادث اور ناتوانیاں بدن میں واقع ہونے والے اختلال کی پیداوار ہیں۔ پس یہ کہنا چاہئے کہ ضعیفی علت نہیں ہے بلکہ معلول ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایسا پایا جائے کہ جس کے اعضاء بدن میں طویل عمر کے باوجود اختلال پیدا نہیں ہوا ہے تو وہ سالم و شاداب بدن کے ساتھ عرصہ دراز تک زندہ رہ سکتا ہے جیسا کہ ایسے افراد بھی مشاہدہ کئے جاتے ہیں کہ جو کم عمری کے باوجود طبعی حالات کے تحت جلد فرسودہ ہو جاتے ہیں اور جلد ان پر بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔

ہوشیار : بدنی ضرورتوں کو منظم کرنے والی مشنریوں کی فرسودگی اور ناتوانی کا سرچشمہ کیا ہے؟

ڈاکٹر : پیدائش کے وقت ہر شخص کے اعضاء بدن کام کرنے کی صلاحیت و استعداد سے مالا مال ہوتے ہیں اور خود والدین کے جسم، غذا کی کیفیت، ان کی زندگی کے ماحول اور آب و ہوا کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب تک ان کے اعضاء میں کوئی اختلال پیدا نہ ہوگا تو وہ اپنی طبیعی استعداد کے اختتام تک اپنا کام جاری رکھیں گے اور انسان زندہ رہے گا۔ لیکن جب تمام اعضاء یا

ان میں سے ایک میں کوئی خلل پیدا ہو جائے گا تو وہ بے کار ہو جائے گا اور بدن کا کارخانہ نصف کام انجام دے گا اور ضعیفی کے آثار آشکار ہو جائیں گے۔

مختصر یہ کہ انسان کا بدن مستقل مختلف اقسام کے وائرس، بیکٹیریا، جراثیم اور زہریلی چیزوں کی زد میں رہتا ہے جو مختلف طریقوں سے اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور بدن کے اندر زہریلا مواد ترشح کرتے ہیں اور بے گناہ خلیوں کو نقصان پہنچاتے ہوئے ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

اس وقت انسان کے بدن پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ایک طرف اسے غذائی ضرورت کو پورا کرتا ہے، اور دوسری طرف متعدی بیماریوں اور ضرر رساں جراثیموں کو نابود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خراب اعضاء میں ترمیم اور زہریلے مواد کو دفع کرنے کے لئے فعالیت اور ناتواں اعضاء کو مدد دیتا ہے۔ لیکن ابھی اس دشمن کے حملہ کو ناکام نہیں بنا پاتا کہ دوسرا دشمن حملہ آور ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بدن کی داخلی طاقت کو ہمیشہ آمادہ — اٹینشن — اور جنگ کے لئے تیار، رکھتا ہے۔

انسان کا بدن مبارزہ کے وسائل اور رزق فراہم کرنے کے لئے مجبور ہے۔ باہر سے وارد ہونے والی غذائی طاقت سے مدد حاصل کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمیں وجودی تعمیر اور اپنی درونی احتیاجات کے بارے میں کافی معلومات نہیں ہیں۔ اور اس مقدس جہاد میں صرف اس کی مدد ہی نہیں کرتے بلکہ جہالت و نادانی کی بنا پر اس کے دشمن کی مدد کرتے ہیں اور مضر غذا کھا کر دشمن کے لئے راستہ کھولتے اور اپنی حیات کی جڑیں کاٹتے ہیں۔ واضح ہے کہ جب اپنی ضرورت کی چیزوں کو باہر سے حاصل نہیں کیا جائے گا، تو جراثیموں کے حملہ کے مقابلہ میں مقاومت نہیں کر سکیں گے اور اپنے فرائض کی انجام دہی سے

عاجز ہو جائیں گے، سرزمین بدن کو دشمنوں کے حملہ سے بچانے کیلئے کوئی طاقت نہ ہوگی اور اس میں ضعف و ناتوانی کے آثار نمایاں ہو جائیں گے۔

جیسا کہ کبھی بدن زیادہ محنت و مشقت کی وجہ سے ضعیف ہو جاتا ہے، کبھی غیر معمولی حوادث کی وجہ سے طبعی عمر سے پہلے ہی بلاء میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس پر بہت جلد بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔ بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ بعض بیماریوں اور بری عادتوں سے انسان پر جلد بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔ "مچنیکوف" کا نظریہ ہے ROTRTIK اور خشکی کے خمیر سے جو زہریلے جراثیم وجود میں آتے ہیں وہ بھی انسان کے ضعف و بڑھاپے کا باعث ہوتے ہیں اگر ان کو ختم کر دیا جائے تو اس کی عمر میں اضافہ ہو جائے گا۔

اس نظریہ کی بنیاد اس تجربہ پر استوار تھی چونکہ، بالکان خصوصاً بلغارستان ترکی اور قفقاز میں سو سال سے زیادہ بوڑھوں کی تعداد اچھی خاصی ہے، لہٰذا اس عمر درازی کی علت دہی کے استعمال کو قرار دیا، اس کا نظریہ تھا کہ دہی میں چونکہ کھٹاس ہوتا ہے جو کہ ROTROIK کو ختم کر دیتا ہے اور طول عمر میں معاون ہوتا ہے۔

لیکن واضح ہے کہ ان کوہ نشین لوگوں کی طول عمر کا راز ان کی غذا ہی نہیں ہے بلکہ آب و ہوا، پرسکون زندگی، مستقل جدوجہد اور موروثی عوامل کم و بیش سب ہی اس میں دخیل ہیں۔ ان مشاہدات کی نظیر ایران کے کوہ نشین انسانوں میں بھی موجود ہے۔

ھوشیار: کیا موت اور کارخانۂ بدن کے بیکار ہونے کی اصل علت طول عمر اور اعضاء کے کام کی کثرت ہے کہ جس سے بڑھاپے میں موت یقینی ہے یا موت کی بنیادی علت کوئی اور چیز ہے؟

ڈاکٹر: موت کی اصلی علت بدن کے تمام اعضاء رئیسہ یا ان میں سے

ایک میں خلل کا پیدا ہونا ہے جب تک خلل پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک موت واقع نہیں ہوگی۔ یہ خلل اگر ضعیفی کے زمانہ سے قبل پیدا ہوجاتا ہے تو جوان انسان بھی مرجاتا ہے لیکن اگر حوادث کی گزند سے محفوظ رہے کہ عام طور پر ضعیفی کے زمانہ میں ان حوادث کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی ممتاز انسان پایا جائے جس نے طویل عمر پائی ہو تو اپنے جسم کی مخصوص ترکیب اور تمام شرائط کی موجودگی کی بنا پر اس کے کسی بھی عضو میں خلل پیدا ہوا ہو تو طول عمر اس کی موت کا باعث نہ ہوگی۔

ھوشیار : کیا مستقبل میں انسان ایسی دوا کے انکشاف میں کامیاب ہوسکتا ہے کہ جس سے وہ اپنے بدن کی استعداد میں اضافہ کرسکے اور ضعیفی اور جسمانی خلل کو روک سکے؟

ڈاکٹر : یہ ایسا موضوع ہے جو ممکن ہے اسے آج ناقص علم سے اور قیاس کی روسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ اس سلسلے میں سائنسداں اُمید اور سنجیدگی کے ساتھ تحقیق میں مشغول تھے اور ہیں، امید ہے کہ طول عمر کا راز جلد ہی کشف ہوجائے گا اور انسان ضعیفی اور کم عمری پر غلبہ پائے گا۔

صاحب الامر کی طویل عمر

ھوشیار : جیساکہ آپ جانتے ہیں کہ شیعہ، مہدی موعود بن حسن عسکری کو، جوکہ ۲۵۵ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے تھے، ابھی تک باحیات سمجھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ آپ غیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور شاید اسی طرح سیکڑوں سال تک زندہ رہیں گے۔ کیا علم حیات وطب ایسی غیر معمولی عمر کو محال قرار دیتا ہے؟

ڈاکٹر : اس سلسلے میں ابھی تک میں نے جو کچھ کتابوں میں پڑھا ہے اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ قائم آل محمد کی طول عمر کا راز کسی پر عیاں نہیں ہوا ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ علوم کی جو ترقی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اور خدا کی مدد سے یہ مشکل بہت جلد حل ہو جائیگی اور عقیدت مندوں کے اختیار میں پہنچ جائے گی۔

سردست جو کچھ جانتا ہوں اسے بیان کرتا ہوں: آج کے ناقص علم اور قیاس کی بنا پر اسے باطل نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ اصل امکان کے علاوہ ہمارے پاس غیر معمولی طول عمر کے چند نمونے موجود ہیں جن کے ثبوت میں کسی قسم کی شک و تردید نہیں ہے:-

الف : نباتات کے درمیان ایسے طویل العمر درخت موجود ہیں جنھیں روئے زمین پر قدیم ترین موجودات کہا جاتا ہے، منجملہ ان کے SEQUOIA ہے یہ کالیفورنیا میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض ۳۰۰ فٹ لمبے اور ۱۱۰ فٹ موٹے ہیں۔ ان میں سے بعض کی عمر پانچ ہزار سال سے زیادہ ہے۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ جب فرعون اول، KHORFU نے مصر کے بڑے ہرم کی تعمیر شروع کی تھی اس وقت یہ درخت شاداب و جوان تھا اور حضرت عیسیٰ کی ولادت کے وقت اس کی چھال کی ضخامت ۳٫۴۰ سنٹی میٹر تھی۔ مثلاً (SEQUEIAGIGENTEA) قسم کے ایک درخت کے تنے —— جو کہ (S: KENSINGTON) کنسنگٹن جنوبی کے میوزیم میں موجود ہے —— میں ۱۳۳۵ حلقے ہیں یعنی اس کی عمر اتنے ہی سال ہے۔ (۱) دائرۃ المعارف برٹانیائی ۲۔ ۱۴ ص ۲۰۶)

کہن رسیدہ ترین زندہ موجود جو کہ آج بھی زندہ ہے جس کی عمر تقریباً ۴۳۰۰ سال ہے وہ ایک قسم کی کاجی ہے جس کا نام (PINUS ARISTATA) ہے اور یہ کالیفورنیا کے مشرقی مرکز میں موجود ہے۔ حیوانات میں سب سے زیادہ طویل العمر ایک قسم کا زندہ کچھوا ہے جو کہ گالاگوشی جزیرہ میں موجود ہے۔ اس کی عمر ایک سو ستر (۱۷۰) سال

ہے۔ وزن تقریباً ۴۵۰ پونڈ ہے اور طول چار فٹ ہے۔[۱]

ب : قدیم مصر میں کھدائی ہوئی تو مصر کے جوان مرگ فرعون کے مقبرہ میں گیہوں نکلے۔ میں نے خود مذکورہ مقبرہ میں وہ گیہوں دیکھے ہیں اور اخباروں میں پڑھا ہے کہ بعض علاقوں میں انھیں بویا گیا تو وہ کامل طور پر سرسبز و شاداب ہوئے اور فصل دی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے گندم کا حیاتی نقطہ تقریباً تین یا چار ہزار سال تک زندہ رہا ہے۔

ج : متعدی بیماری کے جراثیم کو قدیم ترین زندہ موجود قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسے زندہ موجودات ہیں کہ ممکن ہے جن کی زندگی کا مطالعہ حیات کے راز کو آشکار کر دے۔ ان ہی سے بعض نباتی، حیوانی اور انسانی بیماریاں جیسے زکام، انفلوانزا، خسرہ، چیچک پیدا ہوتی ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہروں نے ان جراثیم کا وجود ماقبل تاریخ بتایا ہے۔ یعنی یہ موجودات ایک لاکھ سال کے بعد بھی زندہ ہیں، اور ان کی زندگی کے آثار ختم نہیں ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس دوران انہوں نے خفتہ و نہفتہ زندگی بسر کی ہے اور اس وقت بظاہر مردہ موجودات سے مختلف نہیں تھے۔[۲]

د : چند سال قبل میں نے اخباروں میں پڑھا تھا کہ "سائبیریا" کے نواح کی کھدائی میں ایک بڑا جانور نکلا ہے جو کہ برف کی وجہ سے منجمد تھا۔ چنانچہ جب اسے سورج کی دھوپ میں رکھا گیا تو اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔

ھ : جن طریقوں سے ایک زندہ موجود کی عمر کو طولانی بنایا جا سکتا ہے اور اسے نیم جاں

[۱] دائرۃ المعارف امریکائی ج ۷، ص ۴۶۳

[۲] روزنامہ اطلاعات

کر کے قابل مطالعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک ہائبرنیشن — سردی کی نیند — ہے یہ نیند بعض حیوانات پر سردی بھر طاری رہتی ہے اور بعض پر گرمی کے موسم میں طاری رہتی ہے۔ جب حیوانات پر یہ نیند طاری ہوجاتی ہے تو اس وقت ان کی غذا کی احتیاج ختم ہوجاتی ہے اور بدن کی مایحتاج چیزوں میں ۳۰ سے سو تک کمی واقع ہوتی ہے اس کی حرارت کو منظم رکھنے والی مشنری وقتی طور پر بند ہوجاتی ہے اور فضا کی حرارت کم ہوجانے سے اس کی کھال اور بال ٹھٹھر کر سخت نہیں بن جاتے، اس کے بدن پر لرزہ طاری نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بدن کی حرارت فضا و ماحول کی مانند ہوجاتی ہے کہ ممکن ہے درجۂ حرارت نقطۂ انجماد سے ۳۹ ـ ۴۱ F سے بھی اوپر پہنچ جائے کہ جس سے سانس کی رفتار کم اور نامنظم ہوجاتی ہے اور حرکت قلب کبھی کبھی ہوتی ہے۔ (زمین کے سنجاب کے دل کی حرکت فی منٹ ۷ سے ۱۰ ہوتی ہے جبکہ عام طور پر فی منٹ تین سو مرتبہ ہونی چاہئے) اعصاب کے مختلف رفلکس رک جاتے ہیں اور ۵۲ سے ۶۶ فارن ہائٹ درجہ حرارت سے نیچے مغز کی برقی امواج کا مشاہدہ نہیں ہوتا ہے۔

بعض حیوانات عرصہ دراز تک غیر معمولی سرد سیال چیزوں میں زندہ رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ناروے کے علاقوں میں مچھلیاں اسی طرح زندہ رہتی ہیں۔ بہت سے زندہ خلیئے جیسے انسان اور حیوان کے نطفہ کو پیوند کے لئے اور خون کے R.B.C کو ٹرانسفوزن کے لئے انجماد کی صورت میں محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بہت سے چھوٹے چھوٹے جانداروں کو بار بار برف میں منجمد اور گرم کیا جا سکتا ہے جبکہ اس سے ان کے بدن کو کوئی آنچ نہیں آتی۔

سردی کی نیند اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ شاید اس کے ذریعہ طول عمر کا راز منکشف ہو جائے اور انسان کو طول عمر نصیب ہو جائے۔

طویل العمر درختوں کا مطالعہ، نباتات کے نطفۂ حیاتی کا کئی ہزار سال تک زندہ رہنا، متعدی بیماری کے جراثیم کی زندگی، سردی، گرمی کی حیرت انگیز نیند نے اور علم طب و علم حیات کی محیر العقول ترقی وغیرہ نے عمر طویل بنانے اور ضعیفی پر غلبہ پانے کے سلسلے میں انسان کی امید بندھائی ہے اور اسے تحقیق و کوشش پر ابھارا ہے امید ہے کہ دانشور بشریت کے اس مقدس آرزو میں کامیاب ہوں گے اور نتیجہ میں قائم آل محمد کی طول عمر کے راز کو آشکار کریں گے۔

اس دن کی آمد کی امید کے ساتھ

ڈاکٹر ابو تراب نفیسی

پروفیسر و ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ میڈیکل کالج اصفہان

ہوشیار: اس مدت کے دوران ایک دلچسپ مقالہ میری نظروں سے گزرا ہے جس کا ایک فرانسیسی مجلہ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ چونکہ ہماری بحث سے مربوط ہے اس لئے میں نے اس کے متن کو لکھ لیا تھا۔ اگر احباب کی اجازت ہو تو پڑھ لوں!

ژوستین گلاس کا مقالہ

علم الحیات کے ماہروں نے زندہ موجودات کی عمر چند گھنٹوں سے لے کر سیکڑوں سال تک بتائی ہے۔ بعض حشرات الارض کی عمر ایک دن اور بعض کی ایک سال ہوتی ہے لیکن ہر نوع میں بعض افراد مشاہدہ کئے جاتے ہیں کہ جن کی عمر اپنے ہم جنس کی طبیعی عمر کے

دو تین گنا ہوتی ہے۔ جرمنی میں ایک سرخ پھول کا درخت ہے کہ جس کی عمر اس کے ہم جنس درختوں سے سیکڑوں سال زیادہ ہے۔ میکسکو میں سرو کا ایک درخت ہے کہ جس کی عمر ۲۰۰۰ سال ہے۔ بعض ایسے نہنگ پائے گئے ہیں جن کی عمر ۱۷۰۰ سال ہے۔

سولھویں صدی میں لندن میں "تماس پار" نام کا ایک شخص تھا جس کی عمر ۲۰۷ سال تھی۔ آج بھی ایران کے شمالی علاقہ میں ایک شخص سید علی نام کا ہے کہ جس کی عمر ۱۹۰ سال اور اس کے بیٹے کی عمر ۱۲۰ سال ہے۔ روس میں لوئی پوف پوتراک نامی شخص کی عمر ۱۳۰ سال ہے۔ میکو خو پولوف "قفقازی" کی عمر ۱۴۰ سال ہے۔

علم الحیات کے ماہروں کا خیال ہے کہ یہ غیر معمولی عمریں کسی ایسے درونی عامل سے مربوط ہیں جو کہ کسی شخص کی عمر کو حد سے زیادہ بڑھانے کا باعث ہوا ہے۔

علم الحیات کے ماہروں کے نظریہ کے مطابق ہر نوع کے زندہ موجود کی عمر طبیعی کو اس فرد کی نوع کے سات یا ۱۴ گنا ہونا چاہیئے اور چونکہ انسان کے رشد کی عمر پچیس سال ہے اس لحاظ سے انسان کی عمر ۲۸۰ سال ہونا چاہیئے۔

مناسب و موزون غذاؤں کے استعمال سے بھی عمر طبیعی کے قاعدہ کو باطل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال شہد کی مکھیاں ہیں۔ عام طور پر ان کی عمر چار یا پانچ ماہ ہوتی ہے جبکہ ان کی ملکہ کی عمر ۸ سال ہوتی ہے در آں حالیکہ وہ بھی تخم و تولید میں ان ہی کی مانند ہے لیکن وہ شاہانہ غذا میوہ کھاتی ہے۔

البتہ انسان کے بارے میں ایسا نہیں ہے۔ ہم شہد کی مکھیوں کی ملکہ کی طرح مخصوص جگہ زندگی نہیں گزار سکتے کہ جہاں گرمی بھی قابو میں ہو۔ غذا محدود اور مخصوص قسم کی ہو اور سیکڑوں محافظ و نگہبان ہوں۔ ہمارے سامنے بہت سے خطرات ہیں۔ علم الحیات

کے ماہروں کے نقطۂ نظر سے بعض یہ ہیں : خود بخود پیدا ہونے والا زہر ، وٹامن کی کمی اور شرایین کا سخت ہوجانا ۔ لیکن لندن کا ایک اسپیشلسٹ کہتا ہے : فولاد ، میگنیشم اور بدن کے پوٹاشیم ذخیرہ میں تعادل کے بگڑ جانے سے جب ایک دوسرے پر غالب آجاتا ہے تو موت واقع ہوجاتی ہے ۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تمام خطرات کے درمیان ، خصوصاً ضعیفی کا نام نہیں ہے ۔ موت کی علت بڑھاپا نہیں ہے ۔

ڈاکٹر سوئڈی (امریکہ کی درازِ عمر علمی انجمن کے صدر) کا نظریہ ہے کہ بڑھاپا طاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ : "پروٹین کے مالکول بدن کے خلیوں میں گرہ لگاتے ہیں اور آہستہ آہستہ انھیں ان کے کام سے روکتے اور موت کا باعث ہوتے ہیں ۔ اسی ڈاکٹر نے تحقیق و تلاش کے دوران ایک مادہ کشف کیا ہے جو اس گرہ کو کھولتا اور بدن کی مشنری کو از سرِ نو حرکت میں لاتا ہے ۔ اس ترتیب سے بڑھاپے کے زمانہ کو ختم کرتا ہے ۔ لیبارٹریوں میں محققین اس تجربہ میں کامیاب ہوئے ہیں کہ بعض تجرباتی حیوانات جیسے ہندوستان کے خوک کی مدت عمر کو، اس کی خوراک میں وٹامن "B" نوکلیک ایڈ اور پانتونکسیک ایڈ ۴۶،۴ فیصد بڑھانے سے بڑھایا جاسکتا ہے ۔

" فیلاتف " روس کے حیات شناس نے توقع ظاہر کی ہے کہ ضعیفی کے زمانہ کو غلط پیوندکاری کے ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے اس اجزاء ترکیبی فاسد میں کتنی عجیب طاقت ہے کہ کھاد کی مانند ہمارے بدن کے مزرعہ کو زرخیز بناتا ہے ۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے اصول بھی ہیں کہ جن کی رعایت سے عمر بڑھتی ہے یہ اصول عبارت ہیں غذائی دستورات اور بیوکمسٹری ، سانس لینے کے قواعد ، استرخا کے طریقے ۔ غذا کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ صرف طبی اصول کے مطابق غذا کے ذریعہ سو سال سے زیادہ زندہ رہا جاسکتا

ہے ہم جو کچھ کھاتے ہیں اسی کے بنے ہوئے ہیں۔

طول عمر سے متعلق تحقیقات

میں نے ایک عربی مجلہ میں، ایک مقالہ پڑھا ہے چونکہ ہماری بحث سے مربوط ہے۔ اس لئے آپ کی خدمت میں اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

قابل اعتماد سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ حیوان کے بدن کے اعضاء رئیسہ میں سے ہر ایک میں لامحدود مدت تک زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر انسان کے سامنے ایسے عوارض و حوادث پیش نہ آئیں جو کہ اس کی حیات کا سلسلہ منقطع کر دیں تو وہ ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ ان سائنس دانوں کا قول کوئی خیال و تخمینہ نہیں ہے بلکہ ان کے تجربوں کا نتیجہ ہے۔

ایک جراح ایک جاندار کے کٹے ہوئے جزء کو اس حیوان کی معمولی زندگی سے زیادہ دنوں تک زندہ رکھنے میں کامیاب ہوگیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کٹے ہوئے جزء کی حیات کا دار و مدار اس کے لئے فراہم کی جانے والی غذا پر ہے جب تک اسے کافی غذا ملتی رہے گی اس وقت وہ زندہ رہے گا۔

اس جراح کا نام ڈاکٹر "الکسیس کارل" تھا جو کہ راکفلر کے علمی ادارہ نیو یارک میں ملازم تھا۔ یہ تجربہ اس نے ایک چوزہ کے کٹے ہوئے جزء پر کیا تھا، یہ مقطوع جزء آٹھ سال سے زائد زندہ رہا اور رشد کرتا رہا۔ موصوف اور دیگر افراد نے یہی تجربہ انسان کے مقطوع اجزاء جیسے عضلات قلب اور پھیپھڑے پر بھی کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ جب تک اجزاء کو ضروری غذا ملتی رہے گی اس وقت تک وہ اپنی حیات و نمو کا

سلسلہ جاری رکھیں گے۔ یہاں تک کہ جونس ہکس یونیورسٹی کے پروفیسر "رمنڈ" اور "برل" کہتے ہیں انسان کے جسم کے اعضاء رئیسہ میں دائمی قابلیت واستعداد موجود ہے۔ یہ بات تجربات سے ثابت ہوچکی ہے کم از کم احتمال کو ترجیح ہے کیونکہ اجزاء کی حیات کے سلسلہ میں ابھی تک تجربات ہورہے ہیں۔ مذکورہ نظریہ نہایت ہی واضح اور اہم اور علمی غور وفکر کے بعد صادر ہوا ہے۔

جسم حیوان کے اجزاء پر بظاہر مذکورہ تجربہ سب سے پہلے ڈاکٹر "جاک لوب" نے کیا تھا وہ بھی علمی ادارہ راکفلر میں ملازم تھا، جس وقت وہ مینڈک کو تلقیح نہ شدہ تخم سے پیدا کرنے والے موضوع پر تحقیق میں مشغول تھا اس وقت اچانک اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ بعض انڈوں کو مدت دراز تک زندہ رکھا جاسکتا ہے اس کے برعکس بہت سے کم عمر میں مرجاتے ہیں۔ یہ قضیہ باعث ہوا کہ وہ مینڈک کے جسم کے اجزاء پر تجربہ کرے چنانچہ اس تجربہ میں انھیں مدت دراز تک زندہ رکھنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر "ورن لویس" نے اپنی زوجہ کے تعاون سے یہ ثابت کیا کہ: پرندے کے جنین کے اجزاء کو نمکین پانی میں زندہ رکھا جاسکتا ہے، اس طرح کہ جب بھی اس میں آبی مواد کا ضمیمہ کیا جائے گا اسی وقت ان کے رشد ونمو کی تجدید ہوگی۔ ایسے تجربہ مسلسل ہوتے رہے اور اس بات کو ثابت کرتے رہے کہ حیوان کے زندہ خلیے ایسی سیّال چیز میں اپنی حیات کے سلسلے کو جاری رکھ سکتے ہیں کہ جس میں ضروری غذائی مواد موجود ہوتا ہے۔ لیکن اسی وقت تک ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں تھی جس سے وہ موت کی نفی کرتے۔

ڈاکٹر کارل نے اپنے پے در پے تجربوں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اجزاء ضعیف نہیں ہوتے جن پر تجربہ کیا جاتا ہے اور پھر جوانوں کی زندگی بھی طویل ہوتی ہے۔

اس نے جنوری ۱۹۱۲ء میں اپنے کام کا آغاز کیا، اس سلسلے میں مشکلات پیش آئے، لیکن اس اور اس کے عملہ نے ان پر غلبہ پالیا اور درج ذیل موضوعات کا انکشاف کیا۔

الف : جب تک تجربہ کئے جانے والے زندہ خلیوں پر کوئی ایسا عارضہ نہ ہو جو ان کی موت کا باعث ہو، جیسے جراثیم کا داخل ہونا یا غذائی مواد کا کم ہونا، تو وہ زندہ رہیں گے۔

ب : مذکورہ اجزا صرف حیات ہی نہیں رکھتے بلکہ ان میں رشد و کثرت بھی پائی جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے یہ اس وقت رشد و کثرت اختیار کرتے جب حیوان کے بدن کا جز ہوتے۔

ج : ان کے نمو اور تکاثر کا ان کے لئے فراہم کی جانے والی غذا سے موازنہ کیا جاسکتا ہے اور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

د : ان پر مرور زمان کا اثر نہیں ہوتا ہے ضعیف و بوڑھے نہیں ہوتے بلکہ ان میں ضعیفی کا معمولی اثر بھی مشاہدہ نہیں کیا جاتا۔ وہ ہر سال ٹھیک گزشتہ سال کی نمو پاتے اور بڑھتے ہیں۔ ان موضوعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب تجربہ کرنے والے ان اجزا کی دیکھ بھال کریں گے، انھیں ضروری و کافی غذا دیں گے اس وقت وہ اپنی حیات اور رشد کو جاری رکھیں گے۔

یہاں سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بڑھاپا علت نہیں ہے بلکہ معلول و نتیجہ ہے۔ پھر انسان کیوں مرتا ہے؟ اس کی حیات کی مدت محدود کیوں ہے، معدود افراد کی عمر ہی سو سال سے آگے کیوں بڑھتی ہے اور عام طور پر اس کی عمر ستّر یا اسّی سال ہوتی ہے؟ ان سوالوں کا جواب یہ ہے کہ حیوان کے جسم کے اعضاء

زیادہ اور مختلف ہیں اور ان کے درمیان کمال کا ارتباط و اتصال ہے ۔ ان میں سے بعض کی حیات، دوسرے کی زندگی پر موقوف ہے ۔ اگر ان میں سے کوئی کسی وجہ سے ناتواں ہو جائے اور مرجائے تو اس کی موت کی وجہ سے دوسرے اعضاء کی بھی موت آجاتی ہے، اس کے ثبوت کے لئے وہ موت کافی ہے جو کہ جراثیم کے حملہ سے اچانک واقع ہو جاتی ہے، یہی چیز اس بات کا سبب ہوئی کہ عمر کا اوسط ستر، اسّی سال سے بھی کم قرار پائے بہت سے بچپنے ہی میں مرجاتے ہیں ۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ستّر، اسّی سو یا اس سے زیادہ سال کی عمر، موت کی علت نہیں ہے بلکہ اس کی اصلی علت : اعضاء میں سے کسی ایک پر عوارض، امراض کا حملہ کر کے اسے بیکار بنانا ہے چنانچہ اعضاء کے اتصال و ارتباط کی وجہ سے ایک عضو کی موت سے سارے اعضاء کی موت واقع ہو جاتی ہے ۔ پس جب علم عوارض کا علاج تلاش کرنے یا ان کے اثر کو بیکار بنانے میں کامیاب ہو جائے گا تو پھر سیکڑوں سالہ زندگی کے لئے کوئی چیز مانع نہ ہوگی ۔ جیسا کہ بعض درختوں کی بہت طولانی عمر ہے، لیکن اس بات کی توقع نہیں ہے کہ علم طب و حفظان صحت اتنی جلد اس عالی مقصد تک پہنچ جائیں گے ۔ لیکن اس مقصد سے نزدیک ہونے اور موجود عمر کی بہ نسبت دو یا تین گنا عمر تک پہنچنا بعید نہیں ہے۔[1]

پھر طول عمر

برطانیہ کے ایک ڈاکٹر نے اپنے تفصیلی مقالہ کے ضمن میں لکھا ہے : بعض

---

[1] المہدی تالیف آیت اللہ صدر منقول از مجلۂ المقتطف شمارہ ۳

سائنسدان میوہ جات کے کیڑوں کی عمر کو اس نوع کے دیگر کیڑوں کی طبعی عمر سے نو سو گنا بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ کامیابی انھیں اس لئے میسر آئی ہے کہ انھوں نے اس جاندار کو زہر اور دشمنوں سے محفوظ رکھا اور اس کے لئے مناسب ماحول فراہم کیا تھا۔

انجینئر: میں نے بھی اپنے مطالعات کے درمیان چند علمی اور دلچسپ مقالے دیکھے ہیں کہ جن میں سائنسدانوں نے طول عمر کے راز، ضعیفی و موت کے علل اور ان سے مبارزہ کے متعلق بحث کی ہے۔ لیکن وقت ختم ہو گیا ہے اس لئے بہتر ہے کہ ان کا تجزیہ آئندہ جلسہ پر موقوف کیا جائے۔

...

ہفتہ کی شب میں جناب فہیمی صاحب کے گھر جلسہ منعقد ہوا، ہوشیار صاحب نے انجینئر صاحب سے خواہش کی کہ اپنے مطالب بیان کریں۔

انجینئر: بہتر ہے کہ ان مقالات کا متن ہی آپ حضرات کے سامنے پیش کروں شاید مشکل حل ہو سکے۔

طول عمر کے بارے میں

موت کے کارشناس و ماہر پروفیسر متالینکف لکھتے ہیں: انسان کا بدن تیس ٹریلین مختلف خلیوں سے تشکیل پایا ہے وہ سب یکبارگی نہیں مر سکتے۔ اس بنا پر موت موت اس وقت مسلم ہو گی جب انسان کے مغز میں ایسے کیمیائی تغیرات واقع[1]

---

[1] منتخب الاثر ص۲۷۸ منقول از مجلہ الھلال۔

ہو جائیں کہ جن کی مرمت ممکن نہ ہو۔ ۳۰ اگست ۱۹۵۹ء کو ڈاکٹر ہانس سیلی نے کنیڈا کے شہر مونٹرال میں اخباری نمائندوں کو ایک خلیئے کی ساخت وبافت دکھائی اور بتایا کہ یہ زندہ خلیہ حرکت میں ہے اور ہرگز نہیں مرے گا۔ موصوف نے مزید دعویٰ کیا کہ یہ خلیہ ازلی ہے اور کہا: اگر انسان کے بافت خلیہ کو بھی اسی شکل میں لے آئیں تو انسان ایک ہزار سال تک زندہ رہے گا۔

پروفیسر سیلی کا خیال ہے کہ موت تھیوری کے نقطہ نگاہ سے ایک تدریجی بیماری ہے۔ موصوف ہی کا نظریہ ہے کہ کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے نہیں مرتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص ضعیفی کی وجہ سے مرے تو اس کے بدن کے خلیوں کو فرسودہ اور بیکار ہو جانا چاہیئے جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ بہت سے بوڑھوں کے مختلف اعضاء اور ان کے بدن کے خلئے سالم رہتے ہیں ان میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کا انتقال اس لئے اچانک ہو جاتا ہے کہ یک بیک ان کے بدن کا کوئی عضو بیکار ہو جاتا ہے اور چونکہ بدن کے تمام اعضاء ایک مشین کے پرزوں کی طرح مربوط ومتصل ہیں اس لئے ایک کے بے کار ہو جانے سے سارے بیکار ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر سیلی نے اعلان کیا علم طب ومیڈیکل سائنس ایک دن اتنی ترقی کرے گا کہ فرسودہ خلئے کی جگہ انجکشن کے ذریعہ نیا خلیہ انسان کے بدن میں رکھدیا جائے گا اور اس طرح انسان جب تک چاہے گا زندہ رہے گا۔[1]

ای ای مچنیکف کے نقطہ نظر سے فیزیولوجی بڑھاپے جو کہ طبیعی پیش رفت کا

---

[1] مجلہ دانشمند شمارہ ۷

نتیجہ ہے اور اس ضعیفی کو جو کہ ارگانزم کی اساس پر مختلف تاثیرات ــــ زہر، امراض اور دوسرے مخصوص عوامل ــــ کا نتیجہ ہے، کو معین کر سکتا ہے۔ اس کے نظریات کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کا بڑھاپا ایک بیماری ہے لہٰذا تمام بیماریوں کی طرح اس کا بھی علاج ہونا چاہئے اس کا نظریہ تھا کہ انسان کی زندگی موجودہ زندگی سے زیادہ ہو سکتی ہے اور مزید آگے بڑھ سکتی ہے۔ انسان کی زندگی درمیان راہ گم ہوتی ہے، اپنی اصل منزل تک نہیں پہنچتی لیکن میرے لحاظ سے تمام کوشش کرنا چاہئے تاکہ بشر بڑھاپے، انحطاط کے بغیر اپنی فیزیولوجی کی عادی ضعیفی تک پہنچ جائے [1]

طول عمر

پروفیسر سلیہ اور اس کا عملہ ایک طویل تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ کیلشیم "CALCIUM"، کا نقل و انتقال ضعیفی اور اس کی تغیرات کا عامل ہے۔ کیا بڑھاپے کے عوارض کے علاج کے لئے کوئی چیز ایجاد ہوتی ہے یا نہیں؟ سلیہ نے مکرر تجربوں کے بعد، ایر دن ڈکسٹران کے مادہ کا انکشاف کیا ہے جو کیلشیم کو اجزاء ترکیبی سے روکتا ہے۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ضعیفی کی علامتیں اور عوارض حیوانات پر کئے جانے والے تجربوں کے کے ذریعہ انسان کی دسترس میں آچکے ہیں اور اس سے تحفظ کا وسیلہ مل گیا ہے۔ پروفیسر سلیہ کا نظریہ ہے کہ اس بات کا تو احتمال بھی نہیں دیا جا سکتا کہ نوے سالہ انسان کو ساٹھ سالہ انسان کی زندگی کی حالت کی طرف پلٹایا جا سکتا ہے لیکن ساٹھ

---

[1] مجلہ دانشمند شمارہ ۵ سنہ ۱۳۴۲ھ ش

سالہ انسان کی زندگی کو عوارض سے بچا کر نوے سالہ عمر میں بھی ساٹھ سالہ عمر کی حالت میں رکھا جا سکتا ہے۔[1]

پروفیسر اٹینگر نے اپنی ایک تقریر کے دوران کہا: "جوان نسل ایک دن انسان کی جاویدانی اور ابدی حیات کو اسی طرح قبول کرے گی جیسا کہ آج لوگوں نے فضائی سفر کو تسلیم کر لیا ہے۔ میرا نظریہ ہے کہ ٹیکنالوجی کی ترقی اور اس تحقیق سے جس کا ہم نے آغاز کیا ہے کم از کم آئندہ صدی کا انسان ہزاروں سال کی زندگی بسر کرے گا۔"[2]

ایک روسی کتاب کا خلاصہ

روس کا مشہور سائنسدان مچنیکوف طویل العمری کو انسان کی قدیم ترین امیدوں میں سے ایک کہتا ہے۔ لیکن ابھی تک عمر میں اضافہ کے لئے کوئی عملی طریقہ کشف نہیں ہو سکا ہے۔ واضح ہے کہ طبیعی زندگی کے خاتمہ کا نام موت ہے اور کسی جاندار کو اس سے مفر نہیں ہے۔

۱۔ ضعیفی کی علّت

انسان کا بدن تقریباً ساٹھ ٹریلین خلیوں سے تشکیل پایا ہے۔ یہ خلیے ایک منزل پر پہنچ کر بوڑھے ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں اپنی زندگی کی ضرورت کو بڑی مشکل سے پورا کرتے ہیں۔ ان کی تولید مثل میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد انسان مرجاتا

---

[1] دانشمند شمارہ ۵ سنہ ۱۳۴۲ ھ ش

[2] دانشمند شمارہ ۶ سال ششم

ہے۔ عصبی خلئے اور مرجانے والے عضلات کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھ جاتی ہے اور ایک کپڑے کی شکل میں سخت ہوجاتے ہیں۔ اس سخت ہونے سے ماہیچے اور اعصاب مرجانے اور بڑھنے والے خلیوں، جن کو اسکلروز SOCLEROSE کہتے ہیں جیسے قلب کے اسکلروز، رگوں کے اسکلروز، اعصاب کے اسکلروز وغیرہ۔

روس کے مشہور ڈاکٹر اور فیزیولوجسٹ ایلیا مچنکوف کا خیال تھا کہ یہ وقوعہ ٹرکشین کے زہر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حیوان کے بدن میں جراثیم جاگزیں ہوجاتے ہیں اور اس زہر کو انسان اندرونی اعضا میں پیدا کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ زندہ خلیوں کے تعمیر کو مسموم کردیتے ہیں۔ پالوف کا نظریہ تھا کہ اعصاب کا سلسلہ خصوصاً مغز کا خارجی دباؤ ضعیفی میں بنیادی اثر رکھتا ہے، نفسیاتی تاثرات، غصہ، دل تنگی، یاس اور وحشت سے بدن کے امراض پیدا ہوتے ہیں کہ جس سے بڑھاپا اور اس کے بعد موت آجاتی ہے۔ دائمی زندگی کا خواب ایک خیال سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں ہے، لیکن انسان کی عمر بڑھانا اور ضعیفی پر غلبہ پانا ممکن عمل ہے۔

۲۔ ضعیفی شناسی اور موت شناسی

تقریباً تین سو سال قبل علم الحیات کی ایک نئی شاخ ضعیفی شناسی (CETMOTOLOGY) وجود میں آئی۔ اس علم کا مقصد بڑھاپے پر غلبہ پانے کیلئے عملی قوانین کی معرفت و شناخت ہے۔ اس اور موت شناسی کے علم کے درمیان لطیف رابطہ ہے، موت سے مربوط قوانین کا مطالعہ اور ممکن حد تک اسے پیچھے ہٹانا اس علم کے مسائل ہیں جو کہ اسی علم کے قلم رو کا جز ہیں، سائنسدانوں کے نقطہ نظر کے مطابق موت ہمیشہ اختلال کی وجہ سے آتی ہے جبکہ زندگی کے خاتمہ پر آنے والی موت کو فزیالوجی کہتے ہیں۔

اب سائنسدان عمر بڑھانے کیلئے کوئی منطقی اور طبعی راہ کی تلاش میں منہمک ہیں
زندگی کی حد کے سلسلہ میں دانشوروں کے درمیان اختلاف ہے۔ پاؤ لوف انسان کی طبعی
حیات کی حد سو سال قرار دیتا تھا۔ مچنیکوف نے یک سو چالیس سے ایک سو پچاس [140] [150]
تک تحریر کی ہے۔ جرمنی کے مشہور سائنسدان گو فلانڈ کا خیال تھا کہ انسان کی عام
عمر ۲۰۰ سال ہے۔ انیسویں صدی کے مشہور فیزیولوجسٹ فلوگر نے ۶۰۰ سال اور
برطانوی ورد جر بکین نے ۱۰۰۰ سال تحریر کی ہے۔ لیکن کوئی سائنسدان بھی اپنے مدعا پہ
اطمینان بخش دلیل پیش نہیں کر سکا۔

۳۔ فرانسوی بوفون کا فریضہ

فرانس کے مشہور طبیعی داں بوفون کا نظریہ تھا کہ ہر جاندار کی مدت عمر اس کے رشد
کے زمانہ کے پانچ گنا ہوتی ہے۔ مثلاً شتر مرغ کے نمو کی عمر آٹھ سال ہے تو اس کی عمر کا
اوسط چالیس سال ہے۔ گھوڑے کے رشد کا زمانہ ۳ سال ہے تو اس کی عمر ۱۵-۲۰
سال ہوتی ہے۔ بوفون نے اس طرح نتیجہ نکالا ہے کہ انسان کے نمو کی مدت ۲۰ سال ہے
لہٰذا اس کی عمر کا اوسط ۱۰۰ سال ہے۔ لیکن بوفون کے فارمولہ میں بے پناہ استثنائی
موارد ہیں اسی لئے اسے اہمیت نہیں دی گئی ہے کیونکہ گوسفند کے رشد کی عمر
پانچ سال ہے اور اس کی کل عمر ۱۰ ــ ۱۵ سال ہوتی ہے۔ طوطے کی رشد کا زمانہ ۱۲ سال
ہے لیکن سو سال تک زندہ رہتا ہے۔ باوجودیکہ شتر مرغ کے رشد کی عمر تین سال میں ختم
ہو جاتی ہے لیکن ۳۰ ــ ۴۰ سال تک زندہ رہتا ہے۔ سائنسدان ابھی انسان کی
طبیعی زندگی کی یقینی سرحد معین نہیں کر سکے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر کا نظریہ ہے کہ عمر
گھٹانے والے اختلال اور بیماریوں کو رفع کر کے انسان کی عمر کو ۲۰۰ سال تک بڑھایا

جاسکتا ہے۔ یہ نظریہ بھی ابھی تک تھیوری ہی کی صورت میں موجود ہے مگر اسے موہوم اور غیر حقیقی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۴۔ انسان کی متوسط عمر

قدیم یونان میں انسان کی متوسط عمر ٢٩ سال اور قدیم روم میں اس سے کچھ زیادہ تھی سولھویں صدی میں یورپ میں انسان کی عمر ٢١ سال، سترہویں صدی میں ٢٦ سال اور انیسویں صدی میں متوسط عمر ٣٤ سال تھی۔ لیکن بیسویں صدی کی ابتدا میں یہ شرح یکبارگی ۴۵۔٥٠ تک پہنچ گئی۔ مذکورہ شرح یورپ سے متعلق ہے۔ آج کی دنیا میں طویل العمری اور موت کے کم ہونے کی بہترین دلیل نیچے ہیں۔ لیکن پسماندہ اور ترقی یافتہ ممالک میں اس سلسلے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ مثلاً روس میں متوسط عمر ٧١ سال اور ہندوستان میں ٣٠ سال ہے۔

حیوانات کے درمیان انسان کی عمر کا اوسط کوئی زیادہ نہیں ہے انسان کی عمر کے نسبی اوسط (٦٠ — ٨٠) کا ذیل میں موازنہ ملاحظہ فرمائیں:

بطخ	٣٠٠ سال	گول مچھلی	١٥٠ سال
کچھوا	١٧٠ سال	مینڈک	١٦ سال
چھپکلی	٣٦ سال	طوطا	٩٠ سال
کوّا	٧٠ سال	جنگلی مرغی	٨٠ سال
شترمرغ	۴٠ ـ ٣٥ سال	جالاقان	١١٨ سال
عقاب	١٠۴ سال	شاہین	١٦٢ سال

گھوڑا ٣٠ — ٢٠ سال گائے ٣٠ - ٢٥ سال گوسفند ١۴ - ١٢ سال

بکری ۷ ۲- ۱۸ سال کتا ۲۲- ۱۶ سال بلی ۱۲- ۱۰ سال

۵۔ روسی سائنسدان مچنیکوف کا نظریہ

اگر ایلیا مچنیکوف کے نظریہ میں غور کیا جائے تو انسان کے نسبی سن کا چند جانوروں سے اختلاف واضح ہو جائے گا۔ مچنیکوف مرگ مفاجات اور بڑھاپے کی علت خلیوں کی سمومیت اور بیکٹیریا کے جسم کے اندر زہر پھیلانے کو قرار دیتا ہے۔ یاد رہے بدن کے دیگر حصّوں سے زیادہ ، ROTROTIC ، بیکٹیریا کا محبوب حصہ ہے۔

تخمینہ کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہاں روزانہ ۱۳۰ ٹریلین جراثیم پیدا ہوتے ہیں ROTROTIC کے بہت سے جراثیم بدن کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن ان میں سے بعض زہریلے ہوتے ہیں۔ یہ بدن کو اندر سے اپنے زہر کے وسیلہ سے قتل کی طرح مسموم کرتے ہیں احتمال ہے کہ بدن کے خلیے اور اس کا نظام (بافتہا) اس زہر کی وجہ سے جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مذکورہ جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ کے بل چلنے والی مچھلیاں اور پرندے پستان دار جانوروں سے زیادہ زندہ رہتے ہیں۔ کیونکہ ان جانوروں کے اندر فراخ ROTROTIC نہیں ہوتا ہے اور اگر ہوتا ہے تو ایسی میں رشد بہت کم ہوتا ہے۔ پرندوں میں صرف شترمرغ میں فراخ ROTROTIC ہوتا ہے اور جیسا کہ جدول سے سمجھ میں آتا ہے اس کی عمر بھی ۳۰-۴۰ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ ان حیوانات میں کچھ جگالی کرنے والے ہیں کہ انکی زندگی سب سے کم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ شاید ان کے اندر فراخ کی نمو ہے۔ چمگادڑ کے اندر بھی ایک چھوٹا ROTROTIC ہوتا ہے چنانچہ حشرہ خوار جانوروں میں چمگادڑ کے ہم بدن سے زیادہ اس کی عمر ہوتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی میں ROTROTIC کے فراخ و طویل ہونا بھی دخیل ہے۔ لیکن اسے زیادہ اہمیت نہیں ہے کہ جس کا مچنیک نے اظہار کیا ہے۔ بعض افراد نے آپریشن کے ذریعہ فراخ ROTROTIC کو نکلوا دیا تو

مدتوں زندہ رہے ۔ یہ بات مسلّم ہے کہ بدن کیلئے اس عضو کا وجود ضروری نہیں ہے لیکن ایسے افراد بھی موجود ہیں جنہوں نے فراخ ROTAOTر کے باوجود طویل عمر بسر کی ہے ۔ ضعیفی شناسی کے دانشوروں نے ایسے افراد کی تحقیق کی ہے ۔

۶۔ مستقبل کا انسان طویل عمر پائے گا

جن لوگوں نے دنیا میں ایک سو پچاس سال سے زیادہ زندگی گزاری ہے وہ انگشت شمار ہیں، ان میں سے جن کے نام کتابوں میں مرقوم ہیں وہ درج ذیل ہیں :

۱۷۲۴ء میں ایک دہقان مجار ۱۸۵ سال کی عمر میں مرا، جو کہ اپنی آخری عمر تک جوانوں کی طرح کام کرتا تھا ۔

ایک اور شخص جان راول کی عمر مرتے دم ۱۷۰ سال تھی اور اس کی زوجہ کی ۱۶۴ سال تھی ۔ ۱۳۰ سال انہوں نے ازدواجی زندگی بسر کی ۔

ایک آلبانوی باشندہ، خودہ ۱۷۰ سال تک زندہ رہا ۔ مرتے دم اس کے پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں اور ان کی اولاد کی تعداد ۲۰۰ تھی ۔

چند سال قبل اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ جنوبی امریکہ میں ایک شخص مرا ہے جس کی عمر ۲۰۷ سال تھی ۔

روس میں ایسے تیس ۳۰ ہزار افراد ہیں جو کہ اپنی زندگی کی دوسری صدی گزار رہے ہیں ۔ اب روس کے سائنسدان بڑھاپے کی علت اور طولِ عمر کے راز کے انکشاف کرنے میں مشغول ہیں ۔ یقیناً مستقبل میں علم انسان ضعیفی پر قابو پالے گا اور نتیجہ میں انسان اپنے آباو اجداد سے زیادہ عمر پائے گا[1]

[1] مجلہ دانشمند شمارہ ۱ ، سال ششم

موت کی علّت کے سلسلہ میں غیر معروف فرضیہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بدن سے روح کے جدا ہونے کا نام موت ہے، لیکن یہ بات موضوع بحث ہے کہ کیا روح کی مفارقت کی علت بدن اور اس کے عوارض ہیں ؟ کیا جسم ہی موت کے اسباب فراہم کرتا ہے ؟

اکثر علماء اور اطبّاء نے پہلے نظریہ کو تسلیم کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب بدن کی غریزی حرارت ختم ہو جاتی ہے تو بدن کا عام نظام درہم و برہم ہو جاتا ہے اور اس کے آلات و قوا بیکار ہو جاتے ہیں، بدن کے اعضاء رئیسہ فرسودہ ہو جاتے ہیں، بقا کی صلاحیت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور چونکہ روح اس فرسودہ جسم کی حیات کو جاری رکھنے اور اسے چلانے سے عاجز ہو جاتی ہے اس لئے اس سے جدا ہو جاتی ہے اور موت واقع ہوتی ہے۔

لیکن اس گروہ کے مقابل میں بڑے اسلامی فلاسفر مرحوم ملّا صدرا دوسرے نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں، وہ اپنی کتاب "اسفار" میں لکھتے ہیں: "جسم کی حفاظت اور اسے چلانے کی ذمہ داری روح پر ہے۔ جب تک اسے بدن کی زیادہ ضرورت رہتی ہے اس وقت تک وہ بدن کی حفاظت و نگہبانی میں کوشاں رہتی ہے، ہر طرح سے اس کا تحفظ کرتی ہے۔ لیکن جب وہ مستقل اور بدن سے مستغنی ہو جاتی ہے تو پھر بدن کی طرف توجہ نہیں دیتی جس کے نتیجہ میں ضعف، سستی اور اختلال پیدا ہونے لگتا ہے اور فرسودگی و ضعیفی آجاتی ہے یہاں تک کہ روح بدن کے امور کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے اور طبعی موت واقع ہو جاتی ہے۔"

احباب جانتے ہیں کہ اگر دوسرا نظریہ ثابت ہو جائے اور موت کا اختیار روح کے ہاتھ میں ہو تو صاحب الامر کی طول عمر کے موضوع کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ یہ کہا

جاسکتا ہے کہ: چونکہ آپ کی روح کو دنیائے انسانیت اور عالم کی اصلاح کے لئے آپ کے وجود کی ضرورت ہے۔ اس لئے بدن کی حفاظت ونگہبانی میں مستقل کوشش کرتی ہے اور اپنی جوانی وشادابی کو محفوظ رکھتی ہے۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کردینا بھی ضروری ہے کہ میں اس وقت اس مدعا کی صحت کو ثابت نہیں کرنا چاہتا ہوں اور نہ اس سے دفاع کی خواہش ہے۔ سردست میں نے دوستوں کے سامنے غیر معروف فرضیہ کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ غیر مانوس اور نئی بات ہے لیکن بغیر غور وفکر کے اسے باطل نہیں سمجھنا چاہئے۔ قطعی فیصلہ اس وقت کیا جاسکتا ہے جب حقیقت نفس، بدن پر اس کی تاثیر کی مقدار اور اس کے ارتباط کی کیفیت وتاثیر بخوبی پہچان لی جائے اور یہ بہت دشوار ہے کہ اس میں فلسفی ونفسیاتی اور بیالوجی کے ایک طویل سلسلہ کے تجربہ کی ضرورت ہے۔ ابھی انسان کا علم اس حد تک نہیں پہنچا ہے کہ حقیقت نفس اور اس کے بدن سے ارتباط کے بارے میں فیصلہ کرلے بلکہ ابھی وہ اپنے نفس ونفسیات کے ابتدائی مراحل طے کررہا ہے۔ اگر علم آدمی کی روح وتن کی طرف متوجہ ہوگیا ہوتا تو یقیناً ہماری دنیا کی حالت کچھ اور ہی ہوتی۔

ڈاکٹر الکسیس کارل اپنی کتاب "انسان موجود ناشناختہ" میں لکھتا ہے: ہمیں بھی اپنی وجود کی تعمیر کے بارے میں کافی علم حاصل نہیں ہوا ہے، اگر نیوٹن، گالیلہ اور لاوازیہ اپنی فکری صلاحیت انسان کے بدن ونفسیات کے مطالعہ پر صرف کرتے تو ہماری دنیا کی حالت ہی بدل گئی ہوتی۔

نتیجہ

ہوشیار : مذکورہ مطالب سے چند چیزیں سمجھ میں آتی ہیں :

۱۔ انسان کی عمر کی کوئی حد معین نہیں ہے کہ جس سے تجاوز ناممکن ہو۔ کسی بھی سائنسدان نے ابھی تک یہ نہیں کہا ہے کہ انسان کی عمر کا فلاں سال اس کے کاروانِ حیات کی آخری منزل ہے اس پر قدم رکھتے ہی موت آجائے گی۔ بلکہ مشرق و مغرب کے جدید و قدیم سائنسدانوں کے ایک گروہ نے تصریح کی ہے کہ انسان کی عمر کی کوئی حد نہیں ہے۔ ممکن ہے انسان آئندہ موت پر قابو پالے یا اسے کافی حد تک پیچھے ہٹا دے کہ جس سے طولانی عمر پائے۔ اس علمی امید کی کامیابی نے سائنسدانوں کو شب و روز کی کوشش اور تحقیق و تجربہ پر مجبور کیا ہے چنانچہ ابھی تک اس سلسلہ میں جو تجربات ہوئے ہیں وہ کامیاب رہے ہیں۔

ان تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ موت بھی تمام بیماریوں کی طرح کچھ طبیعی علل و عوامل کا نتیجہ ہے اگر ان عوامل کو پہچان لیا جائے اور ان کے اثرات کو روک دیا جائے تو موت کو پیچھے ہٹایا جاسکتا ہے اور انسان کو اس خوفناک ہیولے سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔ جس طرح علم نے آج تک بہت سی بیماریوں کے علل و عوامل کو کشف کر لیا ہے اور اس کی تاثیر کا سدباب کر دیا ہے۔ اسی طرح مستقبل قریب میں موت کے اسباب و علل کو پہچاننے اور اس کے اثرات کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

۲۔ نباتات، حیوانات اور انسانوں کے درمیان ایسے افراد موجود ہیں کہ جو اپنی نوع کے دیگر افراد سے ممتاز ہیں اور ان سے زیادہ طویل عمر پائی ہے۔ ایسے استثنائی افراد کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نوع کے افراد کی عمر کی ایسی کوئی حد نہیں ہے کہ جس سے آگے بڑھنا محال ہو۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر انسان ستر

کی عمر سے پہلے ہی مرجاتے ہیں لیکن عمر کی اس مقدار سے مانوس ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر کا امکان ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے بہت سے افراد گزرے ہیں جنہوں نے سو سال سے زیادہ عمر بسر کی ہے۔ ایک سو پچاس[۱۵۰] سالہ، ایک سو اسی[۱۸۰] سالہ اور دو سو پچاس سالہ انسان کا وجود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عمر انسان کی کوئی حد معین نہیں ہے۔ دو سو پچاس سال اور دو ہزار سال زندگی گزارنے میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں غیر مانوس ہیں۔

۳۔ ضعیفی کوئی ایسا عارضہ نہیں ہے کہ جس کا کوئی علاج نہ ہو بلکہ یہ قابل علاج بیماری ہے جیسا کہ علم طب نے آج تک بہت سی بیماریوں کے علل و اسباب کشف کر لیے ہیں اور انسان کو ان کے علاج کا طریقہ بتا دیا ہے اسی طرح مستقبل میں ضعیفی و بڑھاپے کے عوامل کشف کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا اور ان کا علاج انسان کے اختیار میں دیدے گا۔ سائنسدانوں کا ایک گروہ اکسیر جوانی کی تلاش میں ہے اور انتھک کوشش و تحقیق اور تجربات میں مشغول ہے، ان کے تجربات کامیاب رہے ہیں کہ جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل قریب میں انسان ضعیفی اور فرسودگی کے عوامل پر قابو پا لیگا اور ان عام بیماریوں کے علاج کا طریقہ تلاش کرے گا۔ اس صورت میں انسان عرصۂ دراز تک اپنی جوانی و شادابی کو محفوظ رکھے گا۔

مذکورہ مطالب اور سائنسدانوں کی تصدیق کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اگر کوئی انسان جسمانی ساخت و ترکیب کے لحاظ سے نہایت ہی معتدل ہو، اس کے اعضاء رئیسہ، قلب، اعصاب، پھیپھڑے، جگر، مغز اور معدہ سب قوی اور سالم ہوں۔ وہ حفظان صحت کے تمام اصولوں سے واقف ہو اور ان پر

کاربند ہو۔ مشروبات و ماکولات کے خواص و فوائد جانتا ہو، ان میں سے مفید کو استعمال اور مضر سے پرہیز کرتا ہو، جراثیم اور ان کی پیداوار کے عوامل کو پہچانتا ہو، امراض اور خصوصاً ضعیفی کے علاج سے آگاہ ہو۔ زہر و مہلکات سے باخبر ہو، ان سے اجتناب کرتا ہو۔ بدن کی ضروری احتیاج کو غذا اور وٹامن وغیرہ سے پورا کرتا ہو، والدین اور اجداد سے کوئی بیماری میراث میں نہ پائی ہو، برے اخلاق، پریشان خیالی جو کہ اعصاب و مغز کی فرسودگی اور دیگر بیماریوں کا باعث ہوتی ہے، سے محفوظ ہو، اس میں ایسے تمام نیک اخلاق موجود ہوں جو روح و جسم کے سکون کا باعث ہیں اور ان تمام چیزوں کے علاوہ اس کے جسم کا حاکم و مدبر انسانی کمال کے اعلیٰ درجہ پر ہو تو ایسے انسان میں ہزاروں سال زندگی گزارنے کی صلاحیت ہو گی۔ ایسی طویل عمر کو علم و دانش نہ صرف یہ کہ محال قرار نہیں دیتے بلکہ اس کے امکان کا اثبات کرتے ہیں۔

اس بنا پر امام زمانہ کی طویل عمر کو محال اور لاینحل مشکل نہیں قرار دینا چاہئے، کہ علم بہت طویل عمر کو جوانی و شادابی کی طاقت کی حفاظت کے ساتھ ممکن قرار دیتا ہے۔ اگر کسی شخص کا وجود عالم کیلئے ضروری ہو اور طویل عمر درکار ہو تو قادر مطلق خدا دنیا کے علل و معلولات اور خلقت کی مشینری کو اس طرح منظم کرے گا کہ جو ایسا کامل انسان پیدا کرے گی جو ضروری علم و اطلاعات کا حامل ہو گا۔

ڈاکٹر : مذکورہ مطالب صرف ایسے ممتاز انسان کے وجود کو ثابت کرتے ہیں لیکن یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ ایسا انسان موجود بھی ہے؟

ہوشیار : عقلی و نقلی دلیلوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نوع کی بقا کیلئے

امام کا وجود ضروری ہے اور بہت سی احادیث کا اقتضا ہے کہ امام صرف بارہ ہوں گے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بارہویں امام، امام حسن عسکری کے بلا فصل فرزند مہدی موعودؑ ہیں جو کہ پیدا ہو چکے ہیں اور اب پردۂ غیب میں ہیں۔ اس سلسلہ میں سیکڑوں حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ مذکورہ مطالب اور دانشوروں کی تائید کے بعد ہم نے ایسی غیر متعارف عمر کے امکان کو ثابت کیا ہے۔

تاریخ کے دراز عمر

انجینیر : یہ کیسے ممکن ہے کہ خلقت کی مشنری نے صرف امام زمانہ ہی کو اتنی طویل عمر عطا کی ہے جس کی مثال نہیں ملتی ؟

ھوشیار : دنیا میں ایسے افراد کمیاب تھے اور ہیں۔ منجملہ ان کے حضرت نوحؑ ہیں۔ بعض مورخین نے آپؑ کی عمر ۲۵۰۰ سال تحریر کی ہے۔ توریت میں ۹۵۰ سال مرقوم ہے۔

قرآن مجید صریح طور پر کہتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے ۹۵۰ سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کی چنانچہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے کہ :

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان نو سو پچاس سال رہے پھر قوم کو طوفان نے اپنی گرفت میں لے لیا کہ وہ ظالم لوگ تھے[1]

---

[1] عنکبوت/۱۴

اگر ہم مورخین کے قول کی تکذیب بھی کر دیں تو قرآن مجید میں کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ جس نے حضرت نوح کی تبلیغ کا زمانہ ۹۵۰ سال بتایا ہے جبکہ یہی عمر عمر غیر معمولی ہے۔

انجینیر : میں نے سنا ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے ؟

ہوشیار : متشابہات میں سے کیسے ہوسکتی ہے۔ کیا مفہوم و معنیٰ کے لحاظ سے مجمل و مبہم ہے ؟! عربی زبان سے جو شخص معمولی شد و بد بھی رکھتا ہے وہ اس آیت کے معنی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہے تو قرآن میں کوئی محکم آیت نہیں ملے گی میں ایسے افراد کی بات کو بے معنی سمجھتا ہوں یا انھیں قرآن کا منکر کہا جائے کہ جن کے اظہار کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔

مسعودی نے اپنی کتاب میں کچھ طویل العمر لوگوں کے نام مع ان کی عمروں کے درج کئے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں :

حضرت آدم کی عمر : ۹۳۰ سال، حضرت شیث : ۹۱۲ سال ۔ انوش : ۹٦۰ سال
قینان : ۹۲۰ سال ۔ مہلائل : ۷۰۰ سال ، لوط : ۷۳۲ سال، ادریس : ۳۰۰ سال
متوشلخ : ۹٦۰ سال، لمک : ۷۹۰ سال ، نوح : ۹۵۰ سال ، ابراہیم : ۱۹۵ سال
کیومرث : ۱۰۰۰ سال ، جمشید : ٦۰۰ یا ۹۰۰ سال ، عمر بن عامر : ۸۰۰ سال
عاد : ۱۲۰۰ سال [1]۔

اگر آپ تاریخ و حدیث اور توریت کا مطالعہ فرمائیں گے تو ایسے بہت سے

---

[1] مروج الذہب ج۱ ص۲

لوگ ملیں گے۔ لیکن واضح رہے کہ ان عمروں کا مدارک توریت یا اس کی تواریخ ہیں اور اہل تحقیق پر ان کی حالت پوشیدہ نہیں ہے یا خبر واحد مدرک ہے جس سے یقین حاصل نہیں ہوتا یا غیر معتبر تواریخ مدرک ہیں۔ بہر حال مبالغہ سے خالی نہیں ہیں اور چونکہ ان کی صحت مجھ پر واضح نہیں ہے اس لئے ان سے استدلال و بحث سے چشم پوشی کرتا ہوں اور صرف حضرت نوح کی طویل العمری ہی کو ثبوت میں پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں اگر تفصیل چاہتے ہیں تو "المعمرون والوصایا مولفہ ابی حاتم سجستانی اور ابوریحان بیرونی کی" الآثار الباقیہ اور تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

امام زمانہؑ کا مسکن

فہیمی : زمانۂ غیبت میں امام زمانہ کا مسکن کہاں ہے ؟

ہوشیار : آپؑ کے مسکن کی تعیین نہیں ہوئی ہے ۔ شاید کوئی مخصوص نہ ہو بلکہ اجنبی کی طرح لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے دور افتادہ علاقوں کو رہائش کیلئے منتخب کیا ہو ۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حج کے زمانہ میں آپ تشریف لاتے اور اعمال و مناسک حج میں شریک ہوتے ہیں لوگوں کو پہچانتے ہیں لیکن لوگ انھیں نہیں پہچان پاتے ۔[1]

فہیمی : میں نے سنا ہے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام زمانہ اسی سرداب میں ، جو کہ آپ سے منسوب ہے اور زیارت گاہ بنا ہوا ہے ، غائب ہوئے ہیں اس میں زندگی گزارتے ہیں اور وہیں سے ظہور فرمائیں گے ۔ اگر اس سرداب میں موجود ہیں تو دکھائی کیوں نہیں دیتے ؟ ان کیلئے کھانا پانی کون لے جاتا ہے ؟ وہاں سے نکلتے کیوں نہیں ؟ عرب کے شاعر نے اس مضمون پر مشتمل کچھ اشعار کہے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے : کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جس میں سرداب اس شخص کو

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۵۲

باہر نکالے جسے تم انسان کہتے ہو؟ تمہاری عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں کہ عنقا اور خیالی چڑیا کے علاوہ ایک تیسرا موجود بھی ایجاد کرلیا۔

ہوشیار: یہ محض جھوٹ ہے اور عناد کی بنا پر اس کی نسبت ہماری طرف دی گئی ہے۔ شیعوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ کسی روایت میں بیان نہیں ہوا کہ بارہویں امامؑ سرداب میں زندگی گزارتے ہیں اور وہیں سے ظاہر ہوں گے۔ کسی شیعہ دانشور نے بھی ایسی بات نہیں کی ہے۔ بلکہ احادیث میں تو یہ ہے کہ امام زمانہؑ لوگوں کے درمیان ہی زندگی گزارتے ہیں اور ان کے درمیان آمد و رفت رکھتے ہیں۔

سدیر صیرفی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"صاحب الامر اس لحاظ سے حضرت یوسف سے مشابہ ہیں کہ برادران یوسف بھی آپؑ کو نہیں پہچان سکے تھے جبکہ عاقل بھی تھے اور یوسف کے ساتھ زندگی بھی گزار چکے تھے۔ لیکن جب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو جب تک یوسفؑ نے خود اپنا تعارف نہیں کرایا اس وقت تک آپ کو نہیں پہچان سکے اور باوجودیکہ یوسف حضرت یعقوب سے اٹھارہ روز کے فاصلہ پر تھے لیکن یعقوب کو آپ کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ خدا حضرت حجّت کیلئے بھی ایسا ہی کرے گا۔ لوگوں کو اس کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ آپؑ لوگوں کے درمیان آتے جاتے ہیں ان کے بازار میں تشریف لے جاتے ہیں، ان کے فرش پر قدم رنجا ہوتے ہیں لیکن انھیں نہیں پہچان پاتا۔ اسی طرح زندگی گزارتے رہیں گے۔ یہاں تک خدا ظہور کا حکم فرمائے گا۔"[1]

---

[1] بحارالانوار ج ۵۲ ص۱۵۴

امام کی اولاد کے ممالک

جلالی : میں نے سنا ہے کہ امام زمانہ کی بہت سے فرزند ہیں جو کہ وسیع و عریض ممالک ظاہرہ، رائقہ، صافیہ، ظلوم اور عناطیس میں زندگی گزارتے ہیں اور آپ کی اولاد میں سے لائق و شائستہ پانچ افراد: طاہر، قاسم، ابراہیم، عبدالرحمٰن اور ہاشم ان ممالک پر حکومت کرتے ہیں۔ ان ملکوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہاں کی آب و ہوا اور نعمتیں بہشت بریں کا نمونہ ہیں۔ وہاں مکمل امن و امان ہے، بھیڑیا اور بکری ایک جگہ رہتے ہیں۔ درندے انسانوں کو کچھ نہیں کہتے۔ ان ممالک کے باشندے مکتب امام کے تربیت یافتہ شیعہ اور صالح افراد ہیں، فتنہ و فساد کا وہاں گزر نہیں ہے۔ کبھی کبھی امام زمانہ بھی ان نمونہ ممالک کے معائنہ کے لئے تشریف لاتے ہیں، ایسی ہی اور سیکڑوں دلچسپ باتیں ہیں!

ہوشیار : ان مجہول ممالک کی داستان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کا مدرک وہ حکایت ہے جو حدیقۃ الشیعہ، انوار نعمانیہ اور جنۃ الماویٰ میں نقل ہوئی ہے مدعا کی وضاحت کے لئے ہم اس کی سند بیان کرتے ہیں:

داستان اس طرح نقل ہوئی ہے: علی بن فتح اللہ کاشانی کہتے ہیں: محمد بن حسین علوی نے اپنی کتاب میں سعید بن احمد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حمزہ بن مسیب نے شعبان کی ۸ تاریخ ۵۴۴ھ میں مجھ سے بیان کیا کہ عثمان بن عبد الباقی جمادی الثانی کی ۷ تاریخ ۵۴۲ھ میں مجھ سے حکایت کی کہ احمد بن محمد بن یحییٰ انباری نے دس رمضان ۵۴۳ھ میں بتایا کہ: میں اور دوسرے چند اشخاص عون الدین یحییٰ بن ہبیرہ وزیر

کی خدمت میں پہنچے۔ اسی مجلس میں ایک محترم اور اجنبی شخص بھی موجود تھا۔ اس اجنبی نے کہا: چند سال قبل میں نے کشتی کا سفر کیا تھا، اتفاقاً ملاح راستہ بھٹک گیا اور ہمیں ایک سربستہ راز جزیرہ پر پہنچا دیا کہ جس کے بارے میں ہمیں کوئی علم و اطلاع نہیں تھی۔ ناچار کشتی سے اترے اور اس سرزمین میں داخل ہوئے۔ یہاں احمد بن محمد ان ممالک کی حیرت انگیز داستان اس اجنبی سے تفصیلاً نقل کرتے ہیں اور داستان شروع کرتے ہیں۔
اس داستان کو سننے کے بعد وزیر مخصوص کمرہ میں داخل ہوا اور اس کے بعد ہم سب کو بلایا اور کہا: جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک تمہیں کسی سے یہ داستان نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب تک وزیر زندہ تھا ہم نے کسی سے بھی یہ داستان بیان نہ کی[1]

اجمالی طور پر داستان کی سند بیان کر دی ہے تاکہ قارئین داستان کے ضعف کا اندازہ لگالیں تفصیل کے شائقین مذکورہ کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔
دانشوروں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسی حکایتوں سے ایسے ممالک کا وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اول تو اس داستان کا راوی ایک مجہول آدمی ہے کہ جس کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ثانیاً یہ ممکن نہیں ہے کہ روئے زمین پر ایسے ممالک آباد ہوں اور ان کی کسی کو خبر نہ ہو خصوصاً دور حاضر میں کہ تمام زمین کی نقشہ کشی کر دی گئی ہے جو دانشوروں کی توجہ کا مرکز ہے اس کے باوجود بعض لوگوں نے اس داستان سے ایسے خم ٹھوک کر دفاع کیا ہے جیسے اسلام کے مسلم ارکان سے کرتے ہیں۔

---

[1] انوار نعمانیہ طبع تبریز ج ۲ ص ۵۸

کہتے ہیں: ممکن ہے وہ ممالک ابھی تک موجود ہوں اور خدا اغیار و نامحرموں سے پوشیدہ رکھے ہوئے ہو۔ لیکن میرے نقطۂ نظر سے اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ انھیں ایسے بے مدرک اور ضعیف موضوع کو ثابت کرنے کیلئے کس چیز نے مجبور کیا ہے!! کہتے ہیں بالفرض ایسے ممالک آج اگر موجود نہ ہوں تو بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ گزشتہ زمانوں میں تھے بعد میں نیست و نابود ہو گئے اور ان کے باشندے متفرق ہو گئے ہیں۔ یہ احتمال بھی بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر ایسے وسیع اور شیعہ نشین ممالک آباد ہوتے تو بہت سے لوگوں کو ان کی اطلاع ہوتی اور ان کے حالات و کوائف اجمالی طور پر ہی تاریخ میں ثبت ہوتے۔ یہ بات محال معلوم ہوتی ہے کہ چند بڑے ممالک موجود ہوں اور کسی کو ان کی خبر نہ ہو اور یہ سعادت صرف ایک مجہول شخص کو نصیب ہونے کے بعد ان کے آثار صفحہ روزگار سے اس طرح مٹ جائیں کہ تاریخ اور آثار قدیمہ کی تحقیق میں بھی ان کا نام و نشان نہ ملے۔!!

علامہ، محقق شیخ آقا بزرگ تہرانی مذکورہ داستان کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھتے اور لکھتے ہیں۔ یہ داستان محمد بن علی علوی کی کتاب تعازی کے آخر میں نقل ہوئی ہے۔ اس سے علی بن فتح اللہ کاشانی یہ سمجھ بیٹھے کہ مرقومہ داستان کتاب ہی کا جزء ہے۔ جبکہ یہ اشتباہ ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ داستان کتاب کا جزء ہو کیونکہ یحییٰ بن ہبیرہ کہ جس کے گھر یہ قضیہ پیش آیا وہ ۵۶۰ھ میں مر چکا تھا اور کتاب تعازی کے مولف اس سے دو سو سال پہلے گزرے ہیں۔ اس کے علاوہ داستان کے متن میں بھی تناقض ہے کیونکہ داستان کے ناقل احمد بن محمد بن یحیی انباری کہتے ہیں کہ وزیر نے ہم سے عہد لیا کہ مذکورہ داستان کو تم میں سے کوئی بیان نہ کرے اور ہم نے

اپنے عہد کو پورا کیا چنانچہ جب تک وہ زندہ رہا اس وقت تک کسی سے بیان نہیں کی اس بنا پر اس داستان کی حکایت وزیر کی تاریخ وفات ۵۶۰ کے بعد ہوئی جبکہ داستان کے متن میں عثمان بن عبد الباقی کہتے ہیں : احمد بن محمد بن یحییٰ انباری کہتے ہیں کہ یہ داستان ۵۴۳ھ میں مجھ سے نقل کی گئی[1]

دوسری جگہ کہتے ہیں : عثمان بن عبد الباقی نے ساتویں جمادی الثانی ۵۴۲ھ میں مجھ سے حکایت کی کہ احمد بن محمد نے دس رمضان ۵۴۲ھ میں مجھ سے بتایا : آپ جانتے ہیں کہ جمادی الثانی کے دو ماہ بعد رمضان ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ حادثہ کے رونما ہونے سے دو ماہ قبل ہی یعنی جمادی الثانی میں اسے کسی سے بیان کیا جائے۔

ہم امام زمانہ کے محل سکونت کے موضوع میں مجبور نہیں ہیں کہ زبردستی پوچ دلیلوں سے "جزائر خضراء" جابلقا اور جابرصا کو ثابت کریں یا کہیں : آپؑ نے اپنی سکونت کیلئے اقلیم ثامن کا انتخاب کیا ہے۔

فہیمی : تو جزیرۂ خضراء کی داستان کیا ہے؟

ہوشیار : چونکہ وقت ختم ہونے والا ہے اس لئے بقیہ مطالب آئندہ جلسہ میں بیان کروں گا اور احباب رضامند ہوں تو آئندہ میرے غریب خانہ ہی پر جلسہ منعقد ہو جائے۔

---

[1] الذریعہ ج ۵ ص۱۰۶

جزیرۂ خضراء

مقررہ وقت پر ہوشیار صاحب کے گھر جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی۔

جلالی: گزشتہ جلسہ میں شاید فہیمی صاحب نے جزیرۂ خضراء کے بارے میں کوئی سوال اٹھایا تھا!

فہیمی: میں نے سنا بلکہ امام زمانہ اور آپ کی اولاد جزیرۂ خضراء میں زندگی بسر کرتے ہیں اس سلسلہ میں آپ کا نظریہ کیا ہے ؟

ہوشیار: جزیرہ خضراء کی داستان کی حیثیت بھی افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔

مرحوم مجلسی نے بحار الانوار میں اس داستان کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اجمال یہ ہے: میں نے نجف اشرف میں امیر المومنینؑ کے کتب خانہ میں، ایک رسالہ دیکھا تھا جس کا نام جزیرۂ خضراء کی داستان تھا۔ اس قلمی رسالہ کے مؤلف فضل بن یحییٰ طیبی ہیں۔ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ جزیرۂ خضراء کی داستان میں نے ۱۵ شعبان ۶۹۹ھ کو ابا عبد اللہ علیہ السلام کے حرم میں شیخ شمس الدین اور شیخ جلال الدین سے سنی تھی۔ انہوں نے زین الدین علی بن فاضل مازندرانی سے داستان نقل کی تھی۔ مجھے شوق پیدا ہوا کہ خود ان سے داستان سنوں۔

خوش قسمتی سے اسی سال شوال کے اوائل میں زین الدین شہر حلہ تشریف لائے تو میں نے سید فخر الدین کے گھر ان سے ملاقات کی۔ میں نے ان سے خواہش کی کہ جو داستان آپ نے شیخ شمس الدین و شیخ جلال الدین کو سنائی تھی وہ مجھے بھی سنا دیجئے انہوں نے فرمایا: میں دمشق میں شیخ عبد الرحیم حنفی اور شیخ زین الدین علی اندلسی

سے تعلیم حاصل کرتا تھا۔ شیخ زین الدین خوش طبع شیعہ اور علمائے امامیہ کے بارے میں اچھے خیالات رکھتا اور ان کا احترام کرتا تھا۔ ایک مدت تک میں نے ان سے علم حاصل کیا اتفاقاً وہ مصر تشریف لے جانے کیلئے تیار ہوئے چونکہ ہمیں ایک دوسرے سے بہت زیادہ عقیدت و محبت تھی اس لئے انہوں نے مجھے بھی اپنے ہمراہ مصر لے جانے کا فیصلہ کیا۔ ہم دونوں مصر پہنچے اور قاہرہ میں اقامت گزینی کا قصد کیا۔ تقریباً نو ماہ تک ہم نے وہاں بہترین زندگی گزاری۔ ایک روز انھیں ان کے والد کا خط موصول ہوا، خط میں تحریر تھا: میں شدید بیمار ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ مرنے سے قبل تمہیں دیکھ لوں۔ استاد خط پڑھ کر رونے لگے اور اندلس کے سفر کا ارادہ کر لیا۔ میں بھی اس سفر میں ان کے ساتھ تھا۔ جب ہم جزیرہ کے اولین قریہ میں پہنچے تو مجھے شدید بیماری لاحق ہوگئی، یہاں تک کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا۔ میری کیفیت سے استاد بھی رنجیدہ تھے، انہوں نے مجھے اس قریہ کے پیش نماز کے سپرد کیا تاکہ میری دیکھ بھال کرے اور خود اپنے وطن چلے گئے۔ تین روز کی بیماری کے بعد میری حالت ٹھیک ہوگئی۔ چنانچہ میں گھر سے نکل کر دیہات کی گلیوں میں ٹہلنے لگا۔ وہاں میں نے کوہستان سے آئے ہوئے ایک قافلہ کو دیکھا جو کہ کچھ چیزیں لائے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں معلومات فراہم کیں تو معلوم ہوا کہ یہ بربر کی سرزمین سے آئے ہیں جو کہ رافضیوں کے جزیرہ سے قریب ہے، جب میں نے رافضیوں کے جزیرہ کا نام سنا تو اسے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، انہوں نے بتایا کہ یہاں سے پچیس ۲۵ روز کے فاصلے پر واقع ہے۔ جس میں دو روز کی مسافت میں کہیں آبادی اور پانی نہیں ہے۔ اس دو دن کی مسافت کو طے کرنے کے لئے میں نے گدھا کرایہ پر لیا اور اپنے سفر کا آغاز کیا یہاں تک کہ رافضیوں کے جزیرہ

تک پہنچ گیا، جزیرہ کے چاروں طرف دیواریں تھیں اور محکم و بلند گنبد بنے ہوئے تھے مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد بہت بڑی تھی، موذن کی آواز سنی، اس نے شیعوں کی اذان دی اور اس کے بعد امام زمانہ کے تعجیل فرج کیلئے دعا کی۔ خوشی سے میرے آنسو جاری ہو گئے۔ لوگ مسجد میں آئے۔ شیعوں کے طریقہ سے وضو کیا اور فقہ شیعہ کے مطابق نماز جماعت قائم ہوئی۔ نماز اور تعقیبات کے بعد لوگوں نے مزاج و احوال پرسی کی۔ میں نے اپنی روداد سنائی اور بتایا کہ میں عراقی الاصل ہوں۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ میں شیعہ ہوں تو میرا بہت احترام کیا اور میرے قیام کے لئے مسجد کا حجرہ معین کیا۔ پیش نماز صاحب بھی میرا احترام کرتے تھے اور شب و روز میرے پاس رہتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا اہل شہر کی ضرورت کی چیزیں اور خوراک کہاں سے آتی ہیں؟ مجھے یہاں کاشتکاری کی زمین نظر نہیں آتی ہے۔ اس نے کہا: ان کا کھانا جزیرہ سے آتا ہے، یہ جزیرہ بحرِ ابیض کے بیچ واقع ہے۔ ان کے کھانے کی اشیاء سال میں دو مرتبہ جزیرہ سے کشتیوں کے ذریعہ آتی ہیں۔ میں نے پوچھا کشتی آنے میں کتنا وقت باقی ہے؟ اس نے کہا: چار ماہ۔ طویل مدت کی وجہ سے مجھے افسوس ہوا لیکن خوش قسمتی سے چالیس دن کے بعد کشتیاں آگئیں اور یکے بعد دیگرے سات کشتیاں وارد ہوئیں۔ ایک کشتی سے ایک وجیہہ آدمی اترا، مسجد میں آیا، فقہ شیعہ کے مطابق وضو کیا اور نماز ظہر و عصر ادا کی۔ نماز کے بعد میری طرف متوجہ ہوا، سلام کیا اور گفتگو کے دوران میرے اور میرے والدین کا نام لیا۔ اس سے مجھے تعجب ہوا۔ کیا آپ شام سے مصر اور مصر سے اندلس تک کے سفر میں میرے نام سے واقف ہوئے ہیں؟ کہا: نہیں، بلکہ تمہارا اور تمہارے والدین کے نام، شکل و صورت اور صفات مجھ تک پہنچے ہیں۔

میں تمہیں اپنے ساتھ جزیرہ خضراء لے جاؤنگا۔ ایک ہفتہ انہوں نے وہیں قیام کیا اور ضروری امور کی انجام دہی کے بعد سفر کا آغاز کیا۔ سولہ دن سمندر کا سفر طے کرنے کے بعد مجھے بحر ابیض نظر آیا۔ اس شیخ نے کہ جس کا نام محمد تھا، مجھ سے پوچھا کس چیز کا نظارہ کر رہے ہو؟ اس علاقہ کے پانی کا دوسرا رنگ ہے۔ اس نے کہا: یہ بحر ابیض ہے، اور یہ جزیرۂ خضراء ہے، پانی نے اسے دیواروں کی طرح چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور خدا کی حکمت ہے کہ جب ہمارے دشمنوں کی کشتیاں ادھر آنا چاہتی ہیں تو وہ صاحب الزمان کی برکت سے غرق ہو جاتی ہیں۔ اس علاقہ کا میں نے تھوڑا سا پانی پیا، فرات کے پانی کی طرح شیریں و خوشگوار تھا۔ بحر ابیض کا کچھ سفر طے کرنے کے بعد جزیرہ خضراء پہنچے، کشتی سے اتر کر شہر میں داخل ہوئے، شہر بارونق تھا، اس میں میوہ سے لدے ہوئے درخت اور چیزوں سے بھرے ہوئے بازار بہت زیادہ تھے اور اہل شہر بہترین زندگی گزار رہے تھے۔ اس پر کیف منظر سے میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

میرا دوست محمد اپنے گھر لے گیا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد جامع مسجد گئے۔ مسجد میں بہت سی جماعتیں تھیں اور ان کے درمیان ایک شخص تھا کہ جس کے جلال و عظمت کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کا نام سید شمس الدین محمد تھا۔ وہ لوگوں کو عربی، قرآن، فقہ اور اصول دین کی تعلیم دیتا تھا۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا: اپنے پاس بٹھایا، مزاج پرستی کی اور کہا میں نے شیخ محمد کو تمہارے پاس بھیجا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے میرے قیام کے لئے مسجد کا ایک کمرہ معین کرنے کا حکم دیا۔ ہم آرام کرتے اور شمس الدین اور ان کے اصحاب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اسی طرح اٹھارہ روز گزر گئے جب میں وہاں پہلے جمعہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ

سید شمس الدین نے نماز جمعہ واجب کی نیت سے ادا کی۔ میں نے کہا: کیا امام زمانہ حاضر ہیں کہ واجب کی نیت سے نماز پڑھی؟ کہا: امام حاضر نہیں ہیں لیکن میں ان کا خاص نائب ہوں۔ میں نے کہا: کیا کبھی آپ نے امام زمانہ کو دیکھا ہے؟ نہیں، لیکن والد صاحب کہتے تھے کہ وہ امام کی آواز سنتے تھے مگر دیکھتے نہیں تھے، ہاں دادا آواز بھی سنتے تھے اور دیکھتے بھی تھے۔ میں نے کہا: میرے سید سردار! کیا وجہ ہے کہ امامؑ کو بعض لوگ دیکھتے ہیں اور بعض نہیں؟ فرمایا: یہ بعض بندوں پر خدا کا لطف ہے۔

اس کے بعد سید نے میرا ہاتھ پکڑا اور شہر سے باہر لے گئے۔ وہاں میں نے ایسے باغات، چمن زاروں، نہروں اور بہت سے درختوں کا مشاہدہ کیا کہ جن کی نظیر عراق میں نہیں تھی۔ واپسی کے وقت ایک حسین و جمیل آدمی سے ہماری ملاقات ہوئی۔ میں نے سید سے پوچھا کہ یہ شخص کون تھا؟ کہا: کیا اس بلند پہاڑ کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، کہا: اس پہاڑ کے درمیان ایک خوبصورت جگہ ہے اور درختوں کے نیچے ایک خوشگوار پانی کا چشمہ ہے وہاں اینٹوں کا بنا ہوا ایک گنبد ہے یہ شخص اس قبہ کا نگہبان وخدمت گار ہے۔ میں ہر جمعہ کی صبح کو وہاں جاتا ہوں اور امام زمانہ کی زیارت کرتا ہوں اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد ایک کاغذ ملتا ہے کہ جس میں میری ضرورت کے تمام مسائل مرقوم ہوتے ہیں۔ تمہارے لئے بھی ضروری ہے وہاں جاؤ اور اس قبہ میں امام زمانہ کی زیارت کرو۔

میں اس پہاڑ کی جانب روانہ ہوا۔ قبہ کو میں نے ایسا ہی پایا جیسا کہ مجھے بتایا گیا تھا۔ وہاں وہ خادم بھی ملا۔ میں نے ان سے امام زمانہ سے ملاقات کی خواہش کی انہوں نے کہا: ناممکن ہے اور ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے کہا میرے لئے دعا کرو،

انہوں نے میرے لئے دعا کی، اس کے بعد میں پہاڑ سے اتر آیا اور سید شمس الدین کے گھر کی طرف روانہ ہوا ان سے راستہ میں کہیں ملاقات نہ ہوئی۔ میں اپنی کشتی کے ساتھ شیخ محمد کے گھر پہنچا اور پہاڑ کا ماجرا انھیں سنایا اور بتایا کہ ان خادموں نے مجھے ملاقات کی اجازت نہیں دی ہے۔ شیخ محمد نے بتایا کہ وہاں سید شمس الدین کے علاوہ کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ امام زمانہ کی اولاد سے ہیں ان کے اور امام زمانہ کے درمیان پانچ پشتیں ہیں وہ امام زمانہ کے خاص نائب ہیں۔

اس کے بعد میں نے سید شمس الدین سے خواہش کی کہ میں اپنی بعض دینی مشکلیں آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے سامنے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے صحیح قرائت بتادیں۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ پہلے میں نے قرآن شروع کیا، تلاوت کے درمیان قاریوں کا اختلاف بیان کیا تو سید نے کہا: ہم ان قرائتوں کو نہیں جانتے ہماری قرائت تو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے قرآن کے مطابق ہے۔ اس وقت انہوں نے حضرت علیؑ کے جمع کردہ قرآن کا واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ ابوبکر نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ بعد میں ابوبکر کے حکم سے قرآن جمع کیا گیا اور اس سے بعض چیزیں حذف کردی گئی ہیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آیت کے قبل و بعد میں ربط نہیں ہے۔

سید کی اجازت کے بعد تقریباً میں نے نوے مسائل ان سے نقل کئے خاص کے علاوہ کسی کو ان کے نقل کی اجازت نہیں دیتا ہوں۔

اس کے بعد اپنی مشاہدہ کردہ دوسری داستان نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

میں نے سید سے عرض کی: امام زمانہ سے ہمارے پاس کچھ احادیث پہنچی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص زمانۂ غیبت میں رویت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ جبکہ آپ

کہتے ہیں ہم سے بعض کی امام سے ملاقات ہوتی ہے، اس حدیث اور آپ کے بیان میں کیسے توافق ہو سکتا ہے؟ فرمایا: یہ احادیث صحیح ہیں، لیکن اس وقت کے لئے تھیں جب بنی عباس میں سے آپؑ کے بہت سے دشمن تھے۔ مگر اس زمانہ میں دشمن آپ سے مایوس ہو چکے ہیں اور ہمارے شہر بھی ان سے دور ہیں، کسی کی دسترسی اس میں نہیں ہے۔ لہٰذا اب ملاقات میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

میں نے کہا: سید! شیعہ امام سے کچھ احادیث نقل کرتے ہیں کہ خمس آپ نے شیعوں کے لئے مباح کیا ہے۔ کیا آپ نے امام سے یہ حدیث سنی ہے کہ امام نے خمس کو شیعوں کیلئے مباح کیا ہے۔ اس کے بعد وہ سید سے کچھ اور مسائل نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں: سید نے مجھ سے کہا: تم نے بھی ابھی تک امام کو دو مرتبہ دیکھا ہے لیکن پہچان نہیں سکے۔

خاتمہ میں کہتے ہیں: سید نے مجھ سے کہا: مغربی ممالک میں قیام نہ کرو، جتنی جلد ہو سکے عراق پلٹ جاؤ۔ چنانچہ میں نے ان کے حکم کے مطابق عمل کیا۔

ہوشیار: جزیرہ خضراء کی داستان ایسی ہی ہے جیسا کہ میں نے اس کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ آخر میں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ مذکورہ داستان کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ افسانہ کی حیثیت ہے کیونکہ:

اولاً: اس کی سند معتبر و قابل اعتماد نہیں ہے۔ یہ داستان ایک مجہول قلمی نسخے سے نقل کی گئی ہے چنانچہ اس کے متعلق خود مجلسیؒ لکھتے ہیں: چونکہ مجھے یہ داستان معتبر کتابوں میں نہیں ملی ہے اس لئے میں نے اس کو الگ باب میں نقل کیا ہے (تاکہ کتاب کے مطالب سے مخلوط نہ ہو جائے)

ثانیاً: داستان کے مطالب کے درمیان تناقض پایا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے

ملاحظہ فرمایا: سید شمس الدین ایک جگہ داستان کے راوی سے کہتے ہیں: "میں امام زمانہ کا خاص نائب ہوں اور ابھی تک امام زمانہ کو نہیں دیکھا ہے۔ میرے والد نے بھی نہیں دیکھا تھا لیکن ان کی آواز سنتے تھے جبکہ میرے دادا دیکھتے اور آواز سنتے تھے"۔ لیکن یہی سید شمس الدین دوسری جگہ داستان کے راوی سے کہتے ہیں: "میں ہر جمعہ کی صبح کو امام کی زیارت کے لئے جاتا ہوں، بہتر ہے تم بھی جاؤ"، داستان کے راوی سے شیخ محمد نے بھی یہی کہا تھا کہ صرف سید شمس الدین اور انہی جیسے لوگ امام کی خدمت میں مشرف ہو سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ فرمارہے ہیں کہ ان مطالب میں کتنا تناقض ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ سید شمس الدین جانتے تھے کہ اپنے علاوہ کسی کو زیارت کے لئے نہیں لے جاتے تو پھر داستان کے راوی سے یہ تجویز کیسے پیش کی کہ ملاقات کے لئے پہاڑ پر جاؤ۔

ثالثاً: مذکورہ داستان میں تحریف قرآن کی تصریح ہوئی ہے جو کہ قابل قبول نہیں ہے اور علمائے اسلام شدت کے ساتھ اس کا انکار کرتے ہیں۔

رابعاً: خمس کے مباح ہونے والا موضوع بھی کہ جس کی تائید کی گئی ہے، فقہا کی نظر میں صحیح نہیں ہے۔

بہرحال داستان رومانٹک انداز میں بنائی گئی ہے، لہٰذا بہت ہی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔ زین الدین نامی ایک شخص عراق سے تحصیل علم کے لئے شام جاتا ہے، وہاں سے اپنے استاد کے ساتھ مصر جاتا ہے اور وہاں سے پھر اپنے استاد ہی کے ہمراہ اندلس جاتا ہے، وہاں سے اپنے استاد کے ساتھ مصر جاتا ہے اور وہاں سے پھر اپنے استاد ہی کے ہمراہ اندلس جاتا ہے۔ طویل سفر طے کرتا

ہے۔ وہاں بیمار پڑتا ہے۔ اس کا استاد اسے چھوڑ دیتا ہے۔ افاقہ کے بعد، رافضیوں کے جزیرہ کا نام سن کر اس جزیرہ کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے کہ اپنے استاد کو بھول جاتا ہے، خطرناک اور طویل سفر طے کر کے رافضیوں کے جزیرہ پہنچتا ہے۔ جزیرہ میں زراعت نہیں ہوتی لہذا پوچھتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کی غذا کہاں سے آتی ہے؟ جواب ملتا ہے کہ ان کی غذا جزیرۂ خضراء سے آتی ہے. باوجودیکہ لوگوں نے یہ بتایا تھا کہ چار ماہ کے بعد کشتیاں آئیں گی لیکن اچانک چالیس ہی دن کے بعد آجاتی ہیں، ساحل پر لنگر انداز ہوتی ہیں اور ایک ہفتہ کے بعد اسے (راوی کو) اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بحر ابیض کے وسط میں سفید پانی دیکھتا ہے جو کہ شیریں و گوارا بھی ہے اس کے بعد ناقابل عبور جگہ سے گزر کر جزیرۂ خضراء میں داخل ہوتا ہے....

دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک عراقی طویل سفر طے کرنے کے بعد مختلف ممالک کے لوگوں سے گفتگو کرتا ہے اور ان سب کی زبان جانتا ہے، کیا اندلس کے باشندے بھی عربی بولتے تھے؟

دوسری قابل توجہ بات بحر ابیض کی داستان ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بحر ابیض روس کی جمہوریاؤں کے شمال میں واقع ہے۔ وہاں یہ واقعہ نہیں پیش آسکتا تھا۔ البتہ بحر متوسط کو بھی بحر ابیض کہتے ہیں۔ ممکن ہے یہ داستان وہاں کی ہو لیکن اس پورے سمندر کو بحر ابیض کہا جاتا ہے نہ کہ اس مخصوص علاقہ کو جسے داستان کے راوی نے سفید محسوس کیا تھا۔ اگر کوئی مذکورہ داستان میں مزید غور کرے گا تو اس کا جعلی ہونا واضح ہو جائے گا۔

خاتمہ پر اس بات کا ذکر کر دینا ضروری ہے ــــ جیسا کہ اس سے قبل آپ

ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔۔۔ ہماری احادیث میں بیان ہوا ہے کہ امام زمانہ اجنبی کی طرح لوگوں کے درمیان رہتے ہیں۔ عام مجموع اور حج میں شرکت کرتے ہیں اور بعض مشکلات کے حل میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

اس مطلب کے پیش نظر امام زمانہ، مستضعفین اور حاجت مندوں کی امید کا دور افتادہ علاقہ، سمندر کے بیچ میں اقامت گزیں ہونا نہایت ہی ناانصافی ہے۔ آخر میں معذرت خواہ ہوں کہ ایسی غیر معتبر داستان کی تشریح کیلئے آپ کا قیمتی وقت لیا۔

جلالی : امام زمانہ کی اولاد ہیں یا نہیں ؟

ہوشیار : ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کہ جو شادی اور اولاد کا قطعی ویقینی طور پر اثبات و نفی کرتی ہو۔ البتہ ممکن ہے خفیہ طور پر شادی کی ہو اور ایسے ہی اولاد کا بھی کسی کو علم نہ ہو اور جیسے مناسب سمجھتے ہوں عمل کرتے ہوں اگرچہ بعض دعاؤں کی دلالت اس بات پر ہے کہ امام زمانہ کی اولاد ہے یا اس کے بعد پیدا ہوگی۔ [1]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۱۷

ظہور کب ہوگا؟

ڈاکٹر : مہدی موعود کب ظہور فرمائیں گے ؟

ہوشیار : ظہور کے لئے کسی وقت کی تعیین نہیں ہوئی ہے بلکہ وقت کی تعیین کرنے والے کو ائمہ اطہار علیہم السلام نے جھوٹا قرار دیا ہے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

فضل کہتے ہیں : میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی : کیا مہدی کے ظہور کا وقت معین ہے ؟ امامؑ نے جواب میں تین مرتبہ فرمایا:

"جو شخص ظہور کے وقت کی تعیین کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔"[1]

عبدالرحمن بن کثیر کہتے ہیں : میں امام صادقؑ کی خدمت میں تھا کہ مہزم اسدی آئے اور عرض کی : میں آپؑ کے قربان، قائم آل محمدؐ کا ظہور اور حکومتِ حق کی تشکیل، کہ جس کے آپ منتظر ہیں، کب ہوگا ؟ آپؑ نے جواب دیا :

"ظہور کے وقت کی تعیین کرنے والا جھوٹا ہے، تعجیل کرنے والے ہلاک ہوتے ہیں اور سراپا تسلیم لوگ نجات پاتے ہیں اور

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۰۳

ان کی بازگشت ہماری طرف ہوتی ہے۔"[1]

محمد بن مسلم کہتے ہیں: امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا:

"جو شخص وقت ظہور کی تعیین کرتا ہے۔ اس کی تکذیب کرنے میں خوف محسوس نہ کرو کیونکہ ہم ظہور کے وقت کی تعیین نہیں کرتے"۔ اس سلسلہ میں دس احادیث اور ہیں۔[2]

ان احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہارؑ نے ظہور کے وقت کی تعیین نہیں کی ہے اور ہر غلط فائدہ اٹھانے والے کا راستہ بند کر دیا ہے۔ بس اگر امام کی طرف کسی ایسی حدیث کی نسبت دی جائے کہ جس میں وقت کی تعیین کی گئی ہو تو اسکی تاویل کی جائے اگر قابل تاویل ہے یا اس کے بارے میں سکوت کرنا چاہئے یا اسکی تکذیب کرنا چاہئے جیسے ابو لبید مخزومی کی ضعیف و مجمل حدیث میں امام کی طرف بعض مطالب کی طرف نسبت دی گئی ہے اور ان کے ضمن میں کہا ہے کہ ہمارا قائم "الر" میں قیام کرے گا۔[3]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۰۳

[2] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۰۴

[3] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۰۶

ظہور کی علامتیں

انجینئر : ظہور کی علامتیں کہاں تک صحیح ہیں ؟

ہوشیار : صاحب الامرؑ کے ظہور کی بہت سی علامتیں احادیث کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں لیکن اگر ہم ان سب کو بیان کریں تو بحث طولانی ہوجائیگی اور کئی جلسے اس میں گزر جائیں گے لیکن یہاں چند ضروری باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری ہے:

الف : بعض علامتوں کا مدرک' خبر واحد ہے کہ جس کی سند وطریق میں غیر موثق اور مجہول الحال اشخاص ہیں لہٰذا مفید یقین نہیں ہے۔

ب : اہل بیت کی احادیث میں ظہور کی علامتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ ان میں سے ایک حتمی وضروری ہے ، اس میں کوئی قید و شرط نہیں ہے ان کا ظہور سے قبل واقع ہونا ضروری ہے ۔ دوسری قسم حتمی نہیں ہے یہ وہ حوادث ہیں جو ظہور کی حتمی علامت نہیں ہیں بلکہ شرط سے مشروط ہیں اگر شرط واقع ہوگی تو یہ بھی ہوں گے اور اگر شرط نہ ہوگی تو یہ بھی نہ ہوں گے ۔ لہٰذا انھیں اجمالی طور پر ظہور کی علامتوں میں شمار کرنے میں مصلحت تھی ۔

ج ۔ جو چیزیں ظہور کی علامت ہیں وہ جب تک واقع نہ ہونگی اس وقت

صاحب الامر کا ظہور نہیں ہوگا اور ان کا وقوع اس بات کی دلیل ہے کہ فرج کا زمانہ ایک حدتک قریب آگیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ان علامتوں کے واقع ہوتے ہی بلا فصل امام زمانہ کا ظہور ہو جائے گا ۔ لیکن ان میں سے بعض کی تصریح ہوئی ہے کہ وہ امام کے ظہور سے نزدیک واقع ہونگی ۔

د۔ ظہور کی بعض علامتیں معجزانہ اور خارق العادت کے طور پر واقع ہونگی تاکہ مہدی موعود کے دعوے کے صحیح ہونے کی تائید کریں اور دنیا کے غیر معمولی حالات کو بیان کریں۔ یہ علامتیں ایسی ہی ہیں جیسے دیگر معجزات اور صرف اس لئے انھیں رد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ معمولی حالات کے موافق نہیں ہیں ۔

ھ ۔ ظہور کی علامتوں کی ایک قسم کتابوں میں ہمیں نظر آتی ہیں کہ جن کا واقع ہونا محال معلوم ہوتا ہے جیساکہ یہ کہا گیا ہے ظہور کے وقت مغرب سے سورج نکلے گا اور نصف ماہ رمضان میں سورج گہن لگے گا اور پھر اسی مہینہ کے نصف آخر میں گہن لگے گا ۔ دانشوروں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسے حوادث کے واقع ہونے سے کائنات کا نظام درہم وبرہم ہو جائے گا۔ اور شمسی نظام کی گردش میں تبدیلی آجائے گی ۔ لیکن واضح رہے ان علامتوں کا مدرک بھی خبر واحد ہے جو کہ مفید یقین نہیں ہے ۔ ان کی سند میں خدشہ وارد کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ بنی امیہ و بنی عباس کے خلفا کی جعل کی ہوئی ہیں ۔ کیونکہ اس زمانہ میں بعض لوگ حکومت وقت کے خلاف مہدی موعود کے عنوان سے قیام کرتے تھے اور اس طرح بہت سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا لیتے تھے ۔ خلفائے وقت نے جب یہ محسوس کیا کہ مہدی سے متعلق اصل احادیث کا انکار ممکن نہیں ہے تب انہوں نے دوسرا طریقہ سوچا تاکہ علویوں

کی نہضت و تحریک کو مختل کیا جا سکے اور لوگوں کو اس سے باز رکھا جا سکے۔ اس لئے انہوں نے محال علامتیں جعل کیں تاکہ لوگ ان علامتوں کے منتظر رہیں اور علویوں کی بات نہ مانیں۔ اگر صحیح احادیث ہوتیں تو کوئی بات نہ تھی ایسی علامتیں معجزانہ طور پر وجود میں آئیں گی تاکہ کائنات کے غیر معمولی حالات کا اعلان کریں اور حکومت حق کی ترقی کے اسباب فراہم کریں۔

سفیانی کا خروج

انجینئر: ظہور کی علامتوں میں سے ایک سفیانی ہے۔ یہ کون ہے اور اس کا قصہ کیا ہے؟

ہوشیار: بہت سی احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صاحب الامرؑ کے ظہور سے پہلے ابو سفیان کی نسل سے ایک شخص خروج کرے گا۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ظاہراً اچھا آدمی ہے ہمیشہ اس کی زبان پر ذکر خدا ہے۔ لیکن بدترین وخبیث ترین انسان ہے۔ بہت سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لے گا، اپنے ہمراہ لے کر چلے گا۔ پانچ علاقوں، شام، حمص، فلسطین، اردن اور قنسرین پر قابض ہو جائے گا اور بنی عباس کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے نابود کردے گا۔ بے شمار شیعوں کو قتل کریگا اس کے بعد صاحب الامرؑ کا ظہور ہوگا تو وہ امام زمانہ سے جنگ کے لئے اپنا لشکر بھیجے گا لیکن مکہ و مدینہ کے درمیان اس کا لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔

جلالی: آپ جانتے ہیں کہ بنی عباس کی حکومت مدتوں پہلے ختم ہو چکی ہے اس کا کہیں نام ونشان بھی باقی نہیں ہے کہ جسے سفیانی نابود کرے!

ہوشیار: امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

"بنی عباس کی حکومت فریب و نیرنگ سے وجود میں آئی ہے لہٰذا یہ اس طرح

تباہ ہو گی کہ اس کا کہیں نشان بھی نہیں ملے گا، لیکن پھر وجود میں آئے گی اور اس طرح اوج پر پہنچے گی گویا اسے کوئی دھچکا ہی نہیں لگا تھا۔[۱]"

اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بنی عباس کی دوبارہ حکومت ہوگی اور آخری مرتبہ سفیانی کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ سفیانی کے خروج کو ضروری کہا گیا ہے لیکن اس کے خروج کا زمانہ اور کیفیت معلوم نہیں ہے یعنی ممکن ہے بنی عباس کی حکومت کی تباہی سفیانی کے ہاتھوں نہ ہو بلکہ دوسروں کے توسط سے ہو۔

فہیمی: میں نے سنا ہے: چونکہ خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کے دل میں خلافت کی آرزو تھی اور وہ بنی مروان کے ہاتھوں میں خلافت کی زمام دیکھتا تھا اس لئے اس نے بنی امیہ کی حوصلہ افزائی کیلئے خروج سفیانی کی داستان گھڑی

خالد کے بارے میں صاحب اغانی لکھتے ہیں:[۲]

"وہ عالم و شاعر تھا، کہا جاتا ہے کہ سفیانی کی حدیث کو اسی نے جعل کیا ہے۔"

طبری لکھتے ہیں: "علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ نے شام میں ۱۵۹ھ میں خروج کیا تھا وہ کہتا تھا۔ میں سفیانی منتظر ہوں، اس طرح لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔"[۳] ان تاریخی شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ سفیانی کا خروج جعلی چیز ہے۔

۱۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص ۲۵۰

۲۔ اغانی ج ۱۶ ص ۱۴۱

۳۔ طبری ج ۷ ص ۲۵

ہوشیار : سفیانی کی احادیث کو عامہ وخاصہ دونوں نے نقل کیا ہے بعید نہیں ہے کہ متواتر ہوں۔ صرف احتمال اور ایک مدعی کے وجود سے باطل نہیں قرار دیا جا سکتا ہے اور جعلی نہیں کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ لوگوں کے درمیان حدیثِ سفیانی شہرت یافتہ تھی اور لوگ اس کے منتظر تھے بعض لوگوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا اور خروج کر کے کہنے لگے : ہم ہی سفیانی منتظر ہیں اور اس طرح ایک گروہ کو فریفتہ کر لیا۔

دجال کا واقعہ

جلالی : دجال کے خروج کو بھی ظہور کی علامتوں میں شمار کیا جاتا تھا اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کافر ہے، ایک چشم ہے، وہ بھی پیشانی کے بیچ میں ہے، ستارہ کی مانند چمکتی ہے۔ اس کی پیشانی پر لکھا ہے "یہ کافر ہے" اس طرح کہ پڑھا لکھا اور ان پڑھ سب اسے پڑھ سکیں گے۔ کھانے کے (پہاڑ) ہوٹل اور پانی کی نہر ہمیشہ اس کے ساتھ ہوگی، سفید خچر پر سوار ہوگا۔ ہر ایک قدم میں ایک میل کا راستہ طے کرے گا۔ اس کے حکم سے آسمان بارش برسائے گا، زمین گلہ اگائے گی۔ زمین کے خزانے اس کے اختیار میں ہوں گے۔ مردوں کو زندہ کرے گا۔ "میں تمہارا بڑا خدا ہوں، میں نے تمہیں پیدا کیا ہے اور میں ہی روزی دیتا ہوں، میری طرف دوڑو!" یہ جملہ اتنی بلند آواز میں کہے گا کہ سارا جہان سنے گا۔

کہتے ہیں رسول کے زمانہ میں بھی تھا، اس کا نام عبداللہ یا صائد بن صید ہے، رسول اکرمؐ اور آپؐ کے اصحاب اسے دیکھنے اس کے گھر گئے تھے۔ وہ اپنی خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ عمر اسے قتل کرنا چاہتے تھے لیکن پیغمبرؐ نے منع کر دیا تھا۔ ابھی تک زندہ ہے اور آخری زمانہ میں اصفہان کے مضافات میں سے یہودیوں کے گاؤں سے خروج کریگا۔[1]

---

[1] بحارالانوار ج ۵۲ ص ۱۹۳، صحیح مسلم ج ۸ ص ۴۶ تا ص ۸۵، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۱۲

علما نے تمیم الداری سے، جو کہ پہلے نصرانی تھا اور ۹ھ میں مسلمان ہوا تھا، سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: "میں نے مغرب کے ایک جزیرہ میں دجال کو دیکھا ہے کہ زنجیر و درغل میں تھا"[۱]

ھوشیار : انگریزی میں دجال کو انٹی کرالیسٹ (ANTICHRIST) کہتے ہیں، یعنی مسیح کا دشمن یا مخالف۔ دجال کسی مخصوص و معین شخص کا نام نہیں ہے بلکہ لغت عرب میں ہر دروغ گو اور حیلہ باز کو دجال کہتے ہیں۔ انجیل میں بھی لفظ دجال بہت استعمال ہوا ہے۔

یوحنا کے پہلے رسالہ میں لکھا ہے: "جو عیسیٰ کے مسیح ہونے کا انکار کرتا ہے، دروغگو اور دجال ہے کہ باپ بیٹے کا انکار کرتا ہے"[۲]

اسی رسالہ میں لکھا ہے: "تم نے سنا ہے کہ دجال آئے گا، آج بہت سے دجال پیدا ہو گئے ہیں مذکورہ رسالہ میں پھر لکھتے ہیں، وہ ہر اس روح کا انکار کرتے ہیں جو عیسیٰ میں مجسم ہوئی تھی اور کہتے ہیں وہ روح خدا نہیں تھی۔ یہ وہی روح دجال ہے جس کے بارے میں تم نے سنا ہے کہ وہ آئے گا وہ اب بھی دنیا میں موجود ہے"[۳]

یوحنا کے دوسرے رسالہ میں لکھا ہے "چونکہ گمراہ کرنے والے دنیا میں بہت زیادہ ہو گئے ہیں کہ جسم میں ظاہر ہونے والے عیسیٰ مسیح کا اقرار نہیں کرتے ہیں

---

[۱] صحیح مسلم ج ۱۸ ص ۷۹، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۱۴

[۲] رسالہ یوحنا باب ۲ آیت ۲۲

[۳] رسالہ اول باب ۲ آیت ۱۸

یہ ہیں گمراہ کرنے والے دجال"۔[۱]

انجیل کی آیتوں سے سمجھ میں آتا ہے کہ دجال کے معنی گمراہ کرنے والے اور دروغگو ہیں۔ نیز عیاں ہوتا ہے کہ دجال کا خروج، اس کا زندہ رہنا اس زمانہ میں بھی نصاریٰ کے درمیان مشہور تھا اور وہ اس کے خروج کے منتظر تھے۔

ظاہراً حضرت عیسٰی نے بھی لوگوں کو دجال کے خروج کی خبر دی تھی اور اس کے فتنہ سے ڈرایا تھا۔ اسی لئے نصاریٰ اس کے منتظر تھے اور قوی احتمال ہے کہ حضرت عیسٰی نے جس دجال کے بارے میں خبر دی تھی، وہ دجال و دروغگو حضرت عیسٰی کے پانچ سو سال بعد ظاہر ہوا تھا اور اپنی پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اسی کو دار پر چڑھایا گیا تھا نہ عیسٰی نبی کو۔[۲]

دجال کے وجود سے متعلق مسلمانوں کی احادیث کی کتابوں میں احادیث موجود ہیں، پیغمبر اسلامؐ لوگوں کو دجال سے ڈراتے تھے اور اس کے فتنہ کو گوش گزار کرتے تھے اور فرماتے تھے:

"حضرت نوح کے بعد مبعوث ہونے والے تمام پیغمبر اپنی قوم کو دجال کے فتنہ سے ڈراتے تھے۔[۳]"

رسولؐ کا ارشاد ہے: " اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک

۱۔ رسالہ اول یوحنا باب ۴ آیت ۳

۲۔ رسالہ دوم یوحنا آیت ۷

۳۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۹۷

تیس دجال، جو کہ خود کو پیغمبر سمجھتے ہیں، ظاہر نہیں ہوں گے۔[۱]

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

"اولاد فاطمہ سے پیدا ہونے والے دو دجالوں سے بچتے رہنا، ایک دجال وہ جو دجلہ بصرہ سے خروج کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے وہ دجال کا مقدمہ ہے۔[۲]

رسولؐ کا ارشاد ہے:

"اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک تیس دروغگو دجال ظاہر نہ ہوں گے اور وہ خدا اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھیں گے۔[۳]"

آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

"دجال کے خروج سے قبل ستر سے زیادہ دجال ظاہر ہوں گے۔[۴]"

مذکورہ احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دجال کسی معین و مخصوص شخص کا نام نہیں ہے بلکہ ہر دروغگو اور گمراہ کرنے والے کو دجال کہا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ دجال کے قصہ کو کتاب مقدس اور نصاریٰ کے درمیان تلاش کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اس کی تفصیل اور احادیث اہل سنت کی کتابوں میں ان ہی طریقوں سے نقل ہوئی ہیں۔

۱۔ سنن ابی داؤد ج ۲

۲۔ ترجمہ الملاحم والفتن ص ۱۱۳

۳۔ سنن ابی داؤد ج ۲

۴۔ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۳

بہرحال اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا صحیح ہونا بعید نہیں ہے لیکن اس کی جو تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ ان کا کوئی قابل اعتماد مدرک نہیں ہے[1]۔

دجال کا اصلی قضیہ اگرچہ صحیح ہے لیکن یہ بات بلا خوف و تردید کہی جاسکتی ہے افسانوں کی آمیزش سے اس کی حقیقی صورت مسخ ہوگئی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام زمانہ کے ظہور کے وقت آخری زمانہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جو فریب کار اور حیلہ سازی میں سب سے آگے ہوگا اور دروغگوئی میں گزشتہ دجالوں سے بازی لے جائے گا، اپنے جھوٹے اور رکیک دعووں سے ایک گروہ کو گمراہ کرے گا۔ چونکہ کھانا پانی اس کے ساتھ ہوگا اس لئے لوگ اس کی حقیقت سے غافل رہیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ زمین و آسمان اس کے ہاتھ میں ہیں، اتنا جھوٹ بولے گا کہ اچھائی کو برائی اور برائی کو اچھائی و نیکی ثابت کرے گا بہشت کو جہنم اور جہنم کو جنت بنا کر پیش کرے گا لیکن اس کا کفر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ لوگوں پر واضح ہے۔

اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ صائد بن صید دجال، رسولؐ کے زمانہ سے آج تک زندہ ہے۔ کیونکہ حدیث کی سند ضعیف ہے اس کے علاوہ پیغمبر اسلام کا قول ہے کہ دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوگا جبکہ صائد بن صید ان دونوں میں داخل ہوا اور مدینہ میں مرا چنانچہ ایک جماعت اس کی موت کی گواہ ہے۔ بالفرض پیغمبرؐ اکرم نے صائد بن صید کو اگر دجال کہا تھا تو وہ دروغگو کے معنی میں کہا تھا نہ کہ علائم ظہور والا دجال کہا تھا۔ بعبارت دیگر پیغمبر اسلام نے صائد بن صید سے ملاقات کی اور اپنے

---

[1] کیونکہ اس کا مدرک وہ حدیث ہے جو بحار الانوار میں نقل ہوئی ہے اور اس کی سند میں محمد بن عمر بن عثمان ہے جو کہ مجہول الحال ہے۔

اصحاب میں سے اسے دجال کا مصداق قرار دیا اور چونکہ بعد والے زمانہ میں دجال کے
خروج کی خبر دی تھی اس لئے دونوں موضوعات میں اشتباہ ہوگیا اور لوگ یہ سمجھ
بیٹھے کہ پیغمبرؐ نے صائد کو دجال کہا ہے لہٰذا یہی آخری زمانہ میں خروج کرے گا اور
اسی سے انہوں نے اس کی طول حیات کا نتیجہ بھی اخذ کر لیا ہے۔

دنیا والوں کے افکار

مقررہ وقت پر جلسہ شروع ہوا ڈاکٹر صاحب نے اس طرح سوال اٹھایا:

ڈاکٹر : انسانوں کے درمیان ان تمام رایوں اور عقائد کے اختلاف اور دیگر اختلافی مسائل کے باوجود یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے پوری دنیا کا نظم و نسق ایک حکومت کے اختیار میں ہوگا اور روئے زمین پر صرف مہدی کی حکومت ہوگی ؟!

ہوشیار : اگر دنیا کے عمومی حالات اور انسان کی عقل و ادراکات کی یہی حالت رہی تو ایک عالمی حکومت کی تشکیل بہت مشکل ہے۔ لیکن جیسا کہ گزشتہ زمانہ میں انسان کا تمدن و تعقل اور سطح معلومات وہ نہیں تھی جو آج ہے بلکہ اس منزل پر وہ مرور زمانہ اور حوادث و انقلاب زمانہ کے بعد پہنچا ہے۔ لہذا وہ اس سطح پر بھی نہیں رکے گا۔ بلکہ یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انسان کی معلومات میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے اور مستقبل میں تعقل و تمدن اور اجتماعی مصالح کے درک میں وہ اور زیادہ ترقی کرے گا۔ اپنے مدعا کے اثبات کے لئے ہم گزشتہ زمانے کے انسان کے حالات کا تجزیہ کرتے ہیں تاکہ مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرسکیں۔

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ خود خواہی اور منفعت طلبی طبیعی چیز ہے اور اسی کسب کمال سعادت طلبی اور حصول منفعت کے جذبہ نے انسان کو کوشش

وجانفشانی پر ابھارا ہے۔ منفعت حاصل کرنے کے لئے ہر انسان اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے اور اس راہ کے موانع کو برطرف کرتا ہے لیکن دوسروں کے فائدے کے بارے میں غور نہیں کرتا۔ ہاں جب دوسروں کے منافع سے اپنے مفادات وابستہ دیکھتا ہے تو ان کا بھی لحاظ کرتا ہے اور اپنے کچھ فوائد بھی ان پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

شاید اولین بار انسان خود خواہی کے زینہ سے اتر کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے شادی کے وقت تیار ہوتا ہے کیونکہ مرد و عورت یہ احساس کرتے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے اور اسی احتیاج کے احساس نے مرد و عورت کے درمیان ازدواجی رشتہ قائم کیا ہے۔ چنانچہ دونوں اس کو مستحکم بنانے کے سلسلہ میں خود خواہی کو اعتدال پر لانے اور دوسروں کے فوائد کو ملحوظ رکھنے کے لئے مجبور ہوتے۔ مرد و عورت کے یکجا ہونے سے خاندان کی تشکیل ہوئی۔ حقیقت ہے کہ خاندان کے ہر فرد کا مقصد اپنی سعادت و کمال کی تحصیل ہے لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک نے اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ اس کی سعادت خاندان کے تمام افراد سے مربوط ہے اس لئے وہ ان کی سعادت کا بھی متمنی ہوتا ہے اور اس کے اندر تعاون کا جذبہ قوی ہوتا ہے۔

انسان نے مدتوں خانوادگی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی اور رونما ہونے والے حوادث و جنگ سے مختلف خاندانوں کے افکار نے ترقی کی اور انہوں نے اس بات کا احساس کیا کہ سعادت مندی اور دشمنوں سے نمٹنے کے لئے اس سے بڑے معاشرہ کی تشکیل ضروری ہے۔ اس فکر کی ترقی اور ضرورت کے احساس سے طائفے اور قبیلے وجود میں آئے اور قبیلے کے افراد تمام افراد کے منافع کو ملحوظ رکھنے کے لئے تیار ہو گئے

اور اپنے ذاتی وخاندانی بعض منافع کو قربان کرنے کیلئے بھی آمادہ ہوگئے ۔ اسی فکری ارتقاء اور ضرورت کے احساس نے انسان کو طول تاریخ میں ایک ساتھ زندگی بسر کرنے پر ابھارا جس سے انہوں نے اپنی سکونت کیلئے شہر و دیہات آباد کئے تاکہ اپنے شہر والوں کے منافع کا لحاظ رکھیں اور ان کے حقوق سے دفاع کریں ۔

انسان مدتوں اسی نہج سے زندگی گزارتا رہا ، یہاں تک کہ حوادث زمانہ اور خاندانی جھگڑے اور طاقتوروں کے تسلط نے انسان کو چھوٹے سے دیہات کو چھوڑ کر شہر بنانے پر ابھارا کہ وہ اپنے رفاہ اور آسائش اور اپنے ہمسایہ دیہات و شہروں سے ارتباط رکھنے کے لئے بھی ہے تاکہ خطرے اور طاقتور دشمن کے حملہ کے وقت ایک دوسرے سے مدد حاصل کر سکیں ۔ اس مقصد کے تحت ایک بڑا معاشرہ وجود میں آیا اور اس کے وسیع علاقہ کو ملک و سلطنت کے نام سے یاد کیا جانے لگا ۔

ملک میں زندگی بسر کرنے والے انسانوں کی فکر نے اتنی ترقی کی کہ وہ اپنے ملک کی محدود سرزمین کو اپنا گھر سمجھتے ہیں اور اس ملک کے باشندوں کو ایک خاندان کے افراد شمار کرتے ہیں اور اس ملک کے اموال و ذخائر کو اس کے باشندوں کا حق سمجھتے ہیں ۔ اس ملک کے ہر گوشہ کی ترقی سے لذت اندوز ہوتے ہیں ۔ لسانی ، نسلی ، شہری اور دیہاتی اختلافات سے چشم پوشی کرتے ہیں اور ملک کے تمام باشندوں کی سعادت کو اپنی سعادت و کامیابی تصور کرتے ہیں ۔ واضح ہے کہ اس ملک کے افراد میں جس قدر فکری ہم آہنگی و ارتباط قوی ہوگا اور اختلاف کم ہوگا اسی کے مطابق اس ملک کی ترقیاں زیادہ ہوں گی ۔ انسان کا موجودہ تمدن و ارتقاء آسانی سے حاصل نہیں ہوا ہے بلکہ وہ صدیوں اور ہزاروں حوادث

اور گوناگوں تجربات کے بعد ترقی کے بلند مقام پر پہنچا ہے۔

ہزاروں سال کی طویل مدتوں اور حوادث زمانہ کے بعد انسان کی فکر نے ترقی کی اور کسی حد تک خود خواہی و کوتاہ نظری سے نجات حاصل کی لیکن اب بھی خاصی ترقی نہیں کی ہے اس پر اکتفا نہیں کرسکتا۔ آج بھی علمی و صنعتی ترقی کے سلسلہ میں دنیا کے ممالک کے درمیان خاص روابط برقرار ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے جو سفر انہوں نے چند ماہ کے دوران طے کیا ہے اسے آج بھی گھنٹوں اور منٹوں میں طے کررہے ہیں۔ دور دراز سے ایک دوسرے کی آواز کو سنتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ ملک کے حوادث و اوضاع ایک دوسرے مربوط ہوگئے ہیں ایک دوسرے میں سرایت کرتے ہیں۔ آج انسان اس بات کا احساس کررہا ہے کہ وہ اپنے ملک کی سرحدوں کو محکم طریقہ سے بند نہیں کرسکتا اور تمام ممالک سے قطع تعلق کرکے عزلت گزینی کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ عالمی حوادث اور انقلابات زمانہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ایک ملک کے معاشرہ اور اجتماع میں یہ طاقت نہیں ہے کہ لوگوں کی سعادت و ترقی کی راہ فراہم کرسکے اور انھیں حوادث و خطرات سے بچا سکے۔ اس لئے ہر ملک اپنے معاشرہ کو مضبوط بنانے کی کوشش کررہا ہے۔

بشر کی یہ درونی خواہش کبھی جمہوریت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کبھی مشرق و مغرب کے بلاؤں کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے کبھی اسلامی ممالک کے اتحادیہ کی شکل میں وجود پذیر ہوتی ہے کبھی سرمایہ داری اور کمیونسٹ نظام کے پیکر میں سامنے آتی ہے۔ اس اتحاد کی اور سیکڑوں مثالیں ہیں جو کہ روح انسان کے رشد اور اس کی وسعت طلبی کی حکایت کرتی ہیں۔

آج انسان کی کوشش یہ ہے کہ عمومی معاہدوں اور اتحاد کو وسعت دی جائے

ممکن ہے اس کے ذریعہ خطرات کا سدباب ہو سکے اور عالمی مشکلات و بحران کو حل کیا جا سکے اور روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کیلئے آسائش و رفاہ کے وسائل فراہم ہو سکیں۔

دانشوروں کا خیال ہے کہ انسان کی یہ کوشش و فعالیت اور وسعت طلبی ایک عالمی انقلاب کا مقدمہ ہے، عنقریب دنیائے انسانیت پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ اتحاد بھی محدود ہے لہٰذا عالمی خطرات و مشکلات کو حل نہیں کر سکتے یہ اتحاد صرف کسی درد کی دوا ہی نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کے مقابل میں صف آرا ہو کر مزید مشکلات کھڑی کر دیتے ہیں۔

انسان ابھی تجربہ کی راہ سے گزر رہا ہے تاکہ ان اتحادات کے ذریعہ جہاں تک ہو سکے خود خواہی کے احساس کو بھی ختم کرے اور عالمی خطرات و مشکلات کو بھی ختم کرے۔ وہ ایک روز اس حقیقت سے ضرور آگاہ ہوگا کہ خود خواہی اور کوتاہ نظری انسان کو سعادت مند نہیں بنا سکتی۔ اور لامحالہ اس بات کا اعتراف کرے گا کہ روئے زمین کا ماحول ایک گھر کے ماحول سے مختلف نہیں ہے۔ روئے زمین پر بسنے والے ایک خاندان کے افراد کی مانند ہیں۔ جب انسان اس بات کو سمجھ جائے گا کہ غیر خواہی میں خود خواہی ہے تو اس وقت دنیا والوں کے افکار و خیالات سعدی شیرازی کے ہم آواز ہو کر اس بات کا اعتراف کریں گے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگرند   کہ در آفرینش ز یک گوہرند

"انسان آپس میں ایک دوسرے کے اعضا ہیں کیونکہ انکی خلقت کا سرچشمہ ایک ہی ہے"

لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ جو قوانین و احکام اختلاف انگیز محدود نظام کے مطابق بنائے گئے ہیں وہ دنیا کی اصلاح کیلئے کافی نہیں ہیں۔ عالمی اور اقوامی اتحاد کی

انجمنوں کی تشکیل، حقوق بشر کی تنظیم کی تاسیس کو اس عظیم فکر کا مقدمہ اور انسانیت کی بیداری اور اس کی عقل کے کمال کا پیش خیمہ کہا جاسکتا ہے۔ اگرچہ انجمنوں نے بڑی طاقتوں کے دباؤں سے ابھی تک کوئی اہم کام انجام نہیں دیا ہے اور ابھی تک اختلاف انگیز نظاموں پر کامیابی حاصل نہیں کر سکی ہیں لیکن ایسے افکار کے وجود سے انسان کے تابناک مستقبل کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔

دنیا کی عام حالت و حوادث کے پیش نظر اس بات کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں انسان ایک حساس ترین دوراہے پر کھڑا ہوگا۔ وہ دوراہ عبارت ہے محض مادی گری یا خالص توحید سے۔ یعنی انسان یا تو آنکھیں بند کر کے مادیت کو قبول کرلے اور خدا کے احکام کو ٹھکرا دے یا خدا کو تخلیق کی مشنری کا حاکم تسلیم کرے اور خدائی احکام کو ٹھکرا دے یا خدا کو تخلیق کی مشنری کا حاکم تسلیم کرے اور خدائی احکام کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لے اور عالمی مشکلات اور بشر کی اصلاح آسمانی قوانین کے ذریعہ کرے اور غیر خدا کے قوانین کو ٹھکرا دے۔ لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ انسان کا خدا پرستی اور دین جوئی کا جذبہ ہرگز ٹھنڈا نہیں پڑتا ہے اور جیسا کہ آسمانی ادیان خصوصاً اسلام نے پیشین گوئی کی ہے کہ آخر کار خدا پرستوں ہی کا گروہ کامیاب ہوگا اور دنیا کی حکومت کی زمام و اقتدار صالح لوگوں کے اختیار میں ہوگا اور انسانوں کا بڑا معاشرہ انسانیت کے فضائل، نیک اخلاق اور صحیح عقائد پر استوار ہوگا۔ تمام تعصبات اور جھوٹے خدا نابود ہو جائیں گے اور سارے انسان ایک خدا اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ خدا پرستوں کا گروہ اور حزب توحید ایمان کے محکم و وسیع حصار میں جاگزین ہوگا اور رسول اسلام اور قرآن مجید کی دعوت کو قبول کرے گا

قرآن مجید نے دنیا والوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی ہے کہ :

"آؤ ہم سب ایک مشترک پروگرام کو قبول کرلیں اور یہ طے کرلیں کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور انسانوں میں سے کسی کو واجب الاطاعت نہ سمجھیں گے[۱]"

قرآن مجید اس عالمی انقلاب کے پروگرام کے بارے میں کہتا ہے کہ اسے نافذ کرنے کی صلاحیت صرف مسلمانوں میں ہے ۔ رسول اکرم نے خبر دی ہے کہ جو شائستہ اور غیر معمولی افراد انسان کے گوناگوں افکار و عقائد اور متفرق رایوں کو یکجا اور ایک مرکز پر جمع کریں گے اور انسانوں کی عقل کو کامل و بیدار کریں گے اور دشمنی کے اسباب وعوامل کا قلع قمع کریں گے ۔ صلح وصفائی برقرار کریں گے ۔ وہ مہدی موعود اور اولاد رسولؐ ہوں گی ۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :

"جب ہمارا قائم ظہور کرے گا تو بندوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان کے پراگندہ عقل وفکر کو ایک جگہ جمع کرے گا اور ایک مقصد کی طرف متوجہ کرے گا اور ان کے اخلاق کو کمال تک پہنچا دے گا[۲] ۔"

حضرت علیؑ بن ابیطالب فرماتے ہیں : "جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو لوگوں کے دلوں سے عداوت ودشمنی کی جڑیں کٹ جائیں گی اور عالمی امن کا دور ہو گا[۳] ۔"

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں : "ہمارے قائم کے ظہور کے بعد عمومی اموال اور زمین کے معادن و ذخائر آپؑ کے اختیار میں آئیں گے[۴]"

۱ـ آل عمران/۹۴
۲ـ بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۲۶
۳ـ بحار الانوار جلد ۵۲ ص۳۱۶
۴ـ بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۵۱

مستضعفین کی کامیابی

جلالی: آپ دنیا کی حالت کو جانتے ہیں کہ زمین کے ہر گوشہ میں مستضعفین و کمزور لوگوں پر ظالم و ستمگر و مستکبرین حکومت کر رہے ہیں، ان کی تمام چیزوں پر مسلط ہو گئے ہیں اور انھیں اپنی طاقت سے مرعوب کر رکھا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت مہدی کیسے انقلاب لائیں گے اور کیونکر کامیاب ہوں گے؟

ہوشیار: مستکبرین پر امام مہدی کی کامیابی دنیا کے مستضعفین کی کامیابی ہے۔ جو کہ اکثریت میں ہیں اور ساری قدرت انھیں کی ہے۔ مستکبرین کی تعداد بہت ہی کم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی لئے امام مہدی کی کامیابی کا امکان ہے یہاں میں ایک بات کی تشریح کر دوں تاکہ مدعا روشن ہو جائے۔

قرآن و احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا بھر کے مستضعفین آخر کار اس عالمی انقلاب میں مستکبرین پر کامیاب ہوں گے کہ جس کے قائد امام مہدی ہونگے اور طاغوتی نظام کو ہمیشہ کیلئے نابود کر کے دنیا کی حکومت کی زمام سنبھالیں گے۔ قرآن مجید میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ دنیا کے مستضعفین پر احسان کریں اور انہیں امام بنائیں اور زمین کا وارث قرار دیں اور زمین کی قدرت و تمکن

ان کے دست اختیار میں دیدیں۔"[1]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مذکورہ آیت اس بات کی حتمی نوید دے رہی ہے کہ دنیا کی طاقت اور جہان کا نظام مستضعفین کے ہاتھوں میں آئے گا۔ اس بنا پر امام مہدی کی کامیابی مستکبرین پر مستضعفین کی کامیابی ہو گی موضوع کی وضاحت کیلئے درج ذیل نکات پر توجہ فرمائیں:

استضعاف کے کیا معنی ہیں اور مستضعفین کون لوگ ہیں؟

مستکبرین کی کیا علامتیں ہیں؟

مستضعفین مستکبرین پر کیسے کامیاب ہوں گے؟

اس عالمی انقلاب کی قیادت کون کرے گا؟

قرآن مجید میں مستضعفین کو مستکبرین و طاغوت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لئے ان دونوں کی ایک ساتھ تحقیق کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید میں مستکبرین کی کچھ علامتیں اور خصوصیات ذکر ہوئے ہیں ایک جگہ فرعون جیسے مستکبرین کے لئے فرماتا ہے:

"بے شک فرعون نے زمین میں بہت سر اٹھایا تھا اور لوگوں میں اختلاف و تفرقہ پیدا کیا تھا ایک گروہ کو کمزور بنا دیا تھا ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا کیونکہ وہ مفسدوں میں سے تھا"[2]

---

[1] قصص / ۵

[2] قصص / ۴

مذکورہ آیت میں فرعون کیلئے جو کہ مستکبرین میں سے ہے، تین علامتیں بیان ہوئی ہیں؛ اول بڑا بننا اور برتری چاہنا۔ دوسرے لوگوں میں اختلاف وتفرقہ پیدا کرنا تیسرے فساد پھیلانا۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ:

"فرعون نے زمین میں بہت سر اٹھایا تھا کہ وہ اسراف کرنے والوں میں سے تھا۔[1]"

اس آیت میں اسراف اور سر اٹھانے کو بھی مستکبرین کی صفات قرار دیا گیا ہے دوسری آیت میں ارشاد ہے:

"فرعون نے موسیٰ کی تحقیر کی اور لوگوں نے اس کی اطاعت کی کیونکہ لوگ فاسق تھے۔[2]"

اس آیت میں لوگوں کی توہین کرنے کو مستکبرین کی صفات میں شمار کیا گیا ہے اور یہی معنا لوگوں کی اطاعت کے ہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

"موسیٰ نے قارون، فرعون اور ہامان کے سامنے واضح دلیلیں پیش کیں لیکن انہوں نے روئے زمین پر سر اٹھایا اور تکبّر کیا۔[3]"

مذکورہ آیت میں حق قبول نہ کرنے کو استکبار و سرکشی کی علامت قرار دیا

---

[1] یونس / ۸۳

[2] زخرف / ۵۴

[3] عنکبوت / ۳۹

گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے :

"قوم صالح کے مستکبرین مومن مستضعفین سے کہتے تھے : کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ صالح خدا کے رسول ہیں ؟ مومنین جواب دیتے تھے ہم صالح کی لائی ہوئی چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مستکبرین کہتے تھے جس چیز پر تمہارا ایمان ہے ہم اس کے منکر ہیں[۵]۔"

دوسری آیت میں کفر و شرک کی ترویج کو مستکبرین کی علامت شمار کیا گیا ہے :

"مستضعفین مستکبرین سے کہتے ہیں تمہاری رات، دن کی فریب کاریاں تھیں کہ تم ہمیں خدا سے کفر اختیار کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے کا حکم دیتے تھے[۶]۔"

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا مذکورہ آیت میں مستکبرین کی چند علامتیں بیان ہوئی ہیں :

۱۔ بڑا بننا اور برتری چاہنا ۲۔ تفرقہ و اختلاف پیدا کرنا۔
۳۔ اسراف ۴۔ لوگوں کو کمزور بنانا۔
۵۔ فساد پھیلانا، ۶۔ حق قبول کرنے سے منع کرنا۔
۷۔ کفر و شرک کی ترویج و اشاعت۔

مذکورہ تمام آیتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مستکبرین ان لوگوں کا

---

۵ اعراف/ ۷۶

۶ سبا/ ۳۳

گروہ ہے جو خواہ مخواہ خود کو دوسروں سے برتر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ لوگوں سے کہتے ہیں: ہم سیاست داں، عاقل اور ماہر ہیں۔ ہم تمہارے مصالح کو تم سے بہتر سمجھتے ہیں تمہاری عقل تمہارے مصالح کے ادراک کیلئے کافی نہیں ہے۔ تمہیں ہماری اطاعت کرنا چاہئے تاکہ کامیاب ہو جاؤ استکبار کا اہم کام اختلاف و تفرقہ پیدا کرنا ہے۔ کالے گورے مذہبی، نسلی، لسانی، قومی، ملی، ملکی، شہری، صوبائی اور دوسرے سیکڑوں اختلاف انگیز عوامل کے ذریعہ لوگوں میں تفرقہ اندازی کرتے ہیں۔ صرف اس لئے تاکہ لوگوں پر حکومت کریں، کفر و شرک کی ترویج کرتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو فریب دیتے ہیں اور ان کے سارے منافع ہڑپ کر لیتے ہیں۔ ان کے سارے امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ عمومی اموال پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اپنی مرضی سے جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔ ملک سے دفاع کے نام پر اسلحہ اور ایٹمی توانائی خریدتے ہیں عمومی ضرورتوں کو پورا کرنے اور امن و امان برقرار رکھنے کے نام پر قضاوت اور دیگر دفاتر کی تشکیل سے ذاتی فائدہ اٹھاتے ہیں، بیت المال کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں، اپنے ہمنواؤں کے درتیچے بھرتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف حکمرانی اور خود خواہی ہے مستکبرین بڑے نہیں ہیں ان کی اپنی کوئی طاقت نہیں ہے بلکہ فریب کاری سے لوگوں کی عظیم طاقت کو اپنی بتاتے ہیں اور انھیں حقیر سمجھتے ہیں۔

یہاں سے مستضعفین کے معنی بھی روشن ہو جاتے ہیں۔ مستضعف کے معنی ضعیف و ناتواں نہیں ہیں بلکہ مستضعف وہ لوگ ہیں جنہوں نے مستکبرین کے غلط پروپیگنڈے اور حیلہ بازیوں سے اپنی طاقت کو گنوا دیا ہے اور غلامی و ذلت میں مبتلا ہو گئے ہیں، حقیقی طاقت عام لوگوں کی ہے۔ زمین، پانی، قدرتی خزانے، پبلک

دانشور اور موجد سب ہی تو عام لوگ ہیں، مزدور، موجد، پولیس و فوج، انتظامیہ، عدلیہ، اور ادارے سب ہی ملت کے افراد سے تشکیل پاتے ہیں۔ صاحبان علم و اختراع اور صنعت بھی ملت ہی کے افراد ہوتے ہیں۔ اس بنا پر قدرتی خزانے پوری قوم کے ہوتے ہیں نہ کہ مستکبرین کے۔ اگر لوگ مدد و تعاون نہ کریں تو مستکبرین کی کوئی طاقت بن سکتی ہے؟ لیکن مستکبرین نے حیلے و فریب اور غلط پروپیگنڈے سے لوگوں کو اپنے سے بیگانہ اور مستضعف بنادیا ہے وہ خود ہی اپنے کو کچلتے ہیں اور استعماری طاقتوں کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ مستکبرین اقلیت میں ہیں جنہوں نے ہمیشہ لوگوں کو اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی ہے اور انھیں کمزور بنا کر ان پر حکومت کی ہے۔

لیکن خدا کے پیغمبر اس بات پر مامور تھے کہ ان لوگوں کو بیدار کریں جنھیں کمزور و مستضعف بنا دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی عظیم طاقت و توانائی سے آگاہ ہو جائیں اور مستکبرین کے چنگل سے نجات حاصل کریں۔ پیغمبروں نے ہمیشہ مستکبرین کے حقیقت کا پردہ چاک کرنے اور ان کی جھوٹی طاقت اور جلال کو پاش پاش کرنے کی کوشش کی ہے اور مستضعفین کو مستکبرین کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور ان کے استعماری پھندوں سے نجات حاصل کرنے کی جرأت دلائی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کی طاغوتی حکومت کے خلاف قیام کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی حکومت کے خلاف قیام کیا اور حضرت عیسیٰؑ اپنے زمانہ کے ظالم و ستمگروں کے خلاف اٹھے اور محروموں کو نجات دلانے کے لئے قیام کیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل، ابولہب، ابوسفیان اور قیصر و کسریٰ کے خلاف قیام کیا اور دنیا کے مستضعف و محروم لوگوں کی نجات کے لئے اٹھے۔ پیغمبر

مستکبرین کے خلاف لوگوں کو بیدار کرتے تھے۔ شرک وبت پرستی اور فساد سے مبارزہ کرتے تھے۔ لوگوں کو وحدانیت، خداپرستی اور وحدت کی دعوت دیتے تھے، ظلم وستم اور استکبار کی مخالفت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ وہ خدا کی عبادت کریں اور طاغوت سے اجتناب کریں۔[۱]"

فرماتا ہے "جو بھی طاغوت سے اجتناب کرتا ہے اور خدا پر ایمان لاتا ہے وہ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے۔[۲]"

قرآن مجید مستضعفین کی نجات کے لئے راہ خدا میں جہاد کرنے کو مسلمانوں کا فریضہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"مستضعفین کی نجات کے لئے راہ خدا میں جہاد کیوں نہیں کرتے؟ مرد عورتیں اور بچے فریاد کر رہے ہیں۔ ہمارے خدا! ہمیں اس ظالموں کے قریہ سے نکال لے اور اپنی طرف سے ہمارا سرپرست مقرر کردے اور ہمارا مددگار معین فرما۔ مومنین راہ خدا میں اور کفار راہ طاغوت میں جنگ کرتے ہیں۔ لہٰذا شیطان کے طرف داروں سے جنگ کرو کہ شیطان کا مکر چلنے والا نہیں ہے۔[۳]"

---

[۱] سورۂ نحل / آیت ۳۶

[۲] " بقرہ / " ۲۵۶

[۳] " نساء / " ۷۶

مذکورہ بحث سے چند چیزوں کا اثبات ہوتا ہے :

۱۔ جو مستکبرین لوگوں پر حکومت کرتے ہیں وہ اقلیت میں ہیں، ان کی اپنی کوئی طاقت نہیں ہے بلکہ وہ مستضعفین کی طاقت وقدرت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور انھیں قید وبند میں ڈال کر کمزور بناتے ہیں۔

۲۔ مستضعفین اکثریت میں ہیں حقیقی قدرت وتوانائی ان ہی کی ہے، وہ کمزور وناتواں نہیں ہیں بلکہ مستکبرین کے پروپیگنڈوں سے خود کو کمزور سمجھتے ہیں۔

۳۔ مستضعفین کی ناکامی اور بدبختی کا اہم ترین عامل ان کا احساس کمتری وکمزوری ہے، چونکہ وہ خود کو ناتواں اور مستکبرین کو قوی وطاقتور سمجھتے ہیں لہذا ان کے ہاتھوں کی کٹھپتلی بن جاتے ہیں اور ان کے اشاروں پر کام کرتے ہیں اور ہر قسم کی ذلت ومحرومیت کو قبول کر لیتے ہیں۔ ان میں مخالفت کی جرأت نہیں ہے۔ محروم ومستضعف لوگوں کی لا علاج بیماری یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عظیم طاقت کو فراموش کر دیا ہے اور مستکبرین کی جھوٹی طاقت کے رعب میں آگئے ہیں اور طاغوتیوں کیلئے ظلم وتعدی کا راستہ اپنے ہاتھوں سے کھول دیا ہے۔

۴۔ پسماندہ اور مستضعف طبقہ کی نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ اپنی عظیم وقوی گمشدہ شخصیت کو حاصل کریں ایک عالمی انقلاب وحملہ سے ساری بندشیں توڑ ڈالیں، اور مستکبرین وطاغوتیوں کی حکومت کو ہمیشہ کیلئے نابود کر دیں اور خود دنیا کی حکومت اور اس کے نظم ونسق کی زمام سنبھالیں کہ یہ کام بہت مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ اصلی قدرت وتوانائی عوام کے ہاتھ میں ہے، ان ہی کی اکثریت ہے اگر دانشور، موجد، ملازمین، ٹھیکیدار، پولیس، کسان اور صنعت گر سب ہی ہوش میں

آجائیں اور اپنی عظیم توانائی کو مستکبرین کے اختیار میں نہ دیں تو ان کی جھوٹی حکومت لمحوں میں ڈھیر ہو جائے گی۔ اگر ساری توانائیاں، دفاع، پولیس اور اسلحہ کو مستضعفین کی حمایت میں استعمال کیا جائے اور اس سلسلہ میں سب متحد ہو جائیں تو پھر مستکبرین کی کوئی طاقت باقی رہے گی؟

یہ کام اگرچہ بہت دشوار ہے لیکن ممکن ہے اور قرآن ایسے "تابناک زمانہ کی خوشخبری دے رہا ہے۔ ارشاد ہے:

"ہم چاہتے ہیں کہ مستضعفین پر احسان کریں، انھیں امام بنائیں اور انھیں زمین کا وارث بنائیں اور روئے زمین پر انھیں قوی بنائیں[1]"

یہ عالمی انقلاب' حضرت مہدی اور آپ کے اصحاب و انصار کے ذریعہ کامیاب ہوگا۔ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"جب ہمارا قائم قیام کرے گا اس وقت خدا وند عالم ان کا ہاتھ بندوں کے سر پر رکھے گا اور اس طرح ان کے حواس جمع اور عقل کامل کرے گا[2]"

قرآن و احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ عالمی اور عظیم انقلاب دین اور قوانین الٰہی کے عنوان کے تحت آئے گا۔ امام مہدی اس کی قیادت کریں گے اور شائستہ و فداکار مومنین آپ کی رکاب میں جہاد کریں گے۔

خدا نے ایمان لانے والوں اور عمل صالح انجام دینے والوں سے وعدہ کیا

---

[1] قصص / ۵

[2] بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۳۶

ہے کہ انھیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیساکہ پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور یہ خوش خبری دی ہے کہ جس دین کو ان کے لئے منتخب کیا ہے اس پر انھیں ضروری قدرت عطا کرے گا اور ان کے خوف کو امن وامان سے بدل دے گا کہ وہ خدا ہی کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے[۱]

احادیث میں آیا ہے کہ اس آیت سے حضرت مہدی اور ان کے انصار واصحاب مراد ہیں اور ان ہی کے ذریعہ پوری دنیا میں اسلام پھیلے گا اور تمام ادیان پر غالب ہوگا۔ قرآن مجید واحادیث ایسے دن کی خوش خبری دے رہی ہیں کہ جس میں دنیا کے مستضعفین خواب غفلت سے بیدار ہوں گے اور اپنی عظیم توانائی اور مستکبرین وطاغوتیوں کی ناتوانی کو سمجھیں گے اور مہدی کی قیادت میں توحید کے پرچم کے نیچے جمع ہونگے ایمان کی طاقت پر اعتماد کرکے ایک صف میں مستکبرین کے مقابلہ میں کھڑے ہوں گے اور ایک اتفاقی حملہ سے استکبار کے نظام کو درہم وبرہم کردیں گے۔ اسی تابناک زمانہ میں کفروشرک اور مادہ پرستی کا قلع قمع ہوگا، لوگوں کے درمیان سے اختلاف وتفرقہ بازی ختم ہوجائے گی۔ موہوم واختلاف انگیز سرحدوں کا اعتبار نہیں رہے گا اور ساری دنیا کے انسان صلح وصفائی اور آسائش وآرام کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔

---

[۱] نور / ۵۵

مہدی ظہور کیوں نہیں کرتے؟

جلالی: دنیا ظلم و جور اور کفر والحاد سے بھر چکی ہے تو دنیا کی آشفتہ حالی کو ختم کرنے کے لئے مہدی ظہور کیوں نہیں کرتے؟

ھوشیار: کوئی بھی تحریک و انقلاب اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے جب اس کیلئے ہر طرح کے حالات سازگار اور زمین ہموار ہوتی ہے۔ کامیابی کی اہم ترین راہ یہ ہے کہ سارے انسان اس انقلاب کے خواہاں ہوں اور سب اس کی تائید و پشت پناہی کیلئے تیار ہوں۔ اس صورت کے علاوہ انقلاب ناکام رہے گا۔ اس قاعدہ کلی سے انقلاب مہدی موعود بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ انقلاب بھی اسی وقت کامیاب ہوگا جب ہر طرح کے حالات سازگار اور زمین ہموار ہوگی۔ آپ کا انقلاب معمولی نہیں ہے بلکہ ہمہ گیر اور عالمی ہے۔ اس کا بہت عمیق و مشکل پروگرام ہے۔ آپ تمام نسلی، ملکی، لسانی، مقصدی اور دینی اختلافات کو ختم کرنا چاہتے ہیں تاکہ روئے زمین پر صرف ایک قوی نظام کی حکمرانی ہو کہ جس سے صلح و صفائی کے ساتھ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ منبع ہی سے پانی کی اصلاح کی جا سکتی ہے لہٰذا آپ اختلافی عوامل کو جڑ سے ختم کر دینا چاہتے ہیں تاکہ درندہ خصلت انسانوں سے درندگی کی عادت ختم ہو جائے اور وہ شیر و شکر کی طرح ایک ساتھ زندگی گزاریں۔ امام مہدی دنیا سے

کفر و الحاد کو نابود کر کے لوگوں کو خدائی قوانین کی طرف متوجہ کر کے دین اسلام کو عالمی آئین بنانا چاہتے ہیں۔

افکار و خیالات کے اختلاف کو ختم کر کے ایک مرکز پر جمع کرنا چاہتے ہیں اور چھوٹے خداؤں، جیسے سرحدی، لسانی، ملکی، گروہی، علاقائی اور چھوٹی شخصیتوں کو ذہن انسان سے نکال کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ نوع انسان اور معاشرۂ انسانی کو حقیقی کمال و سعادت سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں اور انسانی اخلاق و فضائل کے پایوں پر ایک معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں۔

اگرچہ ایسی باتوں کا لکھنا مشکل نہیں ہے لیکن محققین و دانشور جانتے ہیں کہ ایک ایسے عالمی و عمیق انقلاب کا آنا آسان نہیں ہے۔ ایسا انقلاب مقدمات، اسباب، عام ذہنوں کی آمادگی اور زمین ہموار ہونے کے بغیر نہیں آسکتا۔ ایسے عمیق انقلاب کا سرچشمہ دلوں کی گہرائی کو ہونا چاہیئے۔ خصوصاً مسلمانوں کو اس کا علم بردار ہونا چاہیئے. قرآن مجید بھی صلاحیت و شائستگی کو اس کی شرط قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ ہم اپنے شائستہ بندوں کو زمین کا وارث بنائیں گے[1]"

اس بنا پر جب تک نوع انسان رشد و کمال کی منزل تک نہیں پہنچے گی اور امام مہدی کی حکومت حق کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوگی، مہدی ظہور نہ فرمائیں گے۔ واضح

---

[1] انبیاء/ ۱۰۵

ہے کہ افکار کی آمادگی لمحوں میں نہیں ہوتی ہے بلکہ حوادث کے پیش آنے کے ساتھ طویل زمانہ میں ہوتی ہے اور تب لوگ کمال کی طرف مائل ہوتے ہیں لوگوں کو اس اور اس ملک کے بارے میں اس قدر بحث و مباحثہ کرنا پڑے گا اور موہوم سرحدوں کے اوپر اتنی جنگ و خونریزی کرنا پڑے گی کہ لوگ ایسی باتوں سے عاجز آجائیں گے اور سمجھ لیں گے کہ یہ سرحدیں تنگ نظر لوگوں کی ایجاد ہے۔ اس صورت میں وہ اعتباری اور اختلاف انگیز حدود سے ڈریں گے اور ساری دنیا کو ایک ملک اور سارے انسانوں کو ہم وطن اور نفع وضرر اور سعادت و بدبختی میں شریک سمجھیں گے۔ اس زمانہ میں کالے گورے، سرخ و پیلے، ایشیائی، افریقی، امریکی، یورپی، شہری، دیہاتی اور عرب عجم کو ایک نظر سے دیکھیں گے۔

انسان کی اصلاح، سعادت اور آسائش کے لئے دانشور ایسے قوانین مرتب کرتے رہیں اور پھر ان پر تبصرہ کریں اور ایک زمانہ کے بعد انھیں لغو قرار دیں اور ان کی بجائے دوسرے قوانین لائیں یہاں تک اس سے لوگ اکتا جائیں اور دنیا والے بشر کے قوانین کے نقصان اور قانون بنانے والے کی کم عقلی و کوتاہ فکری کا اندازہ لگالیں اور ان قوانین کے سایہ میں ہونے والی اصلاح سے مایوس ہوجائیں اور اس بات کا اعتراف کرلیں کہ انسان کی اصلاح صرف پیغمبروں کی اطاعت اور قوانین الٰہی کے نفوذ سے ہوسکتی ہے۔

بشر ابھی خدائی پروگرام کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اس کا خیال ہے کہ علوم و اختراعات کے ذریعہ انسان کی سعادت کے اسباب فراہم کئے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا وہ الٰہی اور معنوی پروگرام کو چھوڑ کر مادیات کی طرف دوڑتا

ہے اور اسے اتنا دوڑنا چاہئے کہ وہ عاجز آجائے اور سخت دھچکا لگے تو اس وقت اس بات کا اعتراف کرے گا کہ علوم و اختراعات اگرچہ انسان کو فضا کے دوش پر سوار کر سکتے ہیں ، اس کے لئے آسمانی کروں کو مسخر کر سکتے ہیں اور مہلک ہتھیار اس کے اختیار میں دے سکتے ہیں لیکن عالمی مشکلوں کو حل نہیں کر سکتے اور استعمار و بیدادگری کا قلع قمع کر کے انسانوں کو روحانی سکون فراہم نہیں کر سکتے ۔

جس وقت سے انسان نے حاکم و فرمانروا کو تلاش کیا ہے اور اس کی حکومت کو قبول کیا ہے اس وقت سے آج تک ان سے اس بات کی توقع رہی ہے اور رہے کہ وہ طاقتور اور ذہین افراد ظلم و تعدی کا سد باب کریں اور سب کی آسائش و آرام کا سامان کریں۔ لیکن ان کی یہ توقع پوری نہیں ہوتی ہے اور ان کے حسب منشا حکومت نہیں بنی ہے ۔ لیکن جب بارہا اس کا مشاہدہ ہو چکا کہ حالات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے ۔ دنیا میں بھانت بھانت کی حکومتوں کی تاسیس ہو فریب کار اور رنگ رنگ پارٹیاں تشکیل پائیں اور ان کی نااہلی ثابت ہو تاکہ انسان ان کی اصلاحات سے مایوس ہو جائے اور اسے خدائی اصلاحات کی ضرورت محسوس ہو اور وہ توحید کی حکومت تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو جائے ۔ ہشام بن سالم نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"جب تک ہر قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں حکومت نہیں آئے گی اس وقت تک صاحب الامر کا ظہور نہیں ہوگا ۔ تاکہ جب وہ اپنی حکومت کی تشکیل دیں تو کوئی یہ نہ کہے کہ اگر ہمیں حکومت ملی ہوتی تو ہم بھی اسی طرح عدل قائم کرتے ۔[1]"

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۲۴۴

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے :

"ہماری حکومت آخری ہے۔ جس خاندان میں بھی حکومت کی صلاحیت ہوگی وہ ہم سے حکومت کر لے گا۔ تاکہ جب ہماری حکومت تشکیل پائے تو اس وقت کوئی یہ نہ کہے کہ اگر ہمیں حکومت ملتی تو ہم بھی آل محمدؐ کی طرح عمل کرتے اور آیۂ والعاقبۃ للمتقین کے یہی معنی ہیں۔[1]"

گزشتہ بیان سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کی طبیعت ابھی توحید کی حکومت قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ اس نعمت سے ہمیشہ محروم رہے گا۔ بلکہ جو خدا ہر موجود کو مطلوبہ کمال تک پہنچاتا ہے وہ نوع انسان کو بھی مطلوبہ کمال سے محروم نہیں رکھے گا۔ انسان نے جس روز سے کرۂ زمین پر قدم رکھا ہے اسی دن سے وہ ایک سعادت مند و کامیاب اجتماعی زندگی کا خواہشمند رہا ہے اور اس کے حصول کی کوشش کرتا رہا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک تابناک زمانہ اور ایسے نیک معاشرہ کا متمنی رہا ہے کہ جس میں ظلم و تعدی کا نام و نشان نہ ہو انسان کی یہ دلی خواہش فضول نہیں ہے اور خداوند عالم ایسے مقصد تک پہنچنے سے نوع انسان کو محروم نہیں کرے گا۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ جس میں انسان کا ضمیر و دماغ پورے طریقہ سے بیدار ہوگا۔ گوناگوں قسم کے احکام و قوانین سے مایوس اور حکام و فرمانرواؤں سے ناامید ہوجائے گا، اپنے ہاتھ سے کھڑی کی ہوئی مشکلوں سے عاجز آجائے گا اور پورے طریقہ سے خدائی قوانین کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور لاینحل

---

[1] بحارالانوار ج ۵۲ ص۳۳۲

اجتماعی مشکلات کا حل صرف پیغمبروں کی تاسی میں محدود سمجھے گا۔ لسے یہ محسوس ہو گا کہ اسے دو گرانقدر چیزوں کی ضرورت ہے۔ ۱۔ خدا کے قوانین اور اصلاحات کیلئے الٰہی منصوبہ ۲۔ معصوم و غیر معمولی زمام دار کہ جو خدائی احکام و قوانین کے نفاذ و اجراء میں سہو و نسیان سے دوچار نہ ہو اور سارے انسانوں کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہو۔ خداوند عالم نے مہدی موعود کو ایسے ہی حساس و نازک زمانہ کیلئے محفوظ رکھا ہے اور اسلام کے قوانین و پروگرام آپ کو ودلیت کئے ہیں۔

دوسری وجہ

ظہور میں تاخیر کے سلسلہ میں اہل بیت کی روایات میں ایک اور علت بیان ہوئی ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خداوند عالم نے کافروں اور منافقوں کے اصلاب میں باایمان افراد کے نطفے ودلیت کئے ہیں اسی لئے حضرت علیؑ ان کافروں کو قتل نہیں کرتے تھے جن سے کوئی مومن بچہ پیدا ہونے والا ہوتا تھا تاکہ وہ پیدا ہو جائے اور اس کی پیدائش کے بعد جو کافر ہاتھ آجاتا تھا اسے قتل کر دیتے تھے۔ اسی طرح ہمارے قائم بھی اس وقت ظاہر نہ ہوں گے جب تک کافروں کے اصلاب سے خدائی امانت خارج نہ ہو گی۔ اس کے بعد آپؑ ظہور فرمائیں گے اور کافروں کو قتل کریں گے۔[1]"

---

[1] اثبات الهداة ج ۷، ص ۱۰۵

امام زمانہ خدا پرستی اور دین اسلام کو کافروں کے سامنے پیش کریں گے جو ایمان لے آئے گا وہ قتل سے نجات پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ تہ تیغ کیا جائے گا اور اہل مطالعہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ طول تاریخ میں کافر منافقوں کی نسل سے مومن و خدا پرست بچے پیدا ہوئے ہیں۔ کیا صدر اسلام کے مسلمان کافروں کی اولاد نہ تھے؟ اگر فتح مکہ میں رسول خدا کفار مکہ کا قتل عام کر دیتے تو ان کی نسل سے اتنے مسلمان وجود میں نہ آتے۔ خدا کے لطف و فیض کا یہ تقاضا ہے کہ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے تاکہ مرور ایام میں ان کی نسل سے مومن پیدا ہوں اور وہ خدا کے لطف و فیض کا مرکز بن جائیں۔ جب تک نوع انسان سے مومن و خدا پرست لوگ وجود میں آتے رہیں گے اس وقت تک وہ باقی رہے گی اور اسی صورت میں اپنا سفر طے کرتی رہے گی۔ یہاں تک کہ عمومی افکار توحید و خدا پرستی کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیں گے اور اس وقت امام زمانہ ظہور فرمائیں گے۔ بہت سے کفار آپ کے ہاتھ پر ایمان لائیں گے اور کچھ لوگ کفر و الحاد ہی میں غرق رہیں گے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن سے کوئی مومن پیدا نہ ہوگا۔

. . .

اس کے بعد جلسہ ختم ہو گیا اور طے پایا کہ آئندہ جلسہ ڈاکٹر صاحب کے گھر منعقد ہوگا۔

ظہور کے وقت کو کیسے سمجھیں گے؟

جلسہ کی کاروائی شروع ہوئی اور جناب جلالی صاحب نے یہ سوال اٹھایا:
امام زمانہ کو کیسے معلوم ہوگا کہ ظہور کا وقت آگیا ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت انھیں خدا کی طرف سے اطلاع دی جائے گی تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ پیغمبروں کی طرح آپؑ پر وحی ہوگی اور نتیجہ میں نبی و امام میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

ہوشیار: اول تو دلیل اور ان روایات سے جو کہ امامت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ امام کا بھی عالم غیب سے ارتباط رہتا ہے اور ضرورت کے وقت امام بھی حقائق سے آگاہ ہوتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ امام فرشتہ کی آواز سنتا ہے لیکن اسے مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔[1]

اس بنا پر ممکن ہے کہ خدا کے ذریعہ امام کو ظہور کے وقت کی اطلاع دے۔
حضرت امام صادق آیۂ فاذا نقر فی النّاقور کی تفسیر کے ذیل میں فرمایا:
"ہم میں سے ایک امام کامیاب ہوگا جو طویل مدت تک غیبت میں رہے گا اور جب خدا اپنے امر کو ظاہر کرنا چاہئے گا اس وقت ان کے قلب میں

---

[1] کافی ج ۱ ص ۲۷۱

ایک نکتہ ایجاد کرے گا اور آپؑ ظاہر ہو جائیں گے اور خدا کے حکم سے قیام کریں گے۔"[1]

ابو جارود کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی، میں آپ کے قربان، مجھے صاحب الامر کے حالات سے آگاہ کیجئے، فرمایا:

"شب میں آپ نہایت ہی خوف زدہ ہوں گے لیکن صبح ہوتے ہی مطمئن و پرسکون ہو جائیں گے آپ کے پروگرام شب و روز میں وحی کے ذریعہ آپ کے پاس پہنچتے ہیں۔" میں نے دریافت کیا: کیا امام پر بھی وحی ہوتی ہے ؟! فرمایا: "وحی ہوتی ہے لیکن نبوت والی وحی نہیں ہوتی بلکہ ایسی وحی ہوتی ہے جیسی وحی کی مریم بنت عمران اور مادر موسیٰ کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اے ابو جارود! قائم آل محمد خدا کے نزدیک مریم، مادر موسیٰ اور شہد کی مکھی سے کہیں زیادہ معزز ہیں۔"[2]

ایسی احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام کے اوپر بھی وحی والہام ہوتا ہے، جبکہ امام اور نبی میں فرق بھی رہتا ہے۔ کیونکہ نبی پر شریعت کے احکام و قوانین کی وحی ہوتی ہے اس کے برخلاف امام پر احکام و قوانین کی وحی نہیں ہوتی بلکہ وہ اسکی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ظہور کے وقت کی رسولؐ اسلام نے ائمہ کے توسط سے امام مہدی کو خبر دی ہو۔ اگرچہ کسی خاص حادثہ کے رونما ہونے ہی کو ظہور کی

---

[1] اثبات الھداۃ ج ۶ ص ۳۶۴

[2] ؍؍ ؍؍ ج ۷ ص ۱۴۲ و بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۸۹

علامت قرار دیا ہو اور امام زمانہ اس علامت کے ظہور کے منتظر ہوں۔

پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے :

"جب مہدی کے ظہور کا وقت آجائے گا تو اس وقت خدا آپ کی تلوار اور پرچم کو گویائی عطا کرے گا اور وہ کہیں گے : اے محبوب خدا اٹھئے اور دشمنان خدا سے انتقام لیجئے [1]"

مذکورہ احتمال کے شواہد میں سے وہ روایات بھی ہیں کہ جن کی دلالت اس بات پر ہے کہ تمام ائمہ کا دستور العمل خدا کی جانب سے رسول اکرم پر نازل ہوا تھا اور آپؐ نے اسے حضرت علی ابن ابی طالب کی تحویل میں دیدیا تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس صحیفہ کو کھولا اور اس کے مطابق عمل کیا اور اس کے بعد امام حسنؑ کی تحویل میں آپ کا صحیفہ دیدیا۔ اسی طرح ہر امام تک اس کا سربمہر دستور العمل پہنچا اور انھوں نے اس کو کھولا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ آج بھی امام زمانہ کے پاس آپؑ کا دستور العمل موجود ہے [2]

قیام کے اسباب

اس کے علاوہ اہل بیتؑ کی احادیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ظہور امام زمانہ کے وقت دنیا میں کچھ حوادث رونما ہوں گے جو آپ کی کامیابی

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۱۱

[2] کافی ج ۱ ص ۲۷۹

اور ترقی کے اسباب فراہم کریں گے چنانچہ ایک ہی رات میں آپؑ کے انقلاب کے اسباب فراہم ہو جائیں گے ملاحظہ فرمائیں۔

عبدالعظیم حسنیؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت جوادؑ نے ایک حدیث میں فرمایا:

"قائم ہی مہدی ہے کہ جن کی غیبت کے زمانہ میں ان کا منتظر اور ظہور کے وقت ان کا اطاعت گزار رہنا چاہئے وہ میرے تیسرے بیٹے ہیں۔ قسم اس خدا کی کہ جس نے محمدؐ کو مبعوث بہ رسالت کیا اور ہمیں امامت سے سرفراز کیا اگر دنیا کی عمر کا ایک ہی دن باقی بچے گا تو بھی خدا اس دن کو اتنا طولانی کر دے گا کہ وہ ظاہر ہو کر زمین کو عدل و انصاف سے پر کریں گے جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی تھی۔ خداوند عالم ایک رات میں آپ کے اسباب فراہم کرے گا جیسا کہ اپنے کلیم حضرت موسٰی کے امور کی بھی ایک ہی شب میں اصلاح کی تھی۔ موسٰی گئے تھے تاکہ اپنی زوجہ کے لئے آگ لائیں لیکن وہاں تاج نبوت و رسالت سے بھی سرفراز ہوئے۔"[1]

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"مہدی موعود ہم سے ہے خدا ان کے امور کی ایک رات میں اصلاح کرے گا۔"[2]

---

[1] اثبات الہداۃ ج ۶ ص ۴۲۲

[2] کتاب الحاوی الفتاوی، جلال الدین سیوطی طبع سوم ج ۲ ص ۱۲۴

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:

"صاحب الامر کی ولادت لوگوں سے مخفی رکھی جائے گی تاکہ ظہور کے وقت آپؑ کی گردن پر کسی کی بیعت نہ ہو۔ خداوند عالم ایک رات میں آپ کے امور کی اصلاح کرے گا۔[1]"

امام حسینؑ نے فرمایا:

"میرے نویں بیٹے میں کچھ جناب یوسف کی اور کچھ جناب موسیٰ کی سیرت روشن ہوگی۔ وہی قائم آل محمد ہیں۔ خداوند عالم ایک رات میں ان کے امور کی اصلاح کرے گا۔[2]"

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۹۶

[2] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۳۳

انتظار فرج

جلالی: امام زمانہ کی غیبت کے زمانہ میں مسلمانوں کا فریضہ کیا ہے ؟

ہوشیار: دانشوروں نے کچھ فرائض معین کرکے کتابوں میں رقم کئے ہیں۔ جیسے امام زمانہ کیلئے دعا کرنا، آپ کی طرف سے صدقہ دینا، آپ کی طرف سے حج کرنا یا کرانا، آپ سے استعانت و استغاثہ کرنا۔ یہ چیزیں سب نیک کام ہیں اور ان میں بحث کی ضرورت نہیں ہے لیکن روایات میں جو اہم ترین فریضہ بیان ہوا ہے اور جس کی وضاحت کی ضرورت ہے، وہ انتظار فرج کی فضیلت کے بارے میں ائمہ اطہار کی بہت زیادہ احادیث حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں مثلاً :

حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد ہے :

"جو شخص ہم اہل بیت کی محبت پر مرتا ہے جبکہ وہ منتظر فرج بھی ہو تو ایسا ہی ہے جیسے حضرت قائم کے خیمہ میں ہو[1]۔"

حضرت امام رضا ع نے اپنے آباء و اجداد کے واسطہ سے رسول خدا سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

---

[1] کمال الدین ج ۲ ص ۳۵۷

"میری امت کا بہترین عمل انتظار فرج ہے۔[1]"

حضرت علی بن ابی طالب کا ارشاد ہے:

"جو شخص ہماری حکومت کا انتظار کرتا ہے اس کی مثال راہ خدا میں اپنے خون میں غلطاں ہونے والے کی ہے۔[2]"

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں:

"صبر اور انتظار فرج کتنی بہترین چیز ہے؟! کیا لوگوں نے نہیں سنا ہے کہ خداوندعالم قرآن میں فرماتا ہے: تم انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں! پس صبر کرو کیونکہ ناامیدی کے بعد فرج نصیب ہوگا۔ تم سے پہلے والے زیادہ بردبار تھے۔[3]"

ایسی احادیث بہت زیادہ ہیں، ائمہ اطہارؑ نے شیعوں کو انتظار فرج کے سلسلہ میں تاکید کی ہے۔ فرماتے تھے: انتظار بجائے خود ایک فرج و خوشحالی ہے، جو شخص فرج کا منتظر رہے گا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو میدان جنگ میں کفار سے جہاد کرے اور اپنے خون میں غلطاں ہو جائے۔ اس اعتبار سے زمانہ غیبت میں انتظار فرج بھی مسلمانوں کا عظیم فریضہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انتظار فرج کے معنی کیا ہیں؟ اور انسان فرج کا منتظر کیسے ہو سکتا ہے کہ جس سے مذکورہ ثواب حاصل ہو سکے؟ کیا انتظار فرج کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ انسان زبان سے یہ کہدے کہ میں امام زمانہ کے ظہور کا منتظر ہوں؟ یا کبھی کبھی فریاد و آہ کے ساتھ یہ بھی کہے:

---

[1] کمال الدین ج ۲ ص ۳۵۷

[2] " " " ص ۳۸۸

[3] " " " ص ۳۵۸

اے اللہ ! امام زمانہ کے فرج میں تعجیل فرما ! یا نماز پنجگانہ کے بعد اور متبرک مقامات پر ظہور تعجیل کی دعا کرے ! یا ذکر و صلوات کے بعد اللھم عجل فرجہ الشریف کہے! یا جمعہ ،جمعہ باگریہ وزاری دعائے ندبہ پڑھے ؟

اگرچہ یہ تمام چیزیں بجائے خود بہت اچھی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ انسان ایسے امور کی انجام دہی سے حقیقی فرج کے منتظر کا مصداق نہیں بن سکے گا کیونکہ ائمہ کی زبانی اگی اتنی زیادہ فضیلتیں بیان ہوئی ہیں ۔ انتظار فرج کرنے والے کو میدان جہاد میں اپنے خون میں غلطاں انسان کے برابر قرار دیا ہے ۔

جو لوگ ہر قسم کی اجتماعی ذمہ داریوں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے پہلوتہی کرتے ہیں .فساد و بیدادگری پر خاموش بیٹھے رہتے ہیں ،ظلم وستم و کفر والحاد اور فساد کو تماش بینوں کی طرح دیکھتے ہیں اور ان حوادث پر صرف اتنا ہی کہتے ہیں : خدا فرج امام زمانہ میں تعجیل فرما تا کہ ان مفاسد کو ختم کریں ۔ میرے خیال میں آپ کا ضمیر اتنی سی باتوں سے مطمئن نہیں ہوگا اور انھیں آپ ان لوگوں کی صف میں کھڑا نہیں کریں گے جنہوں نے دین سے دفاع کی خاطر اپنے اہل و عیال اور مال و دولت سے ہاتھ دھولیئے ہیں اور میدان جہاد میں اپنی جان کو سپر قرار دیکر جام شہادت نوش کیا ہے ۔

اس بنا پر انتظار فرج کے دقیق اور بلند معنی ہونا چاہئیں ۔ اس مدعا کی مزید وضاحت کیلئے پہلے میں دو موضوعوں کو مقدمہ کے عنوان سے پیش کرتا ہوں ۔ اس کے بعد اصل مقصد کا اثبات کروں ۔

مقدمۂ اول : احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ امام زمانہ کے امور کا مفوضہ بہت وسیع اور دشوار ہے ۔ کیونکہ آپ کو پوری دنیا کی اصلاح کرنی ہے ظلم وستم کا

نام ونشان مٹانا ہے، کفر والحاد اور بے دینی کے نشانات کو محو کرنا ہے، سارے انسانوں کو خدا پرست بنانا ہے۔ دین اسلام کو دنیا والوں کیلئے سرکاری دین قرار دینا ہے۔ روئے زمین پر عدل وانصاف کو نافذ کرنا ہے۔ موہومی سرحدوں کو انسان کے ذہن سے نکالنا ہے تاکہ وہ سب صلح وصفائی کے ساتھ پرچم توحید کے سایہ میں زندگی بسر کریں۔ نوع انسانی کی تمام اقوام وملل اور نسلوں کو توحید کے علم کے سایہ میں لانا ہے اور اسلام کی عالمی حکومت کی تشکیل کرنا ہے۔ محققین و دانشور جانتے ہیں کہ ایسے قوانین کا نفاذ بہت مشکل کام ہے اور اتنا ہی دشوار ہے کہ ایک گروہ اسے ناممکن سمجھتا ہے۔ اس بنا پر یہ کام اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب بشریت کا مزاج ایسے پروگرام کو قبول کرنے کیلئے تیار ہو جائے اور عام افکار اتنی ترقی کر لیں کہ ایسے خدائی دستور العمل کی خواہش کرنے لگیں اور امام زمانہ آفتاب عدالت کے انقلاب کے اسباب ہر طرح سے فراہم ہو جائیں۔

دوسرا مقدمہ : اہل بیت کی احادیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ امام زمانہ اور آپ کے اصحاب وانصار جنگ وجہاد کے ذریعہ کفر والحاد پر کامیاب ہوں گے اور جنگی توانائی سے دشمن کی فوج اور ظلم وستم و بے دینی کے طرف داروں کو مغلوب کریں گے۔ اس سلسلہ کی احادیث میں سے چند یہ ہیں:

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"مہدی اپنے جد محمدؐ سے اس لحاظ سے مشابہ ہیں کہ شمشیر کے ساتھ قیام کریں گے اور خدا ورسولؐ کے دشمنوں، ستمگروں اور گمراہ کرنے والوں کو تہ تیغ کریں گے تلوار کے ذریعہ کامیاب ہوں گے آپ کے لشکر میں سے کسی کو بھی ہزیمت نہیں ہو گی"[1]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۲۱۸

بشیر کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی: لوگ کہتے ہیں کہ جب مہدی قیام کریں گے تو اس وقت ان کے امور طبعی طور پر روبرو ہو جائیں گے اور فصد کھلوانے کے برابر بھی خونریزی نہیں ہوگی؟ آپؑ نے فرمایا:

"خدا کی قسم حقیقت یہ نہیں ہے۔ اگر یہ چیز ممکن ہوتی تو رسول خدا کیلئے ہوتی۔ میدان جنگ میں آپ کے دانت شہید ہوئے اور پیشانی اقدس زخمی ہوئی۔ خدا کی قسم صاحب الامر کا انقلاب اس وقت تک برباد نہ ہوگا۔ جب تک میدان جنگ میں خونریزی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے پیشانی مبارک پر ہاتھ ملا۔[1]"

ایسی احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مہدی موعود کو صرف الٰہی تائید اور غیبی مدد کے ذریعہ کامیابی نہیں ہوگی اور یہ طے نہیں ہے کہ ظاہری طاقت سے مدد لئے بغیر معجزہ کے طور پر اپنے اصلاحی منصوبوں کو عملی جامہ پہنائیں، بلکہ تائید الٰہی کے علاوہ آپؑ جنگی اسلحہ اور فوج کو استعمال کریں گے۔ علوم و صنعت اور خوفناک جنگی اسلحہ کی اختراع کو بھی مدنظر رکھیں گے۔

مذکورہ دونوں مقدموں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ دیکھنا چاہئے کہ مہدی موعود کے ظہور کے شرائط کیا ہیں؟ آپؑ کے انقلاب و تحریک کے سلسلہ میں مسلمانوں کا کیا فریضہ ہے اور کس صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان آپؑ کے عالمی اور دشوار قیام کے لئے تیار ہیں اور خدا کی قوی حکومت کی تشکیل اور ظہور کے انتظار میں دن گن رہے ہیں؟

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۵۸

اہل بیت کی احادیث سے میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ غیبت کے زمانہ میں مسلمانوں کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ پہلے وہ سنجیدگی اور کوشش سے اپنے نفسوں کی اصلاح کریں، اسلام کے نیک اخلاق سے آراستہ ہوں، اپنے فردی فرائض کو انجام دیں قرآن کے احکام پر عمل کریں، دوسرے اسلام کے اجتماعی پروگرام کا استخراج کریں اور مکمل طور سے اپنے درمیان نافذ کریں اور اسلام کے اقتصادی پروگرام سے اپنی اقتصادی مشکلوں کو حل کریں، فقر و ناداری اور ناجائز طریقوں سے مال جمع کرنے والوں سے جنگ کریں اور اسلام کے نورانی قوانین پر عمل پیرا ہو کر ظلم و ستم کا سدباب کریں۔ مختصر یہ کہ سیاسی اجتماعی، اقتصادی، قانونی اور اسلام کے عبادی پروگراموں کو مکمل طور پر اپنے درمیان جاری کریں اور دنیا والوں کے سامنے اس کے عملی نتائج پیش کریں۔

تحصیل علم و صنعت میں سنجیدگی سے کوشش کریں اور اپنی گزشتہ غفلت و سستی اور پسماندگی کی تلافی کریں۔ بشری تمدن کے کاروان تک پہنچنا کافی نہیں ہے بلکہ ہر طریقہ سے دنیا والوں سے بازی جیت لینا ضروری ہے۔ دنیا والوں کو عملی طریقے سے یہ بتائیں کہ اسلام کے نورانی احکام و قوانین ہی ان کی مشکلوں کو حل کر سکتے ہیں اور ان کی دو جہان کی کامیابی کی ضمانت لے سکتے ہیں۔ اسلام کے واضح اور روشن قوانین پر عمل کر کے ایک قوی اور مقتدر حکومت کی تشکیل کریں اور روئے زمین پر ایک طاقت ور و متمدن اور مستقل اسلامی ملت کے عنوان سے ابھریں۔

مشرق و مغرب کی سینہ زوریوں کو روکیں اور دنیا والوں کی قیادت کی زمام خود سنبھالیں۔ جہاں تک ہو سکے دفاعی طاقت کو مضبوط اور نظامی طاقت کو محکم بنائیں اور جنگی اسلحہ کی فراہمی کے لئے کوشش کریں۔ تیسرے: اسلام کے اجتماعی، اقتصادی

اور سیاسی منصوبوں کا استخراج کریں اور دنیا والوں کے گوش گزار کردیں۔ خدائی منصوبوں کی قدر و قیمت سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ قوانین الٰہی کو قبول کرنے کیلئے دنیا والوں کے افکار کو آمادہ کریں۔ اسلام کی عالمی حکومت اور ظلم و بیدادگری سے جنگ کے مقدمات و اسباب فراہم کریں۔

جو لوگ اس راہ میں کوشش کرتے ہیں اور امام زمانہ کے مقصد کی تکمیل اور آپ کے انقلاب کیلئے اسباب فراہم کرتے ہیں، انہی کو فرج کا منتظر کہا جاسکتا ہے اور ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ خود کو امام زمانہ کے قیام کیلئے تیار کر رہے ہیں۔ ایسے فداکار اور کوشاں افراد کے سلسلہ میں کہا جاسکتا ہے کہ انکی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو میدان جنگ میں اپنے خون میں غلطاں ہوتے ہیں۔

لیکن جو لوگ اپنی مشکلوں کو انسان کے وضع کردہ قوانین سے حل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کے اجتماعی و سیاسی قوانین کو اہمیت نہیں دیتے، احکام اسلام کو صرف مسجدوں اور عبادت گاہوں میں محدود سمجھتے ہیں، جن کے بازار اور معاشروں میں اسلام کا نشان نہیں ہے، جو فساد و بیدادگری کا مشاہدہ کرتے ہیں اور صرف یہ کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ اے اللہ! فرج امام زمانہ میں تعجیل فرما۔ علوم و فنون میں دوسرے آگے ہیں، ہمارے درمیان اختلافات و پراگندگی کی حکمرانی ہے۔ غیروں سے روابط ہیں، اپنوں سے دشمنی ہے ایسی قوم کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فرج آل محمد اور انقلاب مہدی کی منتظر ہے۔ ایسے افراد اسلام کی عالمی حکومت کے لئے تیار نہیں ہیں اگرچہ وہ دن میں سیکڑوں بار اللّٰھم عجل فرجہ الشریف کہتے ہوں۔

اہل بیتؑ کی احادیث سے میں اس بات کو اچھی طرح سمجھا ہوں۔ اس کے علاوہ دوسری

روایات میں بھی اس موضوع کی طرف اشارہ ہوا ہے مثلاً: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:
"ہمارے قائم کے ظہور اور انقلاب کیلئے تم خود کو آمادہ کرو اگرچہ ایک تیر ہی ذخیرہ کرو۔"[1]
عبدالحمید واسطی کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی: ہم نے اس امر کے انتظار میں خرید و فروخت بھی چھوڑ دی ہے! فرمایا:
"اے عبدالحمید! کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جس نے اپنی جان راہ خدا میں وقف کردی ہے۔ خدا اس کی فراخی کیلئے کوئی انتظام نہیں کرے گا؟ خدا کی قسم اس کے لئے راستے کھل جائیں گے اور امور آسان ہو جائیں گے خدا رحم کرے اس شخص پر جو ہمارے امر کو اہمیت دیتا ہے۔" عبدالحمید نے کہا: اگر انقلاب قائم سے پہلے مجھے موت آگئی تو کیا ہوگا؟ فرمایا: "تم میں سے جو شخص بھی یہ کہتا ہے کہ اگر قائم آل محمدؐ کا میری حیات میں ظہور ہوگا تو میں آپ کی مدد کروں گا۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے امام زمانہ کی رکاب میں تلوار سے جہاد کیا ہے بلکہ جیسے آپؑ کی مدد کرتے ہوئے شہادت پائی ہو۔"[2]
ابو بصیر کہتے ہیں: ایک روز امام صادقؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:
"کیا میں تمہیں وہ چیز بتاؤں کہ جس کے بغیر خدا بندوں کے اعمال قبول نہیں کرتا ہے؟" ابو بصیر نے عرض کی: مولا، ضرور بتایئے۔ فرمایا: "وہ ایک خدا اور محمدؐ کی نبوت کی گواہی دینا، خدا کے دستورات کا اعتراف کرنا، ہماری محبت اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرنا، ائمہ کے سامنے

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۶۶

[2] کمال الدین ج ۲ ص۲۵۷

سراپا تسلیم ہونا، پرہیزگاری، جد وجہد اور قائم کا منتظر رہنا ہے۔
اس کے بعد فرمایا: ہماری حکومت مسلّم ہے جب خدا چاہے گا تشکیل پائے گی جو شخص ہمارے قائم کے اصحاب و انصار میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اسے چاہئے کہ انتظار فرج میں زندگی بسر کرے۔ پرہیزگاری کو اپنا شعار بنائے، اخلاق حسنہ آراستہ ہو اور اسی طرح ہمارے قائم کے انتظار میں زندگی بسر کرتا رہے اگر وہ اسی حال میں رہا اور ظہور قائم آل محمد سے پہلے موت آگئی، تو اسے اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا کہ جتنا امام زمانہ کے ساتھ رہنے والے کو ملیگا۔ شیعو! کوشش کرو اور امام مہدی کے منتظر رہو۔ اے خدا کی رحمت و لطف کے مستحقو! کامیابی مبارک ہو۔[1]

---

[1] غیبت نعمانی ص۱۰۶

قیام کے خلاف احادیث کی تحقیق

انجینئر : ہوشیار صاحب! آپ کی گزشتہ باتوں "انتظار فرج" کی بحث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام زمانہؑ کی غیبت میں شیعوں کا فریضہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی تاسیس اور اسلام کے سیاسی و اجتماعی قوانین کے اجراء کیلئے کوشش کریں اور اس طرح امام زمانہ کے عالمی انقلاب اور ظہور کے اسباب فراہم کریں میرے خیال میں آپ کی باتیں بعض احادیث کے منافی ہیں۔ جیسا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ بعض ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو کہ قیام و ظہور مہدی سے قبل کسی بھی تحریک و انقلاب کی ممانعت کرتی ہیں۔ اگر آپ تجزیہ کریں تو مفید ہوگا۔

ہوشیار : آپ کی یاد، دہانی کا شکریہ۔ ایسی احادیث، دو طریقوں سے تجزیہ و تحقیق کی جاسکتی ہے۔ پہلے تو سند کے اعتبار سے تحقیق ہونی چاہئے کہ وہ صحیح و معتبر ہیں یا نہیں۔ دوسرے دلالت کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ کسی بھی انقلاب و تحریک ممانعت کیلئے دلیل بن سکتی ہیں یا نہیں لیکن احادیث کی تحقیق و تحلیل سے قبل مقدمہ کے طور پر میں ایک اور بات عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اس طرح ہم مذکورہ مسئلہ سے دو حصوں میں بحث کریں گے۔

۱۔ اسلام میں حکومت

۲۔ احادیث کی تحقیق۔

اسلام میں حکومت

اسلام کے احکام و قوانین کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ دین اسلام صرف ایک عقیدتی اور عبادی دین نہیں ہے بلکہ عقیدہ، عبادت، اخلاق، سیاست اور معاشرہ کا ایک مکمل نظام ہے۔ کلی طور پر اسلام کے احکام و قوانین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ فردی احکام جیسے نماز، روزہ، طہارت، نجاست، حج، کھانا، پینا وغیرہ ان چیزوں پر عمل کرنے کے سلسلے میں انسان کو حکومت اور اجتماعی تعاون کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ تن تنہا اپنا فریضہ پورا کرسکتا ہے۔

۲۔ اجتماعی احکام، جیسے جہاد، دفاع، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، فیصلے، اختلافات کا حل، قصاص، حدود، دیات، تعزیرات، شہری حقوق، مسلمانوں کے آپسی اور کفار سے روابط اور خمس و زکوٰۃ، یہ چیزیں انسان کی اجتماعی و سیاسی زندگی سے مربوط ہیں۔ انسان چونکہ اجتماعی زندگی گزارنے کیلئے مجبور ہے، اور اجتماعی زندگی میں تزاحمات پیش آئیں گے لہٰذا اسے ایسے قوانین کی ضرورت ہے، جو ظلم و تجاوز کا سدباب کریں اور افراد کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ اسلام کے بانی نے اس اہم اور حیات بخش امر سے چشم پوشی نہیں کی ہے بلکہ اس کیلئے حقوقی جزائی اور شہری قوانین مرتب کئے ہیں اور اختلافات کے حل اور قوانین کے مکمل اجراء کیلئے عدالتی احکام پیش کئے ہیں۔ ان قوانین کی تدوین اور وضع سے یہ بات بخوبی سمجھ

میں آجاتی ہے کہ عدلیہ کا تعلق دین اسلام کے متن سے ہے اور شارع اسلام نے اس کی تشکیلات پر خاص توجہ دی ہے۔ اسی طرح اسلام کے احکام و قوانین کا معتدبہ حصہ راہِ خدا میں جہاد اور اسلام و مسلمین سے دفاع سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں دسیوں آیتیں اور سیکڑوں حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً: خداوند عالم مومنوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

جاهدوا فی سبیل الله حق جهاده (حج/۷۸)

راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کرو۔

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین لله (بقرہ/۱۹۳)

ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو جائے اور صرف دین خدا باقی رہے

فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون (توبہ/۱۲)

پس تم کفر کے سرغنہ لوگوں سے جنگ کرتے رہو کہ ان کے عہد کا کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ یہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔

ایسی آیتوں سے کہ جن کے بہت سے نمونے موجود ہیں، یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام کی نشر و اشاعت، کفر و استکبار اور ظلم و ستم سے جنگ مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ بلکہ بعض آیتوں میں تو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ مسلمان اپنی دفاعی طاقت کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں اور دشمن کے مقابلہ کے لئے مسلح رہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخیل ترهبون به عدو الله وعدوکم وآخرین من دونهم لا تعلمونهم الله یعلمهم۔ (انفعال/۶۰)

اور جہاں تک ہوسکے جنگی توانائی اور بندھے ہوئے گھوڑے فراہم کرو اور اس سے

دشمنان خدا اور اپنے دشمنوں اور دوسرے لوگوں پر دھاک بٹھاؤ تم انھیں نہیں جانتے مگر خدا انھیں جانتا ہے۔'

مذکورہ آیتوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلحہ کی فراہمی اور فوجی توانائی اسلام کا جزء ہے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ ہمیشہ دفاعی طاقت کے استحکام اور دشمنوں کے حملوں کو روکنے کیلئے مختلف قسم کا اسلحہ بنائیں کہ جس سے دشمنان اسلام ہمیشہ مرعوب و دہشت زدہ رہیں اور تعدی و تجاوز کی فکر ان کے ذہن میں خطور نہ کرے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اسلام کے اہم ترین احکام میں سے ہے اور یہ سب پر واجب ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ظلم و فساد، استکبار، تعدی و تجاوز اور معصیت کاری سے مبارزہ کریں، اسی طرح توحید، خدا پرستی کی اشاعت اور لوگوں کو خیر و صلاح کی طرف بلانے کی کوشش کرنا بھی واجب ہے اس اہم اور حساس فریضہ کی تاکید کے سلسلہ میں دسیوں آیتیں اور سیکڑوں احادیث وارد ہوتی ہیں۔ مثلاً:

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ (آل عمران/۱۰۴)

"تم میں سے کچھ لوگوں کو ایسا ہونا چاہئے کہ جو لوگوں کو نیکیوں کی طرف دعوت دیں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کریں۔"

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون

عن المنکر و تومنون باللہ (آل عمران/ ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

مختصر یہ کہ اسلام کا سیاسی و اجتماعی پروگرام اور احکام و قوانین جیسے جہاد، دفاع قضاوت، حقوقی، شہری و جزائی، قوانین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، فساد و بیداد گری سے مبارزہ، اجتماعی عدالت کا نفاذ ان سب کیلئے نظم و ضبط اور اداری تشکیلات کی ضرورت ہے اور ایک اسلامی حکومت کی تاسیس کے بغیر ان احکام کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کی تاسیس، جو کہ اسلام کے قوانین کے نفاذ اور اس کے سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، فوجی اور انتظامی و حقوقی پروگرام کے اجراء کی ضامن ہے، اسلام کا اصل نصب العین ہے۔ اگر شارع نے ایسے قوانین و پروگرام وضع کئے ہیں تو ان کے نفاذ کیلئے حاکم اسلام کی ضرورت کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ کیا جنگ و دفاع فوجی نظم و نسق کے بغیر ممکن ہے؟ کیا ظلم و بیداد گری، دوسروں کے حقوق کو غصب کرنے، اجتماعی عدالت کا نفاذ، احقاق حق اور ہرج و مرج کا سد باب عدلیہ اور انتظامی نظم و نسق کے بغیر ممکن ہے؟

چونکہ اسلام نے قوانین و پروگرام مرتب کئے ہیں اس لئے ان کے اجراء و نفاذ کا بھی منصوبہ بنایا ہے۔ اور یہی اسلامی حکومت کے معنی ہیں کہ حاکم اسلام یعنی ایک شخص ایک وسیع اداری امور کی زمام اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے اور قوانین الٰہی کو نافذ کر کے لوگوں میں امن و امان برقرار کرتا ہے۔ اس بنا پر حکومت متن اسلام میں واقع ہوتی ہے اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

رسولؐ خدا مسلمانوں کے زمامدار

رسول خداؐ اپنی حیات طیبہ میں عملی طور پر حکومت اسلامی کے زمامدار تھے مسلمانوں کے امور کے نگراں تھے۔ اور اس اہم ذمہ داری کی انجام دہی کی خاطر خدا کی طرف سے آپ کو بہت سے اختیارات دیئے گئے تھے۔ قرآن فرماتا ہے:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم (احزاب/٦)

نبی کو مومنین کے امور میں خود ان سے زیادہ تصرف کا حق حاصل ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوائھم

(مائدہ/۴۸)

جو احکام و قوانین ہم نے آپؐ پر نازل کئے ہیں ان کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان حکومت کیجئے اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔

اس بنا پر رسولؐ دو منصبوں کے حامل تھے ایک طرف وحی کے ذریعہ خدا سے رابطہ تھا اور ادھر سے شریعت کے احکام و قوانین لیتے تھے اور لوگوں تک پہنچاتے تھے اور دوسری طرف امت اسلامیہ کے زمام دار و حکمراں بھی تھے اور مسلمانوں کے سیاسی و اجتماعی پروگرام کا اجراء آپ ہی فرماتے تھے۔

رسولؐ خدا کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی روشن ہوجاتی ہے کہ آپؐ عملی طور پر مسلمانوں کے امور کی باگ ڈور اپنے دست مبارک میں رکھتے اور ان پر حکومت کرتے تھے۔ حاکم و فرمانروا مقرر کرتے، قاضی معین کرتے، جہاد و دفاع کا حکم صادر فرماتے مختصر یہ کہ آپؐ ان تمام کاموں کو انجام دیتے تھے جو ایک امت کیلئے

لازم ہوتے تھے ۔[1]

اس کام پر آپ خدا کی جانب سے مامور تھے ۔ آپ کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی تھی کہ اسلام کے سیاسی اور اجتماعی قوانین کو نافذ کریں ۔ مسلمان جہاد پر مامور تھے لیکن رسول خدا کو یہ حکم تھا کہ وہ انھیں جہاد و دفاع کیلئے ، آمادہ کریں ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"یا ایھا النبی حرّض المومنین علی القتال" (انعام/۲۵)

اے نبیؐ مومنین کو جہاد کی ترغیب دلایئے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم

(توبہ/۷۳)

اے نبیؐ کفار و منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے ۔

رسولؐ لوگوں کے درمیان حکومت و قضاوت کرنے پر مامور تھے ، قرآن کہتا ہے :

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ ولا تکن للخائنین خصیما ۔" (نساء/۱۰۵)

ہم نے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے تاکہ اس کے مطابق لوگوں کے درمیان حکم کریں جو خدا نے آپ کو دکھایا ہے اور خیانت کاروں کے حق میں عداوت نہ کیجئے ۔

ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول خدا نبی ہونے ، وحی لینے اور

---

[1] التراتیب الاداریہ اور کتاب الاموال مولفہ حافظ ابوعبید ملاحظہ فرمائیں ۔

اسے لوگوں تک پہنچانے کے علاوہ مسلمانوں کی حکومت اور زمامداری پر بھی مامور تھے اور اس بات پر مقرر تھے کہ اسلام کے سیاسی و اجتماعی احکام و پروگرام کو نافذ کر کے مسلمانوں پر حکومت کریں چنانچہ اس سلسلہ میں آنحضرت کو مخصوص اختیارات دیئے گئے تھے اور مسلمانوں پر آنحضرت کے حکومتی احکام کی اطاعت کرنا واجب تھا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اطیعو اللّٰہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم (نساء/۵۹)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے صاحبان امر کی اطاعت کرو۔

نیز ارشاد ہے:

"و اطیعو اللّٰہ و رسولہ و لا تنازعوا فتفشلوا" (انفال/۴۶)

اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو نزاع و اختلاف سے پرہیز کرو کہ کمزور پڑ جاؤ گے۔

و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ (نساء/۶۴)

اور ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا خدا کے حکم سے اس کی اطاعت ہوتی۔

ان آیتوں میں رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسولؐ کی بھی اطاعت خدا کی اطاعت اس طرح ہوگی کہ لوگ اس کے احکام کو قبول کریں جو کہ رسول کے ذریعہ بھیجے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں پر یہ واجب کیا گیا تھا کہ وہ رسول کے مخصوص احکام کی بھی اطاعت کریں۔ رسولؐ خدا کے مخصوص فرمان عبارت ہیں: وہ حکم و دستورات جو آپ مسلمانوں کے حاکم ہونے کی حیثیت سے صادر فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ

بھی واجب ہیں ۔ مختصر یہ کہ حکم خدا سے رسولؐ کی اطاعت واجب ہے ۔

اس بنا پر ابتدائے اسلام ہی سے حکومت دین کا جزو تھی اور عملی طور پر پیغمبر اس کے عہدہ دار تھے ۔

اسلامی حکومت رسولؐ کے بعد

رسول کی وفات کے بعد نبوت اور وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ۔ لیکن دین کے احکام و قوانین اسلام کے سیاسی اور اجتماعی پروگرام مسلمانوں کے درمیان باقی رہے ۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کیا رسول اکرم کی رحلت کے بعد آپؐ کی حاکمیت کا منصب بھی نبوت کی طرح ختم ہو گیا ؟ اور اپنے بعد رسول خدا نے کسی کو حاکم و زمام دار مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس ذمہ داری کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے ۔ یا اس اہم و حساس موضوع سے آپؐ غافل نہیں تھے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے کسی شخص کو منتخب فرمایا تھا ؟

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلام خود مسلمانوں کے حاکم اور اسلام کے قوانین و پروگرام کو نافذ کرنے والے تھے ، آپ اسلامی حکومت کے دوام کی ضرورت کو بخوبی محسوس کرتے تھے ۔ آنحضرتؐ اچھی طرح جانتے تھے کہ بغیر حکومت کے مسلمان زندہ نہیں رہ سکتے اور اسلامی حکومت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جب اس کو چلانے کی ذمہ داری اسلام شناس، عالم ، پرہیزگار ، امین اور عادل انسان کے دوش پر ڈالی جائے ، تاکہ وہ دین کے احکام و قوانین کو نافذ کر کے اسلامی حکومت کو دوام بخشے ۔ اسی لئے رسول اکرم نے ابتداء تبلیغ رسالت ہی سے خداوند عالم کے حکم کے مطابق مناسب موقعوں پر حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو مسلمانوں کے امام و خلیفہ کے عنوان سے پہچنوایا ہے اس سلسلہ میں

احادیث شیعہ و اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں غدیر خم کے مقام پر قافلہ روک کر ہزاروں صحابہ کے سامنے فرمایا:

الست اولیٰ بالمومنین من انفسهم؟ قالوا بلیٰ یا رسول اللّٰہ فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ ثم قال: اللّٰهم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ فلقیہ عمر بن الخطاب فقال: هنیئاً لك یا ابن ابی طالب۔ اصبحت مولای ومولا کل مومن ومومنۃ۔[1]

رسولؐ نے لوگوں سے فرمایا: کیا میں مومنین کے نفسوں پر ان سے زیادہ حق نہیں رکھتا ہوں؟ اصحاب نے عرض کی: بے شک، اللہ کے رسول، اس وقت آپؐ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں۔ پھر فرمایا: بارالٰہا علی کے دوست کو دوست اور ان کے دشمن کو دشمن۔ پس عمر بن خطاب نے حضرت علی سے ملاقات کی اور کہا: فرزند ابوطالب مبارک ہو کہ آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا بن گئے۔"

ایسی احادیث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ رسولؐ نے اپنی حاکمیت کو دائمی بنا کر اسے علی بن ابی طالب کے سپرد کر دیا ہے۔ اس سے پہلے اس منصب کیلئے آپ کو آمادہ کیا اور ضروری علوم و اطلاع آپ کے اختیار میں دیں۔ آنحضرت جانتے تھے کہ علی ذاتی علم و عصمت کے حامل ہیں اور منصب امامت کے لائق ہیں۔ اسی لئے آپ نے

---

[1] ینابیع المودۃ / ۲۹۷

خدا کے حکم سے حضرت علی کو اس منصب کیلئے منتخب کیا اور اس حیثیت سے پہنچوایا ۔حضرت علی اسلام کے احکام و قوانین کے حافظ بھی تھے اور حاکم اسلام و مجری قوانین بھی تھے رسول نے غدیر میں حضرت علی کے اختیار میں اپنا اولی بالتصرف کا منصب دیا ۔ اور عمر بن خطاب کے ذہن میں بھی ان ہی معنی نے خطور کیا اور انہوں نے علی سے کہا : اے ابوطالب کے بیٹے مبارک ہو کہ آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا بن گئے ۔

مسلمان بھی یہی سمجھے چنانچہ انہوں نے امیرالمومنین کی بیعت کی وفاداری کا اظہار کیا اگر ان معنی میں علی کو مولا نہ بنایا گیا ہوتا تو بیعت کی ضرورت نہ ہوتی ۔ !

علیؑ جانشین رسولؐ

رسول خدا نے خدا کے حکم سے حضرت علیؑ کو مسلمانوں کا امام و زمام دار منصوب فرمایا اور اس طرح آپ نے مسلمانوں کی امامت کو دائمی بنا دیا ۔لیکن آپ کی وفات کے بعد بعض صحابہ نے اختلاف کیا ، لوگوں کی کمزوری اور جاہلیت سے غلط فائدہ اٹھایا اور حضرت علیؑ کے شرعی حق کو غصب کر لیا اور اسلامی حکومت کو اس کے حقیقی وارث سے جدا کر دیا ۔حضرت علیؑ کے بیعت نہ کرنے ، خطبے دینے ، احتجاج کرنے اور شکوہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں کی حاکمیت و زمام داری کو غصب کر لیا گیا تھا ۔خلفاء نے دین کے احکام و معارف کو حضرت علیؑ سے نہیں لیا تھا ۔اگرچہ آپ کے علمی تبحر و مرتبہ کے معترف تھے یہاں تک کہ مشکل مسائل میں آپؑ سے رجوع کرتے تھے ۔

جس وقت خلافت حضرت علیؑ کے ہاتھ میں آئی اور آپؑ نے خلافت کے تمام امور جیسے حاکم و فرمانروا کا تقرر ، قضات کا انتخاب ، زکواۃ و خمس کی وصولیابی کی

ذمہ داری کا سپرد کرنا، جہاد و دفاع کا حکم صادر کرنا اور سپہ سالاروں کے تقرر کو اپنے اختیار میں لے لیا تو طلحہ و زبیر نے آپ کی مخالفت کی اور جنگ جمل برپا کر دی وہ آپ کی حکومت کے مخالف تھے آپ کے علمی مرتبہ اور احکام و معارف کے بیان کے مخالف نہیں تھے۔ احکام کے بیان میں معاویہ کو بھی آپ سے کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ اس نے حکومت اور تخت خلافت کے سلسلہ میں آپ سے جنگ کی تھی۔

اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ رسول اکرم کی وفات سے اسلامی حکومت ختم نہیں ہوئی بلکہ حضرت علی بن ابی طالب کے خلیفہ منصوب ہونے سے اسلامی حکومت کے باقی رکھنے کی تصریح ہوگئی اور اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ شارع اسلام نے سیاسی و اجتماعی قوانین کے نافذ کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا ہے۔ یعنی اسلامی حکومت کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیئے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے بعد امام و خلیفہ اور حاکم منتخب کیا اور امام حسنؑ نے اپنے بعد اپنے بھائی امام حسینؑ اور امام حسینؑ نے اپنے بیٹے امام زین العابدین کو منصوب کیا اور اس طرح بارہویں امام حضرت حجۃ بن الحسن تک ہر امام نے اپنے بعد والے امام کا تعارف کرایا۔ خداداد علم و عصمت اور طہارت اور اپنے ذاتی کمال و صلاحیت کے علاوہ مسلمانوں کے امام و حاکم بھی منصوب ہوئے۔ اس بنا پر مسلمانوں کی امامت اور معصوم حکمرانوں کو اسلام سے جدا نہیں کیا جا سکتا اگر چہ حضرت علی بن ابی طالب کے علاوہ بظاہر کوئی امام بھی اپنا شرعی حق حاصل نہیں کر سکا اور اسلامی حکومت کو جاری نہ رکھ سکا۔

زمانۂ غیبت میں اسلامی حکومت

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اسلام کے سیاسی اور اجتماعی پروگرام

کی کیا کیفیت ہے ؟ جس زمانہ میں معصوم امام و حاکم تک رسائی نہیں ہے کیا اس میں شارع اسلام نے احکام و منصوبوں سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کا کوئی فریضہ نہیں ہے ؟ کیا اسلام یہ سارے قوانین صرف رسول کی حیات ہی کے مختصر زمانہ کیلئے تھے؟ اور اس وقت سے ظہور امام مہدی تک ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے ؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اس طویل زمانہ میں جہاد، دفاع، حدود کے اجراء قصاص و تعزیرات ظلم و بیدادگری سے جنگ، مستضعفین اور محروموں سے دفاع، فساد و سرکشی اور معصیت کاری سے مبارزہ سے دست کشی کرلی ہے اور ان کے نفاذ کو حضرت مہدی کے ظہور پر موقوف کر دیا ہے ؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں آیات و احادیث صرف کتابوں میں بحث کرنے کیلئے آئی ہیں ؟ میرے خیال میں کوئی باشعور مسلمان ایسی باتوں کو قبول نہیں کرے گا ؟ مسلمان خصوصاً مفکرین یہی کہیں گے کہ یہ احکام بھی نفاذ ہی کے لئے آئے ہیں ۔ اگر حقیقت یہی ہے تو تمام زمانوں کو منجملہ اس زمانہ کو قوانین کے اجراء سے کیوں نظر انداز کر دیا ہے ؟ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام نے سیاسی و اجتماعی منصوبے بنائے ہیں لیکن انھیں عملی جامہ پہنانے کیلئے حاکم مقرر نہیں کئے ہیں ۔

زمانۂ غیبت میں مسلمانوں کا فریضہ

یہ بات صحیح ہے کہ پیغمبر اور معصوم امام کو خدا کی طرف سے مسلمانوں کا حاکم منصوب کیا گیا ہے اور ان کے امور کی زمام ان ہی کے ہاتھ میں دی گئی ہے ۔ اور اس سلسلہ میں انھیں کوشش کرنی چاہئے لیکن اصلی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کی گئی ہے اور وہ یہ کہ وہ اسلامی حکومت کی تأسیس و استحکام اور پیغمبر و امام کو طاقت فراہم کرنے کے

سلسلہ میں مخلصانہ کوشش کریں اور ان کے تابع رہیں ۔ اسی طرح جب معصوم امام تک رسائی ممکن نہ ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی تاسیس اور اسلام کے سیاسی و اجتماعی منصوبوں کے اجراء کیلئے کوشش کریں چونکہ اسلام نے کسی زمانہ میں یہاں تک کہ اس زمانہ میں بھی اپنے احکام کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور مسلمانوں کو ان پر عمل کرنے کی دعوت دی ہے ۔ اکثر احکام و قوانین مسلمانوں کو مخاطب کر کے بیان کئے گئے ہیں مثلاً قرآن مجید فرماتا ہے :

وجاهدوا فی الله حق جهاده (حج / ۷۸)

راہ خدا میں حق جہاد ادا کرو ۔

انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله

(توبہ / ۴۱)

مسلمانو! تم ہلکے ہو یا بھاری راہ خدا میں اپنے اموال اور نفوس سے جہاد کرو ۔

تومنون بالله و رسوله وتجاهدون فی سبیل الله

(صف / ۱۱)

تم خدا و رسول پر ایمان رکھتے ہو راہ خدا میں جہاد کرو ۔

وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا (بقرہ / ۱۹۰)

راہ خدا میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو ۔

فقاتلوا اولیاء الشیطان ان کید الشیطان کان ضعیفا (نساء / ۷۶)

شیطان کے طرف داروں سے جہاد کرو کہ شیطان کا مکر کمزور ہے ۔

وقاتلوا حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله (انفال / ۳۹)

ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین خدا باقی رہے۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ (انفال/ ۳۹)

راہ خدا میں تم جہاد کیوں نہیں کرتے ؟

فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم (توبہ/ ۱۲)

کفار کے سرغناؤں سے جنگ کرو کہ ان کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ (توبہ/ ۳۶)

اور مشرکین سے سب اسی طرح جنگ کرو جیسا کہ وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں۔

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللّٰہ وعدوکم (انفال/ ۶۰)

اور جہاں تک تم سے ہو سکے دشمنوں کے لئے جنگی توانائی اور گھوڑوں کی صف کا انتظام کرو کہ اس سے خدا کے دشمن اور تمہارے دشمنوں پر رعب طاری ہوگا۔

والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم (مائدہ/ ۳۸)

اور چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو کہ یہ ان کے لئے ایک بدلہ اور خدا کی طرف سے سزا ہے اور خدا عزت و حکمت والا ہے۔

الزّانیۃ والزّانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذ بھما رأفۃ فی دین اللّٰہ۔ (نور/ ۲)

زناکار عورت اور زناکار مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ اور خبردار

دین خدا کے سلسلہ میں کسی مروت کا شکار نہ ہو جانا۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف
وینھون عن المنکر (آل عمران / ۱۰۴)

اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی طرف دعوت دے نیکیوں کا حکم دے، برائیوں سے منع کرے۔

یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ (نساء/۱۳۵)

ایمان لانے والو! تم عدل قائم کرنے والے اور خدا کیلئے گواہ بن جاؤ۔

ایسی ہی بے شمار آیتیں ہیں جن میں عام مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان سے ان اجتماعی فرائض کی انجام دہی کی خواہش کی گئی ہے جو اسلامی حکومت کی مصلحت کے مطابق ہوں۔ مثلاً دشمنوں سے جنگ اور راہ خدا میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے مستکبرین اور کفار کے سرغناؤں سے جنگ کرو، دنیا کے لوگوں کو خیر و صلاح کی دعوت دو، فساد، معصیت اور ستمگری سے مبارزہ کرو۔ عدل و انصاف قائم کرو اور حدود خدا کو جاری کرو۔

معمولی غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایسے اجتماعی اہم امور کا اجراء حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور چونکہ مسلمانوں سے اس امر کا مطالبہ کیا گیا ہے اس لئے اس کے مقدمات فراہم کرنا، یعنی اسلامی حکومت کی تاسیس میں کوشش کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ بعبارت دیگر ہر شعبہ میں دین کے قوانین کا نفاذ اسلامی حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے جبکہ دینی احکام کا نفاذ مسلمانوں کا فریضہ ہے قرآن مجید میں خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

"خدانے تمہارے لئے دین کے وہ احکام مقرر کئے ہیں جن کی نوح کو وصیت کی اور پیغمبر! ان ہی کی تمہاری طرف بھی وحی کی اور جس چیز کی ہم نے ابراہیم وموسیٰ اور عیسیٰ کو وصیت کی تھی وہ یہی تھی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ پیدا کرنے سے اجتناب کرو۔"[1]

قرآن مجید کے عام خطابات اور اسلام کے سیاسی و اجتماعی احکام کے استمرار سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں معصوم امام تک رسائی نہ ہو۔ اس میں اسلامی حکومت کی تاسیس خود مسلمانوں کا فریضہ ہے تاکہ اس کے ذریعہ ہر شعبہ میں دینی احکام کو نافذ کریں اور اس کے تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنائیں۔

اگر ہم اس عقلی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہرج ومرج میں حکومت کے بغیر زندگی گزار ناممکن نہیں ہے، اگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ شارع اسلام نے بھی ہرج ومرج کو پسند نہیں کیا ہے، اور انسان کی دنیوی و اخروی سعادت و کامیابی کے لئے خاص حکومت کا نظریہ پیش کیا ہے اور اسی لئے سیاسی و اجتماعی احکام و پروگرام مقرر کئے ہیں، اگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلامی حکومت کی تشکیل کا وجوب اور اسلام کے سیاسی و اجتماعی قوانین اور منصوبوں کا اجراء رسولؐ خدا کی مختصر حیات ہی میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ انھیں ہر زمانہ میں جاری رہنا چاہئے، اگر اس بات کے معتقد ہیں کہ ہر زمانہ اور ہر شعبہ میں دین کو قائم کرنا مسلمانوں پر واجب کیا گیا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ امام زمانہ کی غیبت کے زمانہ میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی تشکیل میں کوشاں رہیں اور پیغمبر اسلام کی حکومت کو استمرار بخشیں تاکہ اسلام کے سیاسی و اجتماعی منصوبے اور احکام کے پرتو

---

[1] شوریٰ/۱۳

ہیں امن و امان اور سالمیت کا ماحول پیدا ہوجائے اور خدائے متعال کی عبادت واطاعت تزکیہ نفس اور سیر الی اللہ کیلئے زمین ہموار ہوجائے۔

نبوّت

حکومت کی تشکیل کی ضرورت اور اس کے استمرار میں کوشاں رہنا ایک عقلی بات ہے۔ اسے سارے عقلاء تسلیم کرتے ہیں۔ اسلام نے نہ صرف اس عقلی بات کو رد نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تائید کی ہے چنانچہ جب جنگ احد میں رسول خدا کے شہید ہوجانے کی جھوٹی خبر گشت کرنے لگی تو اس جھوٹی خبر سے ان اسلامی جانبازوں کے حوصلہ ماند پڑگئے جو جنگ میں مشغول تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور محمدؐ بھی ایک رسولؐ ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو کیا تم پچھلے پاؤں اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ جاؤگے؟[1] یعنی ان کے مرجانے یا قتل ہوجانے سے تم اپنے اجتماعی نظم و ضبط سے ہاتھ دھو بیٹھوگے اور جہاد کو ترک کردوگے؟ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں مذکورہ آیت اسلامی و اجتماعی نظام کے استمرار و تحفظ کو عقل سلیم رکھنے والے مسلمانوں پر چھوڑا ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ مسلمان لمحہ بھر کیلئے بھی یہاں تک پیغمبر کے قتل ہوجانے یا مرجانے سے بھی جہاد اور اسلامی و اجتماعی نظام سے دست کش نہ ہوں۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جو انجمن تشکیل پائی تھی اس کے سبھی ارکان پیغمبرؐ کے

---

[1] آل عمران / ۱۴۴

اسلامی حکومت کے استمرار و ضرورت پر اتفاق نظر رکھتے تھے، کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیں حاکم و خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اس کے مصداق کی تعیین کے بارے میں اختلاف تھا۔ انصار کہتے تھے۔ امیر و خلیفہ ہم میں سے ہوگا۔ مہاجرین کہتے تھے اس منصب کے مستحق ہم ہیں۔ بعض کہتے تھے۔ ہم امیر ہوں گے اور تم ہمارے وزیر، ایک گروہ کہہ رہا تھا ایک شخص ہم میں سے اور ایک تم میں سے امیر ہوگا۔ لیکن یہ بات ایک آدمی نے بھی نہیں کہی کہ ہمیں امیر و خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے اور زمامدار کے بغیر بھی ہم اجتماعی زندگی گزار سکتے ہیں۔

یہاں تک حضرت علی نے بھی کہ جنھیں رسول خدا نے خلیفہ منصوب کیا تھا جو اپنے الٰہی حق کو برباد ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کے مخالف تھے، اس سلسلہ میں بعض صحابہ بھی آپ کی حمایت کرتے تھے، رسولؐ کی اسلامی حکومت کے استمرار و ضرورت کی مخالفت نہیں کی اور کبھی نہ فرمایا کہ: خلیفہ کی تعیین کی ضرورت ہی کیا تھی کہ جس کیلئے انہوں نے عجلت سے کام لیا ہے؟ بلکہ فرمایا: خلافت و امامت کا میں زیادہ مستحق ہوں، کیونکہ اس منصب کے لئے رسول خدا نے مجھے منتخب کیا ہے اور ذاتی علم و عصمت اور لیاقت کا بھی حامل ہوں۔ باوجودیکہ حضرت علی اپنے ضائع شدہ حق اور اسلامی خلافت کو اصلی محور سے منحرف سمجھتے تھے لیکن چونکہ اصل حکومت کی ضرورت کو تسلیم کرتے تھے اس لئے کبھی بھی خلفاء کو کمزور بنانے کی کوشش نہ کی بلکہ نظام اسلام کی بقاء کی خاطر ضروری موقعوں پر ان کی مدد کی اور فکری تعاون سے بھی دریغ نہ کیا۔ اگر آپؑ کے اعزاء یا اصحاب باوفا میں سے خلفاء کسی کو کسی کام پر مامور کرتے اور وہ اسے قبول کر لیتے تھے تو حضرت علیؑ

انھیں اس سے منع نہیں فرماتے تھے، آپ کی روش سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپؑ حکومت کے وجود کو ہر حال میں ضروری سمجھتے تھے چنانچہ جب خوارج یہ کہہ رہے تھے لاحکم الا للّٰہ تو آپؑ نے فرمایا تھا: کلمۃ حق یراد بھا الباطل۔ یعنی بات صحیح ہے مراد غلط ہے ہاں اصلی حاکم خدا ہی ہے لیکن خوارج یہ کہہ رہے ہیں کہ حکومت و امارت بھی خدا ہی سے مختص ہے۔ جب کہ لوگوں کو حاکم و امیر کی ضرورت ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد تاکہ صالح افراد کی حکومت میں مومن اعمال صالح انجام دے گا اور کافر آرام کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حد تک پہنچا دے گا اسی حاکم کی وجہ سے مال جمع ہوتا ہے، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پر امن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے یہاں تک کہ حاکم حکومت سے الگ ہو جائے اور برے حاکم کے علیحدہ ہونے سے دوسروں کو آرام ملے۔ اس بنا پر اسلامی حکومت کی تشکیل اور ضرورت واستمرار میں شک نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ حساس و سنگین ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کی گئی ہے کہ جس زمانہ میں ان کی دسترس پیغمبر یا معصوم امام تک نہ ہو اس میں انھیں حکومت کی تشکیل و استحکام کیلئے کوشش کرنا چاہئے۔ اور جس زمانہ میں امام تک رسائی نہ ہو اس میں انھیں علماء و فقہا میں سے اس فقیہ کو قیادت و امامت کے لئے منتخب کرنا چاہئے جو کہ اسلامی مسائل خصوصاً سیاسی و اجتماعی مسائل سے کما حقہ واقف ہو اور تقویٰ، انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ کا حامل ہو۔ کیونکہ ایسے شخص کی رہبری وامامت کو ائمہ معصومین علیہم السلام نے بھی قبول کیا ہے اور اس کی وصیت کی ہے۔ ایسا ہی آدمی ملت اسلامیہ کی قیادت کرسکتا ہے اور اسلام کے اجتماعی و سیاسی منصوبوں کو عملی صورت میں پیش کرسکتا ہے۔

اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ حکومت اسلامی اور ولایت فقیہ کا مسئلہ اتنا نازک اور طویل ہے کہ اس کیلئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے ۔ اس مختصر کتاب میں ہم اس کے وسیع اور متنوع پہلوؤں سے بحث نہیں کر سکتے ۔ لہذا یہاں اشارہ ہی پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنی بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں ۔ اس مقدمہ کو بیان کرنے کا مقصد جو کہ کچھ طولانی ہوگیا ، یہ ہے کہ جو احادیث امام مہدی کے انقلاب و تحریک سے قبل رونما ہونے والے انقلاب کی مخالف ہیں ، ان کی تحقیق کریں اور اس نکتہ پر توجہ رکھیں کہ جہاد ، دفاع ، حدود ، قصاص ، تعزیرات ، قضاوت ، شہادت ، امر بالمعروف ، نہی عن المنکر ظلم وستم سے جنگ ، محروم و مستضعفین سے دفاع اور دوسرے اجتماعی و سیاسی مسائل ہیں جو اسلام کے ضروری اور اہم مسائل ہیں ، انکی تردید نہیں کی جا سکتی ، بلکہ ان پر عمل کرنا اور کرانا ضروری ہے اور اس کام کیلئے اسلامی حکومت کی ضرورت ہے اور اسلامی حکومت کی تشکیل اور دین کے احکام و قوانین کے اجراء کیلئے بھی جہاد و انقلاب کی ضرورت ہے ۔ اس بنا پر انقلاب کی مخالف احادیث کی تجزیہ و تحقیق کرنا چاہئے کسی مناسب موقع پر اس موضوع پر تفصیلی بحث کریں گے تاکہ بہتر نتیجہ حاصل ہو سکے چونکہ جلسہ کا وقت ختم ہو چکا ہے لہذا اس سے زیادہ وضاحت ممکن نہیں ہے ۔

ڈاکٹر : احباب سے گزارش ہے کہ آئندہ ہفتہ جلسہ ہمارے گھر منعقد ہوگا ۔

احادیث کی تحقیق و تجزیہ

ڈاکٹر : ہوشیار صاحب! گزشتہ بحث ہی کو آگے بڑھایئے۔

ہوشیار : گزشتہ جلسہ میں، میں نے مقدمہ کے عنوان سے ایک بحث شروع کی تھی اور چونکہ وہ کچھ طویل اور تھکا دینے والی تھی اس لئے معذرت خواہ ہوں اب ہم قیام و تحریک کی مخالف احادیث کی تحقیق کی بحث شروع کرتے ہیں۔ سابقہ جلسہ میں، ہم نے آپ کے سامنے یہ بات پیش کی تھی کہ سیاسی و اجتماعی احکام اسلام کے بہت بڑے حصہ کو تشکیل دیتے ہیں کہ جس کا تعلق دین کے متن سے ہے۔ راہ خدا میں جہاد اسلام اور مسلمانوں سے دفاع، ظلم و تعدی سے مبارزہ، محروم و مستضعفین سے دفاع امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور کلی طور پر اقامۂ دین مسلمانوں کے قطعی اور ضروری فرائض میں سے ہے لیکن ممکن ہے بعض اشخاص چند احادیث کو ثبوت میں پیش کرکے اس عظیم فریضہ سے سبک دوش ہونا چاہیں اور بعض مذہبی مراسم کو انجام دے کر خوش ہولیں۔ اسی لئے ضروری ہے کہ ہم احادیث کی مکمل طور پر تحقیق و تجزیہ کریں۔

مذکورہ احادیث کو کلی طور پر چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے[1]

---

[1] ان احادیث کو وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۳۵ تا ۴۱ اور بحار الانوار ج ۵۲ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

جن روایات میں شیعوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم ہر اس قیام کرنے والے کی دعوت کو جو تمہیں مسلح ہوکر خروج کی دعوت دیتا ہے، آنکھیں بند کرکے قبول نہ کرو بلکہ اس کی شخصیت اور اس کے مقصد کو پہچانو اور اس کی تحقیق کرو۔ اگر اس میں قیادت کی شرائط مفقود ہوں یا باطل مقصد کیلئے اس نے قیام کیا ہو تو اس کی دعوت کو قبول نہ کرو اگرچہ وہ خاندان رسول ہی سے کیوں نہ ہو۔ جیسے یہ حدیث ہے:

'عیسیٰ بن قاسم کہتے ہیں: میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: تقویٰ اختیار کرو اور ہمیشہ اپنے نفسوں کی حفاظت کرو۔ خدا کی قسم اگر کوئی شخص اپنی گوسفند چرانے کیلئے کسی چرواہے کو منتخب کرتا ہے اور بعد میں اسے پہلے چرواہے سے بہتر اور عاقل چرواہا مل جاتا ہے تو وہ پہلے کو معزول کر دیتا ہے اور دوسرے سے کام لیتا ہے۔ خدا کی قسم تمہارے پاس دو نفس ہوتے کہ پہلے سے تحقق تجربہ حاصل کرتے۔ دوسرا تمہارے پاس باقی رہتا جو پہلے کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتا تو کوئی حرج نہ تھا، لیکن ایسا نہیں ہے ہر انسان کے پاس ایک ہی نفس ہے اگر وہ ہلاک ہوجائے تو پھر توبہ اور بازگشت کا امکان نہیں ہے۔ اس بنا پر تمہارے لئے ضروری ہے کہ اچھی طرح غور وفکر کرو اور بہترین راستہ اختیار کرو پس اگر رسول کے خاندان سے ایک شخص تمہیں قیام وخروج کی دعوت دیتا ہے تو تم اس کی تحقیق کرو کہ اس نے کس چیز کیلئے قیام کیا ہے اور تم نہ کہو کہ اس سے قبل زید بن علی نے بھی تو قیام کیا تھا کیونکہ زید دانشور اور سچے انسان تھے اور تمہیں اپنی امامت کی طرف نہیں بلا رہے تھے بلکہ اس انسان کی طرف دعوت دے رہے تھے جس سے اہل بیتؑ خوش تھے۔ اگر وہ کامیاب ہوگئے ہوتے تو ضرور اپنا وعدہ پورا کرتے اور حکومت

کو اس کے اہل کے سپرد کر دیتے۔ زید نے حکومت کے خلاف قیام کیا تاکہ اسے سرنگوں کرے۔ لیکن جس شخص نے اس زمانہ میں قیام کیا ہے وہ تمہیں کس چیز کی طرف بلا رہا ہے؟ کیا تمہیں اس آدمی کی طرف دعوت دیتا ہے جس پر اہل بیت کا اتفاق ہے؟ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ہم تمہیں گواہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ ہم اس قیام سے راضی نہیں ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ابھی حکومت نہیں آئی ہے اس کے باوجود وہ ہماری مخالفت کرتا ہے تو جب اس کے ہاتھ میں حکومت آجائے گی اور پرچم لہرا دے گا تو اس وقت تو بدرجہ اولیٰ وہ ہماری اطاعت نہیں کرے گا۔ تم صرف اس شخص کی دعوت قبول کرو کہ جس کی قیادت پر سارے بنو فاطمہ کا اتفاق ہے وہی تمہارا امام و قائد ہے، ماہ رجب میں تم خدا کی نصرت کی طرف بڑھو اور بہتر سمجھو تو شعبان تک تاخیر کرو اور اگر پسند ہو تو ماہ رمضان کا روزہ اپنے اہل خانہ کے درمیان رکھو شاید یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اگر علامت چاہتے ہو تو سفیانی کا خروج تمہارے لئے کافی ہے۔[1]

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

حدیث کا مفہوم

اس حدیث میں امام صادقؑ یہ فرماتے ہیں: اپنے نفسوں کے سلسلے میں محتاط رہو انھیں عبث ہلاکت میں نہ ڈالو؛ تم ہر قیام کرنے والے اور مدد طلب کرنے والے

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۵، بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۰۱

کی آواز پر لبیک نہ کہو۔ اگر دعوت دینے والا اپنی امامت و قیادت کا دعویدار ہے جبکہ امت کے درمیان اس سے زیادہ باعلم و باصلاحیت شخص موجود ہے، تو اس کی دعوت کو قبول نہ کرو۔ جیسا کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی حیات میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ خود قیام کرنے والے کی شخصیت اور اس کے مقصد کی تحقیق کرو۔ اگر وہ لائق اعتماد نہ ہو یا اس کا مقصد صحیح نہ ہو تو اس کی دعوت قبول نہ کرو اور اس شخص — بظاہر محمد بن عبداللہ بن حسن — کے قیام کا زید بن علی کے قیام سے موازنہ نہ کرو اور یہ نہ کہو چونکہ زید نے قیام کیا تھا لہذا اس کا قیام بھی جائز ہے۔ کیونکہ زید امامت کے دعویدار نہیں تھے اور نہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہے تھے۔ بلکہ ان کا مقصد باطل حکومت کو سرنگوں کر کے اس کے اہل تک پہنچانا تھا یعنی جس شخص کے سلسلہ میں آل محمد کا اتفاق ہے، اس تک پہنچانا مقصد تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے ہوتے تو ضرور اپنا وعدہ پورا کرتے۔ زید عالم اور سچے آدمی تھے، قیادت و قیام کی صلاحیت کے حامل تھے۔ لیکن جس شخص نے آج قیام کیا ہے وہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہا ہے اور ابھی سے ہماری مخالفت کر رہا ہے جبکہ حکومت اس کے ہاتھ میں نہیں آئی ہے اگر وہ اس انقلاب میں کامیاب ہو گیا تو بدرجہ اولیٰ ہماری اطاعت نہیں کرے گا۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں اس شخص نے قیام کیا جو اپنے کو منصب امامت کے لائق سمجھتا تھا اور اس منصب کو حاصل کرنے کیلئے لوگوں سے مدد مانگتا تھا۔ بظاہر یہ محمد بن عبداللہ بن حسن تھے کہ جنہوں نے مہدی موعود کے نام سے قیام کیا تھا۔ ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں کہ، محمد کے اہل بیت انھیں مہدی کہتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ روایات میں بیان ہونے والے مہدی ہیں۔[1]

[1] مقاتل الطالبین / ۱۵۷

اصفہانی ہی لکھتے ہیں : محمد بن عبد اللہ کے مہدی موعود ہونے میں کسی کو شک نہیں تھا لوگوں میں یہ بات شہرت پا چکی تھی اسی لئے بنی ہاشم آل ابو طالب اور آل عباس میں سے بعض لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تھی۔[1]

اصفہانی ہی لکھتے ہیں : محمد لوگوں سے کہتے تھے : تم مجھے مہدی موعود سمجھتے ہو اور حقیقت بھی یہی ہے۔[2]

محمد بن عبد اللہ بن حسن نے امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں مہدی موعود کے عنوان سے قیام کیا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے۔ صرف اس موقع پر امام صادقؑ نے عیسیٰ بن قاسم اور تمام شیعوں سے فرمایا تھا کہ : اپنے نفسوں کے سلسلے میں محتاط رہو عبث ہلاکت میں نہ ڈالو ؛ اور اس شخص کے قیام کا زید کے قیام سے موازنہ نہ کرو۔ کیونکہ زید امامت کے مدعی نہیں تھے بلکہ لوگوں کو اس شخص کی طرف بلا رہے تھے جس پر آلِ محمد کا اتفاق ہے۔

گزشتہ بیان سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ امام جعفر صادقؑ نے بطور مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا ہے بلکہ قیام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک باطل انقلابات و قیام ہے جیسے محمد بن عبد اللہ بن حسن کا قیام ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرنا چاہئے اور اپنے نفوس کو ہلاکت سے بچانا چاہئے۔ دوسرے صحیح انقلابات و قیام ہے جو موازین عقل و شرع کے مطابق ہوتے ہیں جیسے زید بن علی

۱۔ مقاتل الطالبین / ص۱۵۸

۲۔ " " / ص۱٦۳

بن حسینؑ کا قیام کہ ان کا مقصد بھی صحیح تھا اور ان میں قیادت کی شرائط بھی موجود تھیں۔ امام صادقؑ نے نہ صرف ایسے قیام کی نفی نہیں کی ہے بلکہ بظاہر ان کی تائید کی ہے۔ حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جو قیام زید کے قیام کی مانند ہو ائمہ معصومین اس کی تائید فرماتے ہیں۔

زید کی شخصیت، ان کے مقاصد اور ان کے قیام کے محرکات کے بیان و تحقیق کیلئے طویل بحث درکار ہے، جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے لیکن ایک سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ انقلاب کے قائد یعنی زید عالم دمتقی، صادق اور قیادت کی صلاحیت کے حامل تھے ان سے متعلق امام صادق فرماتے ہیں: میرے چچا زید ہماری دنیا و آخرت کیلئے مفید تھے۔ خدا کی قسم وہ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں۔ آپ کی مثال ان شہداء کی سی ہے جو رسولؐ علیؑ، حسنؑ اور امام حسینؑ کے ہمراہ شہید ہوئے تھے[۱]

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: کوفہ میں ایک عظمت و جلال والا انسان قیام کرے گا جس کا نام زید ہوگا۔ اولین و آخرین میں اس کی مثال نہیں ہے۔ مگر یہ کہ کوئی اس کی سیرت و رفتار پر عمل پیرا ہو جائے۔ زید اور ان کے اصحاب قیامت میں ایک صحیفہ کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ فرشتے ان کے استقبال کو بڑھیں گے اور کہیں گے یہ بہترین باقی رہنے والے اور حق کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ رسول خدا بھی ان کا استقبال کریں گے اور فرمائیں گے بیٹا تم نے اپنا فرض پورا کیا اور اب بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جاؤ[۲]

---

[۱] عیون الاخبار باب ۲۵

[۲] مقاتل الطالبین ص۸۸

رسول خدا نے امام حسینؑ سے فرمایا: "تمہاری نسل سے ایک فرزند ہوگا کہ جس کا نام زید ہوگا وہ اور ان کے اصحاب قیامت میں حسین و سفید چہروں کے ساتھ محشور ہوں گے اور جنّت میں داخل ہوں گے"[۱]

۲- انقلاب میں زید کا مقصد صحیح تھا۔ وہ امامت کے مدعی نہیں تھے بلکہ وہ طاغوت کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے اور اسے اس کے حق دار کے سپرد کرنا چاہتے تھے یعنی اسے معصوم امام کے سپرد کرنا چاہتے تھے جس پر آل محمد کا اتفاق تھا اور اگر وہ کامیاب ہو گئے ہوتے تو اپنا وعدہ ضرور پورا کرتے، امام صادقؑ نے فرمایا ہے، خدا میرے چچا زید پر رحم کرے اگر وہ کامیاب ہوگئے ہوتے تو ضرور اپنا وعدہ پورا کرتے۔ وہ لوگوں کو اس شخص کی طرف دعوت دے رہے تھے جس پر آل محمد کا اتفاق ہے، وہ میں ہوں[۲]

یحییٰ بن زید کہتے ہیں: خدا میرے والد پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ بہت بڑے عابد تھے، وہ راتوں کو عبادت میں اور دنوں کو روزہ کی حالت میں گزارتے تھے۔ انہوں نے راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے یحییٰ سے پوچھا: فرزند رسولؐ! امام کو ایسا ہی ہونا چاہئے؟ یحییٰ نے کہا: میرے والد امام نہیں تھے۔ بلکہ وہ بعظمت سادات اور راہ خدا میں جہاد کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ راوی نے کہا: فرزند رسولؐ! آپ کے والد بزرگوار امامت کے مدعی تھے اور راہ خدا میں جہاد کے لئے انہوں نے قیام کیا تھا باوجودیکہ رسولؐ سے امامت کے جھوٹے دعویدار ہونے کے بارے میں

۱؎ مقاتل الطالبین / ص۸۸

۲؎ بحار الانوار / ج ۴۶ / ص۱۹۹

حدیث وارد ہوئی ہے ۔یحییٰ نے جواب دیا: خدا کے بندے! ایسی بات نہ کہو۔ میرے والد اس سے بلند تھے کہ وہ اس چیز کا دعویٰ کریں جو ان کا حق نہیں ہے۔ بلکہ میرے والد لوگوں سے کہتے تھے: میں تمہیں اس شخص کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ جس پر آل محمدؐ کا اتفاق ہے اور ان کی مراد میرے چچا جعفرؑ تھے ۔ راوی نے کہا پس جعفر بن محمدؑ امام ہیں ؟ یحییٰ نے کہا: جی ہاں وہ بنی ہاشم کے فقیہ ترین فرد ہیں[1]۔

جناب زید بھی امام جعفر صادقؑ کے علم و تقوے کے معترف تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں : جو جہاد کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ آجائے اور جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے میرے بھتیجے جعفر کی خدمت میں جانا چاہیئے[2]۔

زید کے اصحاب و سپاہی بھی حضرت صادق کی امامت و افضلیت کے معترف تھے۔ عمار ساباطی کہتے ہیں: ایک شخص نے سلیمان بن خالد، کہ جس نے زید کی فوج کے ہمراہ خروج کیا تھا، سے پوچھا: زید کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ زید افضل ہیں یا جعفر بن محمد؟ سلیمان نے جواب دیا، خدا کی قسم جعفر بن محمد کی ایک دن کی زندگی زید کی تمام عمر سے زیادہ قیمتی ہے، اس وقت اس نے سر کو جھٹکا اور زید کے پاس سے اٹھ گیا اور یہ واقعہ ان سے نقل کیا۔ عمار کہتے ہیں: میں بھی زید کے پاس گیا اور انھیں یہ کہتے ہوئے سنا جعفر بن محمد ہمارے حلال و حرام مسائل کے امام ہیں[3]۔

---

[1] بحار الانوار ج ۴۶ ص ۱۹۹

[2] " " " ص ۱۹۹

[3] " " " ص ۱۹۶ ۔

۳۔ زید کا انقلاب ایک جذباتی اتفاقی اور منصوبہ سازی کے بغیر نہیں برپا ہوا تھا بلکہ ہر طریقہ سے سوچا سمجھا تھا۔ ان کے انقلاب کا محرک امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور طاغوت کی حکومت سے مبارزہ تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ مسلحانہ جنگ کے ذریعہ غاصبوں کی حکومت کو سرنگوں کردیں اور حکومت اس کے اہل یعنی اس شخص کے سپرد کردیں جس پر آل محمد کا اتفاق ہے۔ اسی لئے بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور جہاد کیلئے تیار ہوگئے۔ ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں: کوفہ سے پندرہ ہزار لوگوں نے زید کی بیعت کی تھی۔ اس کے علاوہ مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان اور گرگان کے اہلی نے دعوت قبول کی تھی۔[1]

زید کا قیام اتنا ہی مستحسن اور ضروری تھا کہ بہت سے اہل سنت کے فقہا نے بھی انکی دعوت کو قبول کیا اور آپ کی مدد کی۔ یہاں تک کہ اہل سنت کے سب سے بڑے امام ابوحنیفہ نے بھی زید کی تائید کی۔ فضل ابن زبیر کہتے ہیں: ابوحنیفہ نے مجھ سے کہا: زید کی آواز پر کتنے لوگوں نے لبیک کہا ہے؟ میں نے کہا: سلیمہ بن کہیل، یزید بن ابی زیاد، ہارون بن سعد، ہاشم بن برید، ابو ہاشم سریانی، حجاج بن دینار اور چند دوسرے لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی ہے۔ ابوحنیفہ نے مجھے کچھ پیسہ دیا اور کہا یہ پیسہ زید کو دیدینا اور کہنا کہ اس پیسہ کا اسلحہ خریدیں اور مجاہدین کے اوپر خرچ کریں۔ میں نے پیسہ لیا اور زید کی تحویل میں دیدیا۔[2]

---

1. مقاتل الطالبین ص۹۱
2. ؍؍ ؍؍ ص۹۹

دلچسپ بات یہ ہے کہ زید نے اپنے انقلاب کے موضوع کو پہلے ہی امام صادقؑ سے بیان کیا تھا اور امام نے فرمایا تھا: چچا جان اگر اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ قتل کئے جائیں اور کوفہ کے کناسہ میں آپ کے بدن کو دار پر چڑھایا جائے تو اس راہ کو اختیار کریں[1]۔ باوجودیکہ زید نے امام سے یہ خبر سن لی تھی لیکن آپ کو اپنے فریضہ کی انجام دہی کا اتنا زیادہ احساس تھا کہ شہادت کی خبر بھی انھیں اس عظیم اقدام سے باز نہ رکھ سکی۔ راہ خدا میں جہاد کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

ان کے بارے میں امام رضا فرماتے ہیں: زید علمائے آل محمد میں سے ایک تھے۔ وہ خدا کے لئے غضبناک ہوئے اور دشمنان خدا سے جنگ کی یہاں تک کہ شہادت پائی[2]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

"خدا میرے چچا زید پر رحمت نازل کرے کہ وہ لوگوں کو اس شخص کی طرف دعوت دیتے تھے جس پر آل محمد کا اتفاق تھا اگر کامیاب ہو جاتے تو ضرور اپنا وعدہ وفا کرتے"[3]

اب ہم اصل بحث کی طرف پلٹتے ہیں جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ عیسیٰ بن قاسم کی روایت کو اسلامی تحریک اور انقلابات کی مخالف نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ اسے صحیح اسلامی تحریکوں کی مؤید قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک اس حدیث کے

---

[1] بحار الانوار ج ۴۶ ص ۱۷۴

[2] " " " "

[3] " " " "

ذریعہ دوسری ان احادیث کی توجیہ کی جا سکتی ہے جو ایسے انقلاب سے منع کرتی ہیں جنکے قائدین ضروری شرائط مفقود ہوں یا اسباب و مقدمات کی فراہمی سے قبل انقلاب کا آغاز کرتے ہیں یا غلط مقصد کیلئے قیام کرتے ہیں لیکن صحیح اسلامی اور زید بن علی کے قیام کی مانند قیام سے نہ صرف منع نہیں کرتی ہے۔ بلکہ ائمہ معصومین نے اس کی تائید کی ہے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وسائل کے اسی باب کی گیارہویں حدیث کو بھی انقلاب کی مخالف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ وہ حدیث یہ ہے:

احمد بن یحیٰی المکتب عن محمد بن یحیی الصولی عن محمد بن زید النحوی عن ابن ابی عبدون عن ابیہ عن الرضا علیہ السلام (فی حدیث) انہ قال للمأمون: لا تقس اخی زیداً الیٰ زید بن علی. فانہ کان من علماء آل محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ۔ غضب للّٰہ فجاھد اعدائہ حتیٰ قتل فی سبیلہ ولقد حدثنی ابو موسیٰ بن جعفر انہ سمع اباہ جعفر بن محمد یقول: رحم اللّٰہ عمی زیداً انہ دعا الی الرضا من آل محمد ولو ظفر لوفی بما دعا الیہ۔ لقد استشارنی فی خروجہ فقلت ان رضیت ان تکون المقتول المصلوب بالکناسہ فشأنک (الی ان قال) فقال الرضا علیہ السلام ان زید بن علی لم یدع مالیس لہ بحق وانہ کان اتقی للّٰہ من ذالک۔ انہ قال: ادعوکم الیٰ الرضا من آل محمد۔

(وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۹)

امام رضاؑ نے مامون سے فرمایا: میرے بھائی زید کا زید بن علی سے موازنہ نہ کرو۔ زید بن علی علمائے آل محمد میں سے تھے۔ وہ خدا کیلئے غضبناک ہوئے اور خدا کے دشمنوں سے لڑے یہاں تک راہ خدا میں شہادت پائی۔ میرے والد موسی بن جعفرؑ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے والد جعفر بن محمد سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: خدا میرے چچا زید پر رحمت نازل کرے کہ وہ لوگوں کو اس شخص کی طرف دعوت دیتے تھے جس پر آل محمد کا اتفاق تھا۔ اگر کامیاب ہوگئے ہوتے تو ضرور اپنا وعدہ وفا کرتے۔ نیز فرماتے تھے: زید نے اپنے انقلاب کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا تھا میں نے ان سے کہا تھا: اگر قتل ہونے اور اپنے بدن کو کناسہ کوفہ میں دار پر چڑھائے جانے پر راضی ہیں تو اقدام کریں۔ اس کے بعد امام رضاؑ نے فرمایا: زید بن علی اس چیز کے مدعی نہ تھے جو ان کا حق نہ تھا۔ وہ اس سے کہیں بلند تھے کہ ناحق کسی چیز کا دعویٰ کریں بلکہ آپ لوگوں سے کہتے تھے: میں تمہیں اس شخص کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ جس پر آل محمد کا اتفاق ہے۔"

مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے رجال کی کتابوں میں اس کے راویوں کو مہمل قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے مفہوم کو بھی قیام کے مخالف احادیث میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں زید بن علی جیسے قیام کی تائید کی گئی لیکن زید بن موسیٰ پر تنقید کی گئی ہے۔ زید بن موسیٰ نے بصرہ میں خروج کیا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتا اور لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دیتا تھا، لوگوں کا مال زبردستی لوٹ لیتا تھا۔ آخر کار اس کی فوج نے شکست کھائی خود بھی گرفتار ہوا، مامون نے اسے معاف کردیا

اور امام رضاؑ کی خدمت میں بھیجدیا۔ امام نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیدیا لیکن یہ قسم کھائی کہ کبھی اس سے کلام نہیں کروں گا۔[1]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: اس حدیث میں زید بن موسیٰ کے قیام و انقلاب پر تنقید کی گئی ہے لیکن ہر قیام و تحریک سے ممانعت نہیں کی گئی ہے بلکہ زید بن علی جیسے قیام کی تائید کی گئی ہے۔

دوسرا حصّہ

جن احادیث کی اس بات پر دلالت ہے کہ جو انقلاب و قیام بھی امام مہدی کے انقلاب سے قبل رونما ہو جائے، اسے کچل دیا جائے گا۔

حدیث اوّل:

علی بن ابراهیم عن ابیه عن حماد بن عیسیٰ عن ربعی رفعه عن علی بن الحسین علیه السلام قال: والله لا یخرج احد منّا قبل خروج القائم الّا کان مثله کمثل فرخ طار من وکره قبل ان یستوی جناحاه فاخذه الصبیان فعبثوا به۔[2]

(مستدرک الوسائل ج۲ ص۲۴۸)

امام زین العابدین نے فرمایا: خدا کی قسم انقلاب مہدی سے قبل ہم میں سے جو بھی قیام کرے گا وہ اس پرندہ کی مانند ہے جو بال و پر نکلنے سے پہلے

---

[1] بحار الانوار ج۴۸ ص۳۱۵

ہی آشیانہ سے نکل پڑتا ہے جسے بچے پکڑ لیتے ہیں اور کھلونا بنا لیتے ہیں۔"

مذکورہ حدیث کو اہل حدیث کی اصطلاح میں مرفوع کہتے ہیں۔ اس میں چند راویوں کو حذف کر دیا گیا ہے جن کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کون تھے۔ بہرحال یہ قابل قبول نہیں ہے۔

حدیث دوم :

جابر عن ابی جعفر محمد بن علی علیہ السلام قال : مثل خروج القائم منّا کخروج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ و مثل من خرج منّا اهل البیت قبل قیام القائمؑ مثل فرخ طار من وکرہ فتلاعب بہ الصبیان۔ (مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۴۸)

" امام محمد باقرؑ نے فرمایا : انقلاب مہدی ، رسولؐ کے قیام کی مانند ہوگا اور ہم اہل بیت میں انقلاب مہدی سے قبل خروج کرنے والوں کی مثال پرندے کے اس بچہ کی سی ہے جو آشیانہ سے نکل کر بچوں کا کھلونا بن جاتا ہے"

حدیث سوم :

ابو الجارود قال سمعت اباجعفر علیہ السلام یقول : لیس منّا اهل البیت احد یدفع ضیما ولا یدعوا الی حق الاصرعتہ البلیۃ حتی تقوم عصابۃ شہدت بدراً ، لا یواری قتیلها ولا یداوی جریحها ، قلت : من عنی ابو جعفر علیہ السلام؟ قال : الملائکۃ (مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۴۸)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا : ہم اہل بیت میں سے جو بھی ظلم کو مٹائے اور احقاق حق

کیلئے قیام کرے گا وہ مشکلوں میں گرفتار اور شکست سے دوچار ہوگا۔ اور یہ اس وقت تک ہوگا جب تک ایسے افراد قیام نہ کریں گے جیسے جنگ بدر میں شریک ہوئے اور مجاہدوں کی مدد کے لئے دوڑ پڑے، ان میں سے کوئی شہید نہیں ہوا کہ دفن کیا جاتا، کوئی مجروح نہیں ہوا جس کا علاج کیا جاتا۔ راوی کہتا ہے: امام کی مراد کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ ملائکہ ہیں جو جنگ بدر میں اسلامی لشکر کی مدد کیلئے نازل ہوئے تھے۔"

حدیث چہارم:

ابو الجارود عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لہ اوصنی فقال اوصیك بتقوی اللہ وان تلزم بیتك وتقعد فی دهمك هؤلاء الناس وایاك والخوارج منّا فانهم لیسوا علی شیئ رالی ان قال، واعلم انه لا تقوم عصابة تدفع ضیماً او تعز دینا الّا صرعتهم البلیة حتی تقوم عصابة شهدوا بدراً مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله لا یواری قتیلهم ولا یرفع صرعیهم ولا یداوی جریحهم۔ فقلت: من هم؟ قال: الملائکة۔

(مستدرک ج ۲ ص ۲۴۸)

ابوجارود کہتے ہیں: میں نے امام صادق کی خدمت میں عرض کی: مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ فرمایا: میں تمہیں خدا کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور خفیہ طریقے سے ان ہی لوگوں میں زندگی گزارو اور ہم میں سے قیام کرنے والوں سے اجتناب کرو۔

کیونکہ وہ حق پر نہیں ہیں اور ان کا مقصد صحیح نہیں ہے (یہاں تک کہ فرمایا:) جان لو! جو گروہ بھی ظلم مٹانے اور اسلام کی سربلندی اور اقتدار کیلئے قیام کرے گا اسی کو بلائیں اور مصیبتیں گھیر لیں گی، یہاں تک وہ لوگ قیام کریں گے جو کہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی قتل نہیں ہوا تھا کہ دفن کیا جاتا، زمین پر نہیں گرا تھا کہ اٹھایا جاتا، مجروح نہیں ہوا تھا کہ علاج کیا جاتا۔ راوی نے عرض کی یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ملائکہ۔"

سند حدیث

مذکورہ تینوں حدیثیں سند کے اعتبار سے معتبر نہیں ہیں کیونکہ ان کا راوی ابوالجارود ہے جو کہ زیدی المسلک تھا اور خود فرقہ جارودیہ کا بانی ہے۔ رجال کی کتابوں میں اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

احادیث کا مفہوم

ان احادیث میں امام نے ان شیعوں کو ایک خارجی حقیقت سے خبردار کیا ہے جو کہ قیام کرنے کا اصرار کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے ہم ائمہ میں سے جو بھی مہدی موعود کے قیام سے پہلے قیام کرے گا وہ کامیاب نہیں ہوگا اور شہید کر دیا جائے گا اور اس کی شکست اسلام کے حق میں نہیں ہے۔ ہم اہل بیت میں سے صرف انقلاب مہدی کامیاب ہوگا کہ جن کی مدد کیلئے خدا کے فرشتے نازل ہوں گے۔ یہ احادیث ائمہ کے قیام کی خبر دے رہی ہیں اور ان کے قیام نہ کرنے کی علت بیان کر رہی ہیں ، دیگر انقلابات سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

اگر حدیث میں وارد لفظ منا سے امام کی مراد علوی سادات ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ جو انقلاب بھی علویوں میں سے کسی کی قیادت میں آئے گا وہ پامال ہوگا اور قائد قتل ہوگا تو بھی اس کی دلالت قیام و انقلاب سے ممانعت پر نہیں ہے بالفرض اگر یہی حقیقت ہے۔ تو احادیث ایک خارجی حقیقت کو بیان کر رہی ہیں اور وہ یہ کہ انقلاب مہدی سے پہلے جو انقلاب رونما ہوں گے وہ مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوں گے اور اس کا سردار قتل ہوگا لیکن یہ احادیث راہ خدا میں جہاد جیسے قطعی و مسلم فریضہ ، اسلام اور مسلمانوں سے دفاع، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ظلم و بیدادگری اور استکبار سے مبارزہ کو ساقط نہیں کرتی ہیں۔ قتل ہو جانے کی خبر اور شئے ہے اور فرض کرنا دوسری چیز ہے۔ امام حسینؑ کو بھی اپنی شہادت کا علم تھا لیکن اس کے باوجود نظام اسلام سے دفاع کی خاطر یزید کی طاغوتی حکومت کے خلاف قیام کیا۔ اپنا فرض پورا کیا اور جام شہادت نوش فرمایا۔ اسی طرح زید بن علی بن الحسین اگرچہ اپنی شہادت کے بارے میں امام صادقؑ سے سن چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے شرعی فریضہ پر عمل کیا اور اسلام و قرآن سے دفاع کیلئے قیام کیا اور شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ راہ خدا میں جہاد، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور محروم و مستضعفین سے دفاع کریں خواہ اس سلسلے میں ان کے بہت سے آدمی شہید ہو جائیں۔ کیونکہ شہید ہونا شکست کے مترادف نہیں ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسلام نے جو کچھ دنیا میں ترقی کی ہے اور باقی رہا ہے تو یہ امام حسین اور آپ کے اصحاب اور زید بن علی، یحییٰ بن زید و حسین شہید فتح ایسے فداکار انسانوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے قطعی طور پر اپنی جان کی پروا نہیں کی تھی۔ اس بنا پر مذکورہ احادیث مسلمانوں سے جہاد، دفاع، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرعی فریضہ کو ساقط

نہیں کر سکتی ہیں۔

اس پر جلسہ کا اختتام ہوا اور آئندہ شنبہ کی شب میں فہیمی صاحب کے گھر جلسہ منعقد ہوا۔

فہیمی : ہوشیار صاحب اپنی بحث کی تکمیل کیجئے۔

ہوشیار : تیسرا حصہ

جو احادیث ظہور امام مہدی کی علامتوں کے ظاہر ہونے سے قبل کسی بھی قیام و انقلاب سے اجتناب کا حکم دیتی ہیں۔

حدیث اوّل :

عدة من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عثمان بن عیسی عن بکر بن محمد عن سدیر قال، قال ابو عبد الله علیه السلام: یاسدیر الزم بیتک وکن حلساً من احلاسه واسکن ماسکن اللیل والنهار فاذا بلغک ان السفیانی قد خرج فارحل الینا ولو علی رجلک

(وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۶)

امام صادقؑ نے سدیر سے فرمایا: اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور جب تک شب و روز ساکن ہیں تم بھی جنبش نہ کرو جب یہ سنو کہ سفیانی نے خروج کیا ہے تو اس وقت تم ہمارے پاس آنا خواہ پیادہ ہی آنا پڑے۔

سند حدیث

مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے قطعی قابل اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ سند میں عثمان بن سعید بھی ہیں جو کہ واقفی ہیں۔ امام موسیٰ بن جعفر کی حیات میں آپ کے

وکیل تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد واقفی ہوگئے تھے اور امام رضاؑ کے پاس سہم امام نہیں بھیجتے تھے اسی وجہ سے امام رضاؑ ان سے ناراض ہوگئے تھے۔ اگرچہ بعد میں توبہ کرلی تھی اور امام کی خدمت میں اموال بھیجنے لگے تھے۔ اسی طرح سدیر بن حکیم صیرفی کا ثقہ ہونا بھی مسلم نہیں ہے۔

حدیث دوم

احمد عن علی بن الحکم عن ابی ایوب الخزاز عن عمر بن حنظلہ قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول: خمس علامات قبل قیام القائم: الصیحۃ والسفیانی والخسف وقتل النفس الزکیۃ والیمانی. فقلت جعلت فداک ان خرج احد من اهل بیتک قبل هذه العلامات أنخرج معه؟ قال: لا۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۷)

"امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ قائم کے انقلاب و قیام سے قبل پانچ علامتیں ظاہر ہوں گی ۱۔ آسمانی چیخ ۲۔ خروج سفیانی ۳۔ زمین کے ایک حصہ کا دھنس جانا ۴۔ نفس زکیہ کا قتل، ۵۔ یمانی کا خروج

راوی نے عرض کی فرزند رسولؐ اگر آپ حضرات میں سے کوئی علائم ظہور سے قبل قیام کرے تو ہم بھی اس کے ساتھ خروج کریں؟ فرمایا نہیں۔"

سند حدیث

مذکورہ حدیث قطعاً قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ عمر بن حنظلہ کی توثیق ثابت نہیں ہے۔

حدیث سوّم :

محمد بن الحسن عن الفضل بن شاذان عن الحسن بن محبوب عن عمرو بن ابی المقدام عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام قال : الزم الارض ولا تحرك يداً ولا رجلاً حتی تری علامات اذکرها لك وما اراك تدرکها : اختلاف بنی فلان ومنادینادی من السماء ویجیئکم الصوت من ناحیة دمشق

(وسائل الشیعہ ج ۱۱ص ۴۱)

جابر کہتے ہیں کہ: حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا : زمین نہ چھوڑو ، اپنے ہاتھ اور پیر کو حرکت نہ دو یہاں تک وہ علامت ظاہر ہو جائے جو میں تمہیں بتاتا ہوں شائد تم درک نہیں کروگے : فلاں خاندان ـــــ شائد بنی عباس ـــ کا اختلاف آسمانی منادی کی ندا اور شام کی طرف سے آنے والی آواز ہے ۔

سند حدیث

مذکورہ حدیث بھی قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ عمر بن ابی المقدام مجہول ہے شیخ الطائفہ نے فضل بن شاذان سے دو طریقوں سے روایت کی ہے اور دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حدیث چہارم :

الحسن بن محمد الطوسی عن ابیہ عن المفید عن احمد بن محمد العلوی عن حیدر بن محمد بن نعیم عن محمد بن عمر الکشی عن حمدویہ عن محمد بن عیسی عن الحسین بن خالد

قال: قلت لابی الحسن الرضا علیہ السلام ان عبد اللہ بن بکیر یروی حدیثاً و انا احبّ ان اعرضہ علیک فقال: ما ذالک الحدیث؟ قلت: قال ابن بکیر: حدثنی عبید بن زرارۃ قال: کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام ایام خرج محمد (ابراھیم) بن عبد اللہ بن الحسن اذ دخل علیہ رجل من اصحابنا فقال لہ: جعلت فداک ان محمد بن عبد اللہ قد خرج فما تقول فی الخروج معہ؟ فقال: اسکنوا ما سکنت السماء والارض. فما من قائم وما من خروج؟ فقال ابو الحسن علیہ السلام: صدق ابو عبد اللہ علیہ السلام ولیس الامر علی ما تأوّلہ ابن بکیر. انما عنی ابو عبد اللہ علیہ السلام اسکنوا ما سکنت السماء من النداء والارض من الخسف بالجیش. (وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۹)

حسین بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا ؑ کی خدمت میں عرض کی: عبد اللہ بن بکیر نے مجھے ایک حدیث سنائی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو آپ سے نقل کروں۔ فرمایا: سناؤ کیا ہے؟ میں نے عرض کی ابن بکیر نے عبید بن زرارہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب محمد بن عبد اللہ بن حسن نے خروج کیا تھا۔ اس وقت میں امام صادق کی خدمت میں تھا کہ ایک صحابی آیا اور عرض کی: قربان جاؤں! محمد بن عبد اللہ بن حسن نے خروج کیا ہے ان کے خروج کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: جب تک رات دن کی گردش یکساں ہے اس وقت تک تم بھی ساکن و ساکت رہو۔ اس میں نہ

کوئی قیام کرے اور نہ خروج ۔ امام رضا نے فرمایا : امام صادق نے صحیح فرمایا ہے لیکن حدیث کا یہ مفہوم نہیں ہے جو ابن بکیر نے سمجھا ہے بلکہ امام کا مقصد ہے کہ جب تک آسمان سے ندا نہ آئے اور زمین فوج کو نہ دھنسائے اس وقت تک تم خاموش رہو ۔"

سند حدیث

مذکورہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ رجال کی کتابوں میں احمد بن محمد علوی کو مہمل قرار دیا گیا ہے ۔ اسی طرح حسین بن خالد نام کے دو اشخاص ہیں ۔ ایک ابوالعلاء دوسرے صیرفی اور ان دونوں کو موثق نہیں قرار دیا گیا ۔

حدیث پنجم :

محمد بن همام قال حدثنا جعفر بن مالك الفزاری قال حدثنی محمد بن احمد عن علی بن اسباط عن بعض اصحابه عن ابی عبد الله علیه السلام انه قال : کفّوا السنتکم والزموا بیوتکم فانه لا یصیبکم امر تخصّون به ولا یصیب العامة ولا یزال الزیدیة وقاءلکم ." (مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۴۸)

یعنی امام صادق نے فرمایا : اپنی زبان بند رکھو ، اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہو کیونکہ تمہیں وہ چیز نہیں ملے گی جو عام لوگوں کو نہیں ملتی اور زیدیہ ہمیشہ تمہاری بلاؤں کی سپر رہیں گے ۔

سند حدیث

سند کے اعتبار سے مذکورہ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے ، کیونکہ علی بن اسباط

نے بعض ایسے اصحاب سے حدیث نقل کی ہے جو مجہول ہیں ۔ اس کے علاوہ طریق حدیث میں جعفر بن (محمد بن) مالک ہیں کہ جنھیں علماء رجال کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حدیث ششم :

علی بن احمد عن عبید اللہ بن موسی العلوی عن محمد بن الحسین عن محمد بن سنان عن عمار بن مروان عن منخل بن جمیل عن جابر بن یزید عن ابی جعفر الباقر علیہ السلام انہ قال : اسکنوا ما سکنت السموات ولا تخرجوا علی احد فانّ امرکم لیس بہ خفاء الا انّھا آیۃ من اللہ عزّ وجل لیست من الناس (مستدرک الوسائل ج۲ ص۲۴۸)

یعنی امام محمد باقرؑ نے فرمایا : جب تک آسمان ساکن ہے اس وقت تک تم بھی ساکن رہو اور کسی کے خلاف خروج نہ کرو ۔ بے شک تمہارا امر مخفی نہیں ہے مگر خدا کی طرف سے ایک نشان ہے اور اس کا اختیار لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے ۔"

سند حدیث

یہ حدیث بھی سند کے اعتبار سے معتبر نہیں ہے کیونکہ علم رجال کی کتابوں میں منخل بن جمیل کو ضعیف و فاسد الروایت قرار دیا گیا ہے ۔

احادیث کا مفہوم

مذکورہ احادیث کے مفہوم کے تجزیہ سے قبل آپ کی توجہ ایک نکتہ کی طرف

مبذول کرادینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ شیعہ اور ائمہ اطہار کے اصحاب ہمیشہ انقلاب مہدی موعود اور قائم آل محمد کے قیام کے منتظر رہے ہیں کیونکہ پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہارؑ سے سنا تھا کہ جب دنیا ظلم وجور سے بھر جائے گی عدل گستر مہدی ظہور فرمائیں گے اور ظلم وکفر کا قلع قمع کریں گے ۔ دنیا میں اسلام کا بول بالا کریں گے اور اسے عدل وانصاف سے پر کریں گے۔ شیعوں نے سنا تھا کہ ایسے انسان کا انقلاب کامیاب ہوگا اور تائید الٰہی اس کے شامل حال ہوگی ۔ اسی لئے صدر اسلام کے بحرانی حالت میں قیام وقائم شیعوں کے درمیان گفتگو کا موضوع تھا ۔ وہ ائمہ اطہار سے کہتے تھے ۔ ہر جگہ ظلم وجور کی حکمرانی ہے ۔ آپ کیوں قیام نہیں کرتے ۔ کبھی دریافت کرتے تھے ۔ قائم آل محمد کب قیام کریں گے ؟ کبھی قائم آل محمد کے ظہور کی علامات کے بارے میں پوچھتے تھے ۔ ایسے حالات میں بعض علوی سادات موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے اور مہدی موعود قائم آل محمد کے نام سے انقلاب بپا کرتے تھے اور طاغوت کی حکومت کو برباد کرنے کے لئے جنگ کرتے تھے لیکن قلیل مدت میں شکست کھا جاتے تھے۔

مذکورہ احادیث اسی زمانہ میں صادر ہوئی تھیں ۔ پس اگر امام اپنے اصحاب میں کسی ایک یا چند اشخاص سے یہ فرماتے ہیں کہ خاموش رہو ۔ شورش نہ کرو ، خروج سفیانی اور آسمانی چیخ کے منتظر رہو ، ان چیزوں کا مقصد اس بات کو سمجھانا تھا کہ جس شخص نے اس وقت قیام کیا ہے وہ روایات میں بیان ہونے والے مہدی موعود نہیں ہیں ، مجھے قائم موعود تصور نہ کرو ۔ قائم آل محمد کے ظہور تک صبر کرو ، اور ان کے قیام و انقلاب کی کچھ مخصوص علامات ہیں ۔ پس جو شخص بھی قیام و شورش کرے اور تم سے مدد مانگے تو پہلے تم ان مخصوص علامتوں کو ان کی دعوت میں ملاحظہ کر لو اس کے

بعد قبول کرد اگر وہ علامتیں اس کی دعوت میں آشکار نہیں ہیں تو اس کے فریب میں نہ آؤ، اسکی آواز پر لبیک نہ کہو اور سمجھ لو کہ وہ مہدی موعود نہیں ہے۔ مذکورہ احادیث درحقیقت علوی سادات کی حقیقت کو واضح کرتی ہیں جو کہ مہدی موعود اور قائم آل محمد کے نام سے قیام کرتے تھے۔ اور اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ مہدویت کے دعویدار مہدی موعود نہیں ہیں۔ ان کے فریب میں نہ آجانا۔ یہ احادیث مسلمانوں کے حتمی وضروری فرائض جیسے وجوب جہاد، اسلام ومسلمانوں سے دفاع، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ظلم وبیدادگری سے مبارزہ اور محرومین ومستضعفین سے دفاع کو منع نہیں کرتی ہیں۔ یہ نہیں کہتی ہیں کہ ظلم وستم، فحشا ومنکرات، کفر والحاد یہاں تک کہ اسلام کو نابود کرنے کے سلسلے میں جو سازشیں کی گئی ہیں، ان پر خاموشی اختیار کرو اور امام مہدیؑ کے ظہور کا انتظار کرو کہ وہی دنیا کو عدل وانصاف سے پر کریں گے۔ ایسی رکیک بات کو ائمہ معصومین کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اگر سکوت واجب تھا تو حضرت علی نے اسلام کے دشمنوں سے کیوں جنگ کی؟ اور امام حسین نے یزید کے خلاف کیوں قیام کیا؟ اور زید کے خونین انقلاب کی ائمہ نے کیوں تائید کی؟ اس بنا پر مذکورہ احادیث کو قیام وانقلاب کے مخالف نہیں قرار دیا جاسکتا۔

چوتھا حصہ

جو احادیث اس بات سے منع کرتی ہیں کہ انقلاب وتحریک میں عجلت سے کام نہ لو۔

حدیث اوّل:

عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد عن محمد بن

علی عن حفص بن عاصم عن سیف التمار عن ابی المرھف عن ابی جعفر علیہ السلام قال : الغبرۃ علی من اثارھا ، ھلک المحاضیر قلت : جعلت فداك ، وما المحاضیر ؟ قال : المستعجلون. اما انھم لن یریدوا الا من یعرض علیھم (الی ان قال) یا ابا المرھف اتری قوماً حبسوا انفسھم علی اللہ لا یجعل اللہ لھم فرجاً ؟ بلی واللہ لیجعلن اللہ لھم فرجاً۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۶)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: گرد وغبار اس کی آنکھوں میں پڑتا ہے جو اڑاتا ہے ۔ جلد باز ہلاک ہوتے ہیں حکومتیں ان لوگوں کو کچلتی ہیں جو ان سے ٹکراتے ہیں ۔ اے ابو مرہف کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جو لوگ راہ خدا میں اپنی حفاظت کرتے ہیں ۔ خدا انہیں فراخی نہیں عطا کرے گا ؟ کیوں خدا کی قسم خدا انھیں ضرور کشائش عطا کرے گا۔

سند حدیث

سند کے اعتبار سے حدیث صحیح نہیں ہے کیوں کہ محمد بن علی کوفی (محمد بن علی بن ابراھیم) کو رجال کی کتابوں میں ضعیف شمار کیا گیا ہے جبکہ ابو مرہف بھی مجہول ہے۔

مفہوم حدیث

مذکورہ حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس زمانہ میں ایک گروہ نے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کیا تھا اور اس کی شورش کو کچل دیا گیا تھا ۔ اسی لئے راوی

حدیث بھی خوف زدہ اور پریشان تھا کہ کہیں شیعوں پر بھی حرف نہ آئے - اسی لئے امام نے اسے تسلی دی کہ تم نہ ڈرو ! ان لوگوں کی چھان بین کی جائے گی جنہوں نے خروج کیا تھا - تم پر آنچ نہیں آئے گی - تم ظہور کے وقت تک خاموش رہو - اس حدیث کو بھی قیام کے مخالف نہیں کیا جاسکتا -

حدیث دوم

"الحسن بن محمد الطوسی عن ابیہ عن المفید عن ابن قولویہ عن ابیہ عن احمد بن علی بن اسباط عن عمہ یعقوب بن سالم عن ابی الحسن العبیدی عن الصادق علیہ السلام قال: ما کان عبد لیحبس نفسہ علی اللہ الا ادخلہ الجنۃ -" (وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۲۹)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے : جو شخص بھی خدا کیلئے صبر و پائیداری سے کام لیتا ہے خدا اسے جنت میں جگہ عطا فرمائے گا۔

سند حدیث

مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے اس کے راویوں کو موثق قرار دیا گیا ہے۔

مفہوم حدیث

اس حدیث میں امام صادق نے نفس پر قابو رکھنے اور پائیداری سے کام لینے کا حکم دیا ہے - لیکن سکوت و صبر کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ قیام نہ کیا جائے قیام کے ساتھ صبر و پائیداری زیادہ مناسب ہے -

حدیث سوم :

قال امیرالمؤمنین علیہ السلام : الزموا الارض واصبروا علی البلاءُ ولا تحرکوا بایدیکم و سیوفکم فی ھوی السنتکم ولاتستعجلوا بمالم یعجل اللہ لکم فانہ من مات منکم علی فراشہ وھو علی معرفۃ حق ربہ وحق رسولہ واھل بیتہ مات شہیدا دوقع اجرہ علی اللہ واستوجب ثواب ما نوی من صالح عملہ وقامت النیّۃ مقام اصلاتہ بسیفہ فان لکل شیئی مدۃ واجلا

(وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۴۰)

حضرت امیرالمومنین کا ارشاد ہے : زمین پکڑ کر بیٹھے رہو ، بلاؤں پر صبر کرو اور اپنی زبان کی بنا پر اپنی تلوار اور ہاتھوں کو حرکت نہ دو ، جس کام میں خدا نے عجلت نہیں کی ہے تم بھی اس میں تعجیل نہ کرو۔ بے شک جو بھی تم میں سے اس حال میں اپنے بستر پر مرے گا کہ خدا و رسول اور اہل بیت کی معرفت سے اس کا قلب سرشار ہو تو وہ شہید کی موت مرے گا اور اس کا اجر خدا پر ہے۔ اور اسے اس نیک عمل کا بھی ثواب ملے گا۔ جس کی نیت کی تھی۔ تلوار چلانے کی نیت کا بھی ثواب ملیگا۔ بے شک ہر چیز کا ایک مخصوص وقت ہے۔

سند حدیث

مذکورہ حدیث نہج البلاغہ سے منقول ہے ، معتبر ہے۔

حدیث چہارم :

محمد بن یحیی عن محمد بن الحسین عن عبد الرحمان بن ابی ہاشم عن الفضل الکاتب قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام فاتاہ کتاب ابی مسلم فقال : لیس لکتابک جواب اخرج عنا (الی ان قال) قلت : فما العلامة فیما بیننا و بینک جعلت فداک ؟ قال لا تبرح الارض یا فضیل حتی یخرج السفیانی. فاذا خرج السفیانی فاجیبوا الینا، یقولها ثلاثاً . وھو من المحتوم۔ (وسائل الشیعہ ج ۱۱ص ۳۷)

فضل کہتے ہیں : میں امام صادقؑ کی خدمت میں تھا کہ ابومسلم خراسانی کا خط آپؑ کے پاس پہنچا۔ امام نے حامل رقعہ سے فرمایا : تمہارا خط اس لائق نہیں ہے کہ اس کا جواب دیا جائے، جاؤ ، خدا بندوں کی جلد بازی سے تعجیل نہیں کرتا ہے۔ بے شک پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر پھینکنا آسان ہے لیکن اس حکومت کا تختہ پلٹنا آسان نہیں ہے جس کا وقت نہ آیا ہو۔ راوی نے عرض کی : پس ہمارے اور آپؑ کے درمیان کیا علامت ہے؟ فرمایا : سفیانی کے خروج تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو ، اس وقت ہمارے پاس آنا۔ اس بات کو آپؑ نے تین مرتبہ دہرایا۔ چنانچہ سفیانی کا خروج حتمی علامت ہے۔

سند حدیث

مذکورہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔

حدیث پنجم :

محمد بن علی بن الحسین باسنادہ عن حماد بن عمرو و انس

بن محمد عن ابیہ عن جعفر بن محمد عن آبائہ علیہم السلام (فی وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ لعلی علیہ السلام) قال: یا علی! ازالۃ الجبال الرواسی اھون من ازالۃ ملک لم تنقض ایامہ "

(وسائل الشیعہ ج ۱۱/ص ۳۸)

رسول خدا نے حضرت علی سے فرمایا: پہاڑوں کو اکھاڑنا آسان ہے لیکن ان حکومتوں کا تختہ پلٹنا آسان نہیں ہے جن کا وقت نہ آیا ہو۔

سند حدیث

یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ حماد بن عمرو مجہول ہے چنانچہ انس بن محمد مہمل ہے اور اس کے والد محمد کو رجال کی کتابوں میں اہمیت نہیں دی گئی ہے

حدیث ششم

حمید بن زیاد عن عبید اللہ بن احمد الدھقان عن علی بن الحسن الطاطری عن محمد بن زیاد عن ابان عن صباح بن سیابہ عن المعلی بن خنیس قال ذھبت بکتاب عبد السلام بن نعیم و سدیر وکتب غیر واحد الی ابیعبد اللہ علیہ السلام حین ظھر المسودۃ قبل ان یظھر ولد العباس: بانا قد رنا ان یؤل ھذا الامر الیک فما تری؟ قال: فضرب بالکتب الارض، قال: اف اف ما انا لھؤلاء بامام. اما یعلمون انہ انما یقتل السفیانی۔"

(وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۳۷)

معلی کہتے ہیں: میں عبد السلام سدیر اور دوسرے چند افراد کے خطوط

لیکر امام صادق کی خدمت میں حاضر ہوا، بنی عباس کے آشکار ہونے سے قبل کالے لباس والے ظاہر ہوئے۔ خطوط کا مضمون یہ تھا۔ ہم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ حکومت و قیادت آپ کے دست اختیار میں دی جائے آپ کیا فرماتے ہیں؟ امامؑ نے خطوط کو زمین پر دے مارا اور فرمایا: افسوس، افسوس، میں ان کا امام نہیں ہوں۔ کیا انھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ مہدی موعود وہ ہے جو سفیانی کو قتل کریں گے۔

سند حدیث

سند کے اعتبار سے اس حدیث پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ صباح بن سیّابہ مجہول ہے۔

مفہوم حدیث

احادیث کے مفہوم کے تجزیہ سے قبل درج ذیل نکات کو مدنظر رکھئے:

۱۔ ائمہ کے زمانہ میں شیعہ ہمیشہ حضرت مہدی کے ظہور و انقلاب کے منتظر رہتے تھے کہ اس کی خبر انہوں نے رسول سے سنی تھی۔

۲۔ اس زمانہ میں شیعہ بڑی مشکلوں میں مبتلا تھے، خلفائے جور کی ان پر سخت نگاہ رہتی تھی۔ قید میں ڈال دیئے جاتے، جلاوطن کر دیئے جاتے یا قتل کر دیئے جاتے تھے۔

۳۔ ہر چند علوی سادات میں سے ہر ایک ظالم حکومتوں کے خلاف قیام کرتا تھا اور وہ لوگ بھی ان کی مدد کرتے تھے جو زندگی سے عاجز آجاتے اور قیام کرنے

والے کومہدی موعود اور منجی بشریت سمجھتے تھے لیکن زیادہ دن نہیں گزرتے تھے کہ قتل ہوجاتے تھے۔

۴۔ خلفائے وقت انقلاب اور قائم کے سلسلہ میں بہت زیادہ حساس تھے، وہ ہمیشہ خوف وہراس میں مبتلا اور حالات کے سلسلہ میں پریشان رہتے تھے۔ وہ علوی سادات خصوصاً ان کے سربرآوردہ افراد پر نظر رکھتے تھے۔ مذکورہ احادیث ایسے ہی حالات میں صادر ہوئی ہیں۔ جو شیعہ مختلف قسم کی بلاؤں میں مبتلا تھے وہ ائمہ سے قیام کرنے اور مسلمانوں کو غاصب حکومتوں سے نجات دلانے کے سلسلہ میں اصرار کرتے تھے یا علوی سادات میں سے ان لوگوں کی مدد کرنے کی اجازت مانگتے تھے جو مہدی موعود کے نام سے خروج کرتے تھے۔ ائمہ اطہارؑ فرماتے تھے: مہدی موعود کے قیام کے سلسلے میں عجلت نہ کرو کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ خروج کرنے والوں نے مہدی موعود اور قائم آل محمد کے نام سے خروج کیا ہے جبکہ وہ مہدی موعود نہیں ہیں۔ مہدی موعود کے ظہور وقیام کی مخصوص علامات ہیں جو کہ ابھی تک آشکار نہیں ہوئی ہیں۔ پھر قیام کرنے والوں نے ہماری امامت کے استحکام کیلئے قیام نہیں کیا ہے۔ ان کا انقلاب بھی کامیاب ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ غاصب حکومتوں کی تباہی کے اسباب فراہم نہیں ہوئے ہیں۔ حکومت کا تختہ پلٹنا بہت دشوار ہے۔ فرماتے تھے: کشائش حاصل ہونے تک صبر کرو۔ اور قیام مہدی کے سلسلہ میں جلدی نہ کرو کہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ اور چونکہ تمہاری نیت اصلاح وقیام کی ہے اور اس کے مقدمات فراہم کرنا چاہتے ہو اس لئے تمہیں اس کا ثواب ملیگا۔ بہرحال مذکورہ احادیث تعجیل کرنے اور کمزور تحریک سے منع کرتی ہیں۔ یہ نہیں کہتی ہیں کہ مکمل تحریک کے مقدمات فراہم کرنے کیلئے ظلم وستم

اور کفر و بے دینی سے مبارزہ نہ کرو ان احادیث کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ جہاد، دفاع امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا فریضہ امام زمانہ کی غیبت میں ساقط ہے۔ اس زمانہ میں لوگوں کو فساد کا تماشہ دیکھنا چاہیئے صرف تعجیل ظہور امام زمانہ کیلئے دعا کریں۔ چنانچہ ان احادیث کو انقلاب و تحریک کے مخالف نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

پانچواں حصہ

جو روایات حضرت قائم کے ظہور سے قبل ہر پرچم کے بلند کرنے والے کو طاغوت قرار دیتی ہیں۔

حدیث اوّل :

محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن الحسین بن سعید عن حماد بن عیسیٰ عن الحسین بن المختار عن ابی بصیر عن ابیعبد اللہ علیہ السلام قال: کل رایۃ ترفع قبل قیام القائم فصاحبھا طاغوت یعبد من دون اللہ۔ (وسائل الشیعہ ج ۲۰، ص ۲۴)

امام صادقؑ کا ارشاد ہے : جو پرچم بھی قائم کے قیام سے قبل بلند کیا جائے گا اس کا بلند کرنے والا شیطان ہے، جو کہ خدا کے علاوہ اپنی عبادت کراتا ہے۔

سند حدیث

مذکورہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ اس کے راویوں کو موثق قرار دیا گیا ہے۔

حدیث دوم:

محمد بن ابراهیم النعمانی عن عبد الواحد بن عبد اللہ قال حدثنا احمد بن محمد بن رباح الزهری قال حدثنا محمد بن العباس عن عیسی الحسینی عن الحسن بن علی بن ابی حمزة عن ابیه عن مالک بن اعین الجهنی عن ابی جعفر علیه السلام انه قال کل رایة ترفع قبل رایة القائم فصاحبها طاغوت

(مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۲۴۸)

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے: جو پرچم بھی مہدی کے پرچم سے پہلے بلند کیا جائے گا، اس کا بلند کرنے والا شیطان ہے۔

سند حدیث

روایت کے معنی پرچم کے ہیں اور پرچم بلند کرنا کنایہ ہے حکومت کے خلاف اعلان جنگ کرنے سے اور صاحب پرچم عبارت ہے ہر اس تحریک کے قائد سے جو کہ موجودہ حکومت کا تختہ پلٹنے کیلئے لوگوں سے مدد مانگتا ہے۔ طاغوت یعنی ظالم و جابر شخص جو حریم الٰہی پر تجاوز کرے اور خدا کی حاکمیت کے مقابلہ میں لوگوں کو اپنی حاکمیت قبول کرنے پر مجبور کرے۔ جملہ یعبد من دون اللہ اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ صاحب پرچم حکومت خدا کے مقابلہ میں ایک حکومت بنانا چاہتا ہے اور دینی تمنا پوری کرنا چاہتا ہے ایسے پرچم کے حامل کو طاغوت و شیطان کہا گیا ہے۔ اس بنا پر گزشتہ احادیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جو پرچم بھی قیام مہدی سے قبل بلند کیا جائیگا اور اس کا حامل لوگوں کو اپنی طرف بلائے گا تو ایسے پرچم کا حامل شیطان ہے کہ جس نے

حریم الٰہی پر تجاوز کیا ہے اور لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دی ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ غیر اسلامی تحریکیں قابل قبول نہیں ہیں۔ لیکن اگر کوئی تحریک دین حاکمیت اور قرآن کے قوانین سے دفاع کے عنوان سے وجود میں آتی ہے تو وہ قابل قبول ہے۔ کیونکہ یہاں پرچم دین کے مقابلہ میں علم بلند نہیں کیا گیا ہے چنانچہ ایسی تحریک کا قائد بھی طاغوت نہیں ہے بلکہ وہ طاغوت کا مخالف ہے۔ ایسا قائد و رہبر لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت نہیں دیتا ہے بلکہ رب العالمین کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ ایسا پرچم قائم آل محمد کے علم کے مقابلہ میں بلند نہیں کیا جاتا ہے بلکہ امام زمانہ کی عالمی حکومت کیلئے زمین ہموار کرے گا۔ کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ظہور امام زمانہ سے قبل ہر بلند کئے جانے والے پرچم کا حامل شیطان ہے؟ کیا معاویہ کی طاغوتی حکومت کے خلاف علیؑ نے قیام نہیں کیا تھا؟ کیا امام حسنؑ نے معاویہ سے اعلان جنگ نہیں کیا تھا؟ کیا امام حسینؑ نے اسلام سے دفاع کی خاطر یزید سے جنگ نہیں کی تھی؟ کیا زید بن علیؑ بن حسینؑ قرآن سے دفاع کیلئے ظلم وستم کے خلاف انقلاب برپا نہیں کیا تھا؟

خلاصہ

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اس حصہ کی اکثر احادیث ضعیف اور ناقابل اعتماد ہیں ان سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ احادیث کا لب لباب یہ ہے۔

۱۔ جو شخص بھی قیام کرے اور تم سے مدد طلب کرے تو تم سوچے سمجھے بغیر اس کی آواز پر لبیک نہ کہو بلکہ آواز دینے والے اور اس کے مقصد کی تحقیق کرو۔ اگر اس نے مہدی موعود کے عنوان سے قیام کیا ہے یا اس کا مقصد باطل ہے تو اس کی آواز

پر لبیک نہ کہو۔ کیونکہ امام زمانہ کے ظہور اور قیام کا وقت نہیں آیا ہے۔

۲۔ یہ احادیث ان شیعوں کو جو کہ ائمہ سے قیام کرنے کا اصرار کرتے تھے، اس خارجی حقیقت کی خبر دیتی ہے کہ قائم آل محمد کے قیام سے قبل ہم ائمہ میں سے جو بھی قیام کرے گا اس کا قیام ناکام ہوگا اور شہید کر دیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت مہدی کے عالمی انقلاب کے مقدمات فراہم نہیں ہوئے ہیں۔

۳۔ حضرت مہدی کے ظہور کے مخصوص علامات ہیں چنانچہ ان علائم کے ظاہر ہونے سے قبل جو شخص بھی مہدی موعود کے عنوان سے قیام کرے اس کی دعوت قبول نہ کرو۔

۴۔ کسی بھی حکومت کا تختہ پلٹنے کیلئے اسباب و مقدمات کی فراہمی کی ضرورت ہوتی ہے مقدمات و اسباب کی فراہمی سے قبل تحریک و انقلاب میں عجلت سے کام نہ لو ورنہ ناکام ہوگا

۵۔ قائم آل محمد کے قیام سے قبل حاکمیت خدا کے مقابلہ میں جو پرچم بلند ہوگا اس کا حاکم شیطان ہے کہ جس نے عظمت خدا کو چیلنج کیا ہے لہٰذا اس کی آواز پر لبیک نہیں کہنا چاہئے۔

مذکورہ احادیث صرف ان انقلابات کی تردید کرتی ہیں کہ جن کا رہبر مہدویت کا مدعی ہو اور قائم آل محمد کے نام سے قیام کرے یا باطل اس کا مقصد ہو یا ضروری اسباب کے فراہم ہونے سے قبل قیام کرے لیکن اگر انقلاب کا رہبر مہدویت کے عنوان سے قیام نہ کرے، اور حاکمیت خدا کے مقابلہ میں حکومت کی تشکیل کیلئے انقلاب برپا نہ کرے بلکہ اس کا مقصد اسلام و قرآن سے دفاع، ظلم و استکبار سے جنگ، حکومت الٰہی کی تشکیل اور آسمانی قوانین کا نفاذ ہو اور اس کے اسباب فراہم کر دیئے ہوں اور ان تمام چیزوں کے بعد وہ لوگوں سے مدد طلب کرے تو مذکورہ روایات ایسے انقلاب و قیام

کی مخالفت نہیں کرتی ہیں۔ ایسی تحریک کا پرچم شیطان کا پرچم نہیں ہے بلکہ یہ علم طاغوت کے خلاف ہے۔ ایسی حکومت کی تشکیل خدا کی حکومت کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ یہ تو حاکمیت خدا اور امام مہدی کی عالمی حکومت کیلئے زمین ساز ہے۔ اس بنا پر مذکورہ احادیث ایسے انقلاب و تحریک کی مخالفت نہیں کرتی ہیں۔

نتیجۂ بحث

چونکہ ہماری بحث بہت طویل ہوگئی ہے اس لئے دو حصوں کے خلاصہ کو بھی اشارتاً بیان کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد نتیجہ بیان کریں گے۔ پہلے حصہ میں درج ذیل مطالب کا اثبات ہوا ہے:

۱۔ قوانین اور سیاسی و اجتماعی منصوبے اسلام کے بہت بڑے حصہ کو تشکیل دیتے ہیں جیسے، جہاد، دفاع، ظلم و بیدادگری سے جنگ، عدل و انصاف کی ترویج، جزاء و سزا کے قوانین، شہری حقوق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور مسلمانوں کے آپسی و کفار سے روابط وغیرہ۔

۲۔ اسلام کے احکام و قوانین نفاذ و اجراء کیلئے آئے ہیں نہ کہ پڑھنے اور لکھنے کے لئے

۳۔ اسلام کے قوانین کا مکمل اجراء حکومت کی تاسیس اور اداری تشکیلات کا محتاج ہے، مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ ایسے افراد کا وجود ضروری ہے کہ جو آسمانی قوانین کے اجراء کی ذمہ داری قبول کریں اور اس طرح مسلمانوں کے معاشرہ کو چلائیں۔ اس بنا پر حکومت متن اسلام میں شامل ہے اور اس کے بغیر کامل طور پر اسلام کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔

۴۔ مسلمانوں کے امور کی زمام اور قوانین اسلام کے اجراء کی ذمہ داری عملی طور پر

پیغمبر اسلام کے دست مبارک میں تھی۔

۵۔ اسلام کے سیاسی واجتماعی قوانین کا مکمل اجراء رسول خدا کے زمانہ ہی میں واجب نہیں تھا بلکہ تاقیامت واجب رہے گا۔

۶۔ جب پیغمبر اکرم بقید حیات ہوں یا مسلمانوں کی معصوم امام تک رسائی ہو تو اس زمانہ میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ حکومت کی تاسیس اور پیغمبر یا امام کی طاقت کے استحکام کی کوشش کریں اور اس کے فرمان کی اطاعت کریں۔ اور اگر مسلمانوں کے درمیان میں ایسا کوئی معصوم نہ ہو تو بھی مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ پرہیزگار فقیہ کو اپنا مدار المہام بنائیں اور اس کی ولایت و حکومت کے استحکام کی کوشش کریں اور اس کے فرمان کی اطاعت کریں۔ یعنی ایسی حکومت تشکیل دیں جو اسلام کے پروگراموں کو نافذ کر سکے اور اسلامی حکومت کے یہی معنی ہیں۔

اس بحث کے دوسرے حصہ میں آپ نے مخالف احادیث اور ان کے مفہوم کو ملاحظہ فرمایا ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ احادیث اپنی سند و دلالت کے باوجود مسلمانوں سے ایسے قطعی و حتمی فریضہ، یعنی قوانین اسلام کے نفاذ، کو ساقط کر سکتی ہیں؟

کیا ان احادیث کو ان آیات و روایات کے مقابل میں لایا جا سکتا ہے جو کہ جہاد دفاع امر بالمعروف، نہی عن المنکر، ظلم و ستم سے جنگ اور مستضعفین سے دفاع کو واجب قرار دیتی ہیں؟ کیا غیبت امام زمانہ میں اس فریضہ کو مسلمانوں سے ساقط کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایسی احادیث کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شارع اسلام نے اس زمانہ میں اپنے سیاسی و اجتماعی احکام سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور ان کے اجراء کو امام مہدی کے زمانہ پر موقوف

کر دیا ہے؟ کیا ایسی احادیث کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام سے دفاع کرنا واجب نہیں ہے حتیٰ اس کی اساس ہی کیوں نہ خطرہ میں ہو؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں پر خاموش رہنا واجب ہے خواہ کفار و مشرکین ان کی تمام چیزوں پر قابض ہو جائیں، ان کے جان و مال اور ناموس پر مسلط ہو جائیں، انھیں ظہور امام تک صبر کرنا چاہئے؟ کیا مذکورہ احادیث اس سند و مفہوم کے باوجود درج ذیل آیات کے مقابل میں آ سکتی ہیں؟

فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم (توبہ/۱۲)

کفر کے سرغناؤں سے جنگ کرو کہ ان کی کسی قسم کا اعتبار نہیں ہے۔

وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة (توبہ/۳۶)

اور مشرکین سے تم سب ہی جنگ کرو جیسا کہ وہ تم سے جنگ کرتے ہیں۔

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله (انفال/۳۹)

اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین خدا ہی باقی رہے۔

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین (نساء/۷۵)

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ راہ خدا اور مستضعفین کی نجات کیلئے جہاد نہیں کرتے؟

فقاتلوا اولیاء الشیطان ان کید الشیطان کان ضعیفا (نساء/۷۶)

پس شیطان کا اتباع کرنے والوں سے جنگ کرو بے شک شیطان کا مکر بہت ہی کمزور ہے

وجاهدوا فی الله حق جهاده (حج/۷۸)

اور راہ خدا میں اس طرح جہاد کرو جو اس کا حق ہے۔

وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا (بقرہ/۱۹۰)

اور راہ خدا میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں پس حد سے نہ گزر جاؤ۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینهون عن المنکر۔ (آل عمران/۱۰۴)

اور تم میں سے کچھ لوگوں کو ایسا ہونا چاہئے جو نیکیوں کی طرف دعوت دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ (نساء/۱۳۵)

ایمان لانے والو! عدل و انصاف کے ساتھ قیام کرو اور اللہ کیلئے گواہ بنو۔

و اعدوا لھم ما استطعتم من قوة و من رباط الخیل ترھبون به عدو اللّٰہ و عدوکم (انفال/۶۰)

اور تم جہاں تک ہو سکے طاقت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو کہ جس سے تم اپنے دشمن اور اللہ کے دشمنوں کو ڈرا سکو۔

ایسی ہی دسیوں آیات اور سیکڑوں احادیث ہیں۔ مذکورہ احادیث ہرگز مسلمانوں سے اسلام کے قطعی و حتمی فریضہ کو ساقط نہیں کرسکتی ہیں بلکہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ دین کی اشاعت، اسلام و مسلمانوں سے دفاع اور قرآن کے حیات بخش پروگراموں کے اجراء میں کوشش کریں خواہ اس سلسلہ میں سب کو جہاد کرنا پڑے۔

اس اہم امر کو انجام دینے کے سلسلہ میں فقہائے اسلام اور علمائے دین کی سخت ذمہ داری ہے۔ کیونکہ وہ انبیاء کے وارث، دین کے نگہبان اور لوگوں کی پناہ گاہ ہیں۔ کیا علماء و فقہا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کفار، مستکبرین اور طاغوت کے مقابلہ میں خاموش رہیں کہ جنھوں نے ملت اسلامیہ کو بدبخت بنا دیا ہے؟ اور مستضعفین و محرومین کو ایک عظیم انقلاب کی تشویق نہ دلائیں؟ کیا حضرت امیر المؤمنینؑ نے نہیں

فرمایا ؟ :

" قسم اس خدا کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور انسانوں کو پیدا کیا ، اگر میری بیعت کیلئے اتنا مجمع نہ آتا اور اس طرح مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اگر خدا نے علی سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر خاموش نہیں بیٹھیں گے تو میں شتر خلافت کی رسّی کو اس کی پشت پر ڈال دیتا کہ وہ جہاں چاہے چلا جائے ۔ [1] "

کیا امام حسین ؑ نے پیغمبر اکرم سے یہ نقل نہیں کیا ہے ؟ :

من رای سلطاناً جائراً مستحلاً لحرام اللّٰہ ناکثاً لعهد اللّٰہ مخالفاً لسنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ یعمل فی عباد اللّٰہ بالاثم والعدوان فلم یغیّر علیہ بفعل ولا قول کان حقّاً علی اللّٰہ ان یدخلہ مدخلہ ۔ [2]

" جو شخص ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ اس نے حرام خدا کو حلال کر دیا ہے اور حدود خدا کو توڑ دیا ہے ، پیغمبر کی سنت کو پامال کر رہا ہے اور خدا کے بندوں کے درمیان گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اس کے باوجود دیکھنے والا ، اپنے قول و عمل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو خدا کو حق ہے کہ اسے ظالم کے ساتھ جہنم میں ڈال دے ۔ "

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ / ۳

[2] الکامل فی التاریخ ج ۴ ص ۴۸ چھاپ بیروت

دوسری جگہ امام حسینؑ فرماتے ہیں:

ذالك بان مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللّٰه الامناء علی حلاله وحرامه، فانتم المسلوبون تلك المنزلة وما سلبتم ذالك الّا بتفرقكم عن الحق واختلافكم فی السنة بعد البيّنة الواضحة ولو صبرتم علی الاذی وتحملتم المؤونة فی ذات اللّٰه كانت امور اللّٰه عليكم ترد وعنكم تصدر واليكم ترجع ولكنكم مكنتم الظلمة من منزلتكم واستسلمتم امور اللّٰه فی ايديهم يعملون بالشبهات ويسيرون فی الشهوات سلّطهم علی ذالك فراركم من الموت واعجابكم بالحياة التی هی مفارقتكم فاسلمتم الضعفاء فی ايديهم فمن بين مستعبد مقهور وبين مستضعف علی معيشتهم مغلوب، يتقلبون فی الملك بآرائهم ويستشعرون الخزی باهوائهم اقتداءً بالاشرار وجرأة علی الجبار[1]۔

یہ اس لئے ہے کہ امور و احکام علماء کے ہاتھ میں ہیں وہ خدا کے حلال وحرام میں اس کے امین ہیں اور تم نے اس عظمت و منزلت کو گنوا دیا ہے اور یہ عظمت تم سے اس لئے سلب ہوئی ہے کہ تم نے حق کے سلسلہ میں افتراق کیا اور واضح دلیلوں کے باوجود سنت پیغمبر کے بارے میں اختلاف

---

[1] تحف العقول ص ۲۴۲

کیا۔ اگر تم نے صبر کیا ہوتا اور راہ خدا میں سختیاں برداشت کی ہوتیں تو امور خدا تم پروارد ہوتے اور تم ہی سے صادر ہوتے اور تم ہی سے رجوع کیا جاتا لیکن تم نے اپنے فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی کرکے اپنی جگہ پر دشمن کو بٹھا دیا ہے اور امور خدا کو اس کے سپرد کر دیا ہے تاکہ وہ جیسا چاہیں کریں۔ تمہارے موت سے فرار کرنے اور دنیا سے دل لگانے کی وجہ سے وہ تم پر مسلط ہوگئے کمزور و محروم لوگوں کو تم ہی نے ظالموں کے ہاتھ میں دیا ہے تاکہ وہ ان میں سے بعض کو غلام بنالیں اور بعض کو نان شبینہ کا محتاج بنادیں اور ظالم اپنی خواہش کے مطابق حکومت کریں اور اپنی ملت کو ذلت و رسوائی میں مبتلا کریں اور اس میں وہ اشرار کی پیروی کریں اور خدا کی مخالفت میں جری ہو جائیں۔

علماء و فقہاء پر اسلام میں اتنی ہی سنگین ذمہ داری ہے۔ اگر وہ اس اہم ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں ان سے بازپرس ہوگی۔ صرف درس دینا بحث و مباحثہ، تقریرات نویسی، نماز پڑھنا اور مسائل بیان کرنا ہی نہیں ہے بلکہ ان کا سب سے بڑا فریضہ دین اسلام و مسلمانوں سے دفاع، کفر و الحاد سے جنگ اور اسلام کے احکام و قوانین کے اجراء میں کوشش کرنا ہے۔ اگر اس سلسلے میں کوتاہی کریں گے تو خدا کے سامنے وہ کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے اور اس اہم ذمہ داری کو چند ضعیف حدیثوں سے تمسک کرکے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتے ہیں۔

کیا خدا و رسولؐ ہمیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم دشمنوں کی خطرناک سازشوں اور اسلامی ممالک سے ان کی افسوسناک رقابت پر خاموش رہیں اور ماضی کی طرح بحث و مباحثہ اور اقامۂ نماز پر اکتفا کریں؟ ہرگز نہیں۔

ظہور کی کیفیت

حسب سابق ۸ بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی اور اولین سوال ڈاکٹر صاحب نے اٹھایا:

ڈاکٹر: اجمالی طور پر امام زمانہ کے ظہور کی کیفیت بیان کیجئے۔

ہوشیار: اہل بیت کی احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب دنیا کے حالات سازگار ہو جائیں گے اور حکومتِ حق کو قبول کرنے کیلئے دنیا والوں کے قلب آمادہ ہو جائیں گے اس وقت خداوند عالم امام مہدی کو انقلاب کی اجازت دے گا چنانچہ آپ یکایک مکہ میں ظاہر ہوں گے اور منادی حق دنیا والوں کے کانوں تک آپؑ کے ظہور کی بشارت پہنچائے گا۔ دنیا کے برگزیدہ افراد، کہ بعض روایات میں جن کی تعداد تین سو تیرہ بیان ہوئی ہے۔ ندائے حق پر سب سے پہلے لبیک کہیں گے اور لمحوں میں دلی خدا کی طرف کھنچ آئیں گے۔

امام صادق کا ارشاد ہے: جب صاحب الامر ظہور فرمائیں گے کچھ شیعہ جوان پہلے سے کسی وعدہ کے بغیر اسی شب میں مکہ پہنچ جائیں گے۔[1]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۷۰

اس کے بعد آپ اپنی دعوت عام کا سلسلہ شروع کریں گے۔ مظلوم و مایوس لوگ آپ کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ بیعت کریں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے شجاع، فداکار اور اصلاح طلب لوگوں کی فوج تیار ہو جائے گی۔ امام زمانہ کے انصار کی توصیف میں امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ وہ دنیا کے مشرق و مغرب پر قابض ہو جائیں گے دنیا کی ہر چیز کو مسخر کر لیں گے، ان میں سے ہر ایک میں چالیس مردوں کی قوت ہوگی، ان کے دل فولاد کے ہیں، مقصد کے حصول میں اگر پہاڑ بھی سامنے آئے گا تو اسے بھی ریزہ ریزہ کر دیں گے، اس وقت تک جنگ سے دست بردار نہ ہوں گے جب تک خدا راضی نہ ہوگا۔[۱]

اس زمانہ میں ظالم و خود سر حکمراں خطرہ محسوس کریں گے، دفاع کیلئے اٹھیں گے اور اپنے ہم مسلکوں کو امام زمانہ کی مخالفت کی دعوت دیں گے، لیکن عدل دوست و اصلاح پسند سپاہی جو کہ ظلم و جور سے عاجز آچکے ہیں، متحد ہو کر ان پر حملہ کریں گے۔ خدا کی مدد سے ان کا قلع قمع کریں گے اور تہ تیغ کریں گے، ہر جگہ خوف و ہراس طاری ہوگا اور ساری دنیا حکومت حق کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائے گی۔

بہت سے کفار صدق و حقیقت کی علامتیں دیکھ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور جو اپنے کفر و ظلم پر قائم رہیں گے انھیں امام زمانہ کے سپاہی قتل کریں گے، پوری دنیا میں اسلام کی مقتدر و طاقتور حکومت تشکیل پائے گی اور لوگ دل و جان سے اسکی حفاظت و نگہبانی کی کوشش کریں گے[۲] اور ہر جگہ اسلام کا بول بالا ہوگا۔[۳]

۱۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۲۷ ۲۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۴۹ تا ص۳۸۰

۳۔ بحار الانوار ج ۵۱ ص۵۵، اثبات الهداة ج ۷ ص۵۰

کفار کی سرنوشت

ڈاکٹر : امام زمانہ کی حکومت کے دوران کفار و مشرکین کی سرنوشت کیا ہوگی؟

ہوشیار : آیات و روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت مہدی کے زمانۂ حکومت میں غیر کتابی کفار اور ملحدین سے زمین کی طاقت و قدرت چھین لی جائے گی اور اس پر مسلمانوں کا تسلط ہوگا مثال کے طور پر چند آیات پیش کرتا ہوں :

خداوند عالم کا ارشاد ہے :

"ہم نے توریت کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ ہمارے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے۔[1]"

دوسری جگہ ارشاد ہے :

"خدا وہ ہے جس نے دین حق کے ساتھ اپنے رسول کو مبعوث کیا تاکہ وہ تمام ادیان پر غالب ہو جائے۔ اگرچہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔[2]"

---

[1] انبیاء / ۱۰۵

[2] صف / ۹۰

نیز ارشاد ہے :

خدا نے ایمان لانے والوں اور عمل صالح انجام دینے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے والوں کو خلیفہ بنایا تھا اور انھیں یہ بشارت دی ہے کہ جو دین ان کیلئے پسند کیا ہے وہ اسے غلبہ عطا کرے گا اور ان کے خوف کو اطمینان و سکون سے بدل دے گا تاکہ وہ میری عبادت کریں اور کسی کو شریک نہ قرار دیں۔[1]

دوسری جگہ ارشاد ہے :

اور ہمارا ارادہ ہے کہ جن لوگوں کو روئے زمین پر کمزور بنا دیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انھیں زمین کا وارث قرار دیں اور طاقت عطا کریں۔[2]

مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ جس میں شائستہ و صالح مومنوں اور مسلمانوں کی حکومت ہوگی اور نور اسلام کے سامنے تمام ادیان ماند پڑ جائیں گے اور اسلام ہی کا بول بالا ہوگا ۔ احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ امام زمانہ کے زمانۂ حکومت میں روئے زمین سے کفر و شرک کی طاقت کا خاتمہ ہو جائے گا اور موحد کلمۂ توحید کے پڑھنے والوں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہے گا مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں

پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے :

اگر دنیا کی عمر کا صرف ایک ہی دن باقی رہے گا تو بھی خدا اس شخص کو مبعوث

---

[1] نور / ۵۴

[2] قصص / ۴

کرے گا جس کا نام میرا نام ہے، جس کا اخلاق میرا اخلاق ہے اور جس کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور ان کے ذریعہ دین کو عظمت رفتہ عطا کرے گا، انھیں فتح عطا کرے گا اور روئے زمین پر کلمۂ توحید کے پڑھنے والوں کے علاوہ کسی کا وجود نہ ہوگا، عرض کیا گیا: یہ شخص آپؐ کے کس بیٹے کی نسل سے ہوگا؟ پیغمبر اکرمؐ نے اپنا دست مبارک حسینؑ کے شانہ پر رکھا اور فرمایا: اس سے [1]

حضرت ابوجعفرؑ نے فرمایا:

"قائمؑ اور ان کے اصحاب اس وقت تک جنگ کریں گے کہ جب تک مشرکوں کا خاتمہ نہ ہوگا۔[2]

---

[1] اثبات الھداۃ ج ۷، ص ۲۱۵ و ص ۲۴۷

[2] بحارالانوار ج ۵۲ ص ۳۴۵

یہود و نصاریٰ کی سرنوشت

ڈاکٹر : یہود و نصاریٰ تو آسمانی مذہب کے ماننے والے ہیں ان کی سرنوشت کیا ہوگی ؟

ھوشیار : بعض آیات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تا قیامت باقی رہیں گے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے :

"ہم نے نصرانیت کا دعویٰ کرنے والوں سے عہد لیا۔ لیکن انہوں نے ہماری بعض نصیحتوں کو فراموش کر دیا تو ہم نے بھی قیامت تک کیلئے ان کے درمیان کینہ و عداوت ڈال دی۔"[1]

دوسری جگہ ارشاد ہے :

"خدا نے عیسیٰ سے فرمایا : ہم تمہاری دنیوی عمر تمام کرنے والے اور تمہیں اپنی طرف پلٹانے والے اور تمہیں کفار سے نجات دلانے والے اور تمہارا اتباع کرنے والوں کو قیامت کیلئے کفار پر تسلط عطا کرنے والے ہیں۔"[2]

۱؎ مائدہ / ۱۴

۲؎ آل عمران / ۵۵

پہلی آیت میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ہم ان کے درمیان قیامت کیلئے کینہ توزی و عداوت ڈالدیں گے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے: نصاریٰ قیامت تک کفار سے بلند رہیں گے۔ان دو آیتوں کے ظاہر کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نصاریٰ کا مذہب قیامت تک اور امام مہدی کے زمانۂ حکومت میں بھی باقی رہے گا۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

"یہود کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ان ہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہ اپنے قول کی بنا پر ملعون ہیں اور خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اس کا انکار ان میں سے بہت سوں کے کفر اور ان کی سرکشی اور بڑھادے گا اور ہم قیامت کیلئے ان کے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دیں گے"[1]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: ان آیتوں کے ظاہر کی دلالت اس بات پر ہے کہ نصاریٰ و یہود کا مسلک قیامت تک باقی رہے گا۔

بعض احادیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے، مثلاً:

ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کی: اہل ذمہ — یہود و نصاریٰ — کے ساتھ صاحب الامر کا کیا سلوک ہوگا؟ فرمایا: پیغمبرؐ کی مانند ان سے مصالحت کریں گے اور وہ بھی نہایت ہی انکسار کے ساتھ جزیہ

---

[1] مائدہ/۶۴

دیں گے۔[1]

حضرت ابوجعفر فرماتے ہیں: مہدیؑ کو صاحب الامر اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ توریت اور تمام آسمانی کتابوں کو اس غار سے نکالیں گے جو کہ انطاکیہ میں واقع ہے۔ توریت والوں کے درمیان توریت سے، انجیل والوں کے درمیان انجیل سے اور زبور والوں کے درمیان زبور سے قضاوت کریں گے۔[2]

ان احادیث و آیات کے مقابلہ میں جو مخالف احادیث بھی موجود ہیں کہ جنکی دلالت اس بات پر ہے کہ حضرت مہدی کے زمانۂ حکومت میں روئے زمین پر مسلمانوں کے علاوہ کسی کا وجود نہ ہوگا۔ آپ یہود و نصاریٰ کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں گے جو قبول کریگا وہ نجات پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ قتل کیا جائے گا۔ مثلاً:

ابن بکیر کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوالحسن سے آیہ "ولہ اسلم من فی السموات و الارض طوعاً و کرھاً و الیہ یرجعون" کی تفسیر دریافت کی تو فرمایا:

یہ حضرت قائم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ظہور کے بعد آپ یہود، نصاریٰ، صابئین اور مشرق و مغرب کے کافروں کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں گے، پس جو شخص راضی برضا اسلام قبول کرے گا، اسے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور دیگر واجبات کا حکم دیں گے اور جو قبول کرنے سے روگردانی کریگا اسکی گردن ماریں گے۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر موحدین کے علاوہ

۱۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص۳۸۱ و ص۳۴۶

۲۔ غیبت نعمانی ص۱۲۵

کوئی باقی نہ رہے گا۔ ابن بکیر کہتے ہیں: میں نے عرض کی قربان جاؤں، کیا دنیا کے اتنے لوگوں کو قتل کیا جاسکتا ہے؟ فرمایا: جب خدا کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس وقت کم و زیادہ اور زیادہ کم کر دیتا ہے[1]

حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں: خدا دنیا کے مشرق و مغرب میں صاحب الامر کو فتح عطا کرے گا آپ اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک دین محمد پوری دنیا میں نافذ نہ ہو گا[2]

ابو جعفر ہی آیۂ **ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون** کی تفسیر بیان فرماتے ہیں دنیا میں ایسا کوئی شخص باقی نہیں بچے گا جو محمد کا کلمہ نہیں پڑھے گا[3]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: احادیث کے دو حصے ہیں۔ ان میں سے ایک قرآن کے موافق اور دوسرا مخالف ہے، علما پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قرآن کے موافق والا حصہ مقدم ہے اور مخالف قرآن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس بنا پر، حضرت مہدی کے زمانۂ حکومت میں یہود و نصاریٰ باقی رہیں گے لیکن تثلیث و شرک کا عقیدہ ترک کر دیں گے صرف خدا کی عبادت کریں گے اور اسلامی حکومت کی پناہ میں زندگی بسر کریں گے۔ باطل حکومتوں کا تختہ الٹ جائے گا اور دنیا کی حکومت باصلاحیت مسلمانوں کے دست اختیار میں آجائے گی اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب ہو گا اور ہر جگہ کلمہ توحید کا ہمہمہ ہو گا

امام صادقؑ فرماتے ہیں۔

۱۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۴۰
۲۔ " " " ص ۳۹۰
۳۔ " " " ص ۳۴۶

جب امام مہدی ظہور فرمائیں گے اس وقت زمین کے گوشہ گوشہ سے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و ان محمداً رسول اللّٰہ کی آواز بلند ہوگی[1]

حضرت ابوجعفرؑ کا ارشاد ہے: ظہور قائم کے بعد باطل حکومت ہمیشہ کیلئے نیست ونابود ہوجائے گی[2]

حضرت ابوجعفر نے فرمایا: خدا ائمہ اور مہدیؑ کو مشرق و مغرب کا حاکم قرار دے گا۔ ان کے ذریعہ دین کو مضبوط کرے گا۔ بدعتوں کو ختم کرے گا۔ اس وقت ظلم مٹ جائیگا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے[3]

ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کی فرزند رسول آپ اہل بیت کے قائم کون ہیں؟ فرمایا: ابوبصیر! میرے بیٹے موسیٰ کے پانچویں فرزند ہیں۔ یہ بہترین کنیز کے بطن سے ہوں گے۔ ان کی غیبت اتنی طولانی ہوگی کہ ایک گروہ شک میں پڑ جائے گا۔ اس کے بعد خدا ظاہر ہونے کا حکم دے گا اور مشرق و مغرب پر انھیں فتح عطا کرے گا۔ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور آپ کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔ زمین اس وقت نور خدا سے چمک اٹھے گی اور جہاں جہاں بھی غیر خدا کی عبادت ہوتی تھی وہاں خدا کی عبادت ہوگی۔ صرف دینِ خدا ہوگا اگرچہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی کیوں نہ ہو[4]

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۴۰

[2] " " ج ۵۱ ص ۶۲

[3] " " " ۵۱ ص ۴۷

[4] " " " ۵۱ ص ۱۴۶

پیغمبر اسلام نے حضرت علی سے فرمایا : میرے بعد بارہ امام ہونگے، ان میں سے پہلے تم اور آخری قائم ہے کہ جن کے ہاتھوں پر خدا مشرق و مغرب کو فتح کرے گا۔[1]

انجینئر : اس سلسلہ میں ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے لیکن وقت ختم ہو چکا ہے اس سے زیادہ ڈاکٹر صاحب اور دیگر احباب کا وقت نہ لیا جائے اگر اجازت ہو تو آئندہ جلسہ میں اسے پیش کروں۔

...

جلسہ ختم ہو گیا اور یہ طے پایا کہ اگلے ہفتہ احباب جناب جلالی صاحب کے گھر تشریف لائیں۔

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۲۷۹

کیا اکثریت قتل کردی جائیگی؟

جلالی صاحب کے مکان پر حسب سابق جلسہ شروع ہوا، ہوشیار صاحب نے ایک مختصر تمہید کے بعد کہا: الحمد للہ جلسے کامیاب و مفید رہے، میرا خیال ہے کہ وہ بہت سے مسائل کسی نہ کسی حد تک حل ہوگئے ہوں گے جو کہ احباب کو لاینحل معلوم ہوتے تھے لہذا احباب کی نظر میں اگر کوئی اہم مسئلہ ہو تو اسے پیش کریں۔

انجینئر: علماء پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج دنیا کے مسلمان دوسرے مذاہب کی بہ نسبت اقلیت میں ہیں۔ زمین پر بسنے والوں میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کی بہ نسبت شیعہ بھی اقلیت میں ہیں، ظلم بہت ہیں۔ یہ ہے آج دنیا کی جمعیت۔ چنانچہ ہمیشہ کی طرح آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظہور حضرت مہدی کے وقت بھی شیعہ اقلیت میں ہوں گے۔ اس موازنہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے، میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں۔ کیا یہ بات معقول ہے کہ دنیا کی اکثریت تھوڑے سے شیعوں کے ہاتھوں قتل ہو جائے گی اور مقابلہ نہ کریں گے؟ اس کے علاوہ اگر زیادہ تر لوگ قتل ہو جائیں گے تو زمین قبرستان بن جائے گی اقلیت باقی رہے گی لہذا وہ قبرستان پر حکمرانی کریں گے اور ایسے عمل کو نہ اصلاح کا نام دیا جا سکتا ہے نہ اسے عالمی حکومت کہا جا سکتا ہے!!!

ھوشیار: انجینئر صاحب! ہمیں مستقبل کا معتدبہ علم نہیں ہے اور ماضی پر اسے قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات قدر مسلّم ہے کہ آئندہ لوگوں کے افکار و استعداد میں ترقی ہوگی اور وہ حق کو قبول کرنے کیلئے زیادہ امادہ ہوں گے۔ آج یہ بات سنی جاتی ہے کہ مغرب و مشرق کے بہت روشن فکر اس نکتہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ ان کے مذاہب و ادیان انھیں مطمئن نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف خدا پرستی اور خدا جوئی کی فطرت آرام سے نہیں بیٹھتی ہے۔ لہٰذا وہ ایسے آئین کی جستجو میں ہیں جو فاسد عقائد اور خرافات سے پاک و پاکیزہ ہو اور معنویت کا حامل ہو تاکہ ان کی اندرونی خواہشوں کو پورا کر سکے اور روحانی غذا فراہم کرے۔ اس نہج سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مستقبل قریب میں معاشرہ انسانی، اسلام کے احکام و معارف کی متانت و حقانیت کا سراغ لگائے گا اور اس پر یہ واضح ہوجائے گا کہ اس کی اندرونی خواہش اور اس کی جسمانی و روحانی سعادت کا ضامن صرف دین اسلام ہی ہے۔

افسوس کہ ہمارے پاس اتنا بلند حوصلہ اور وسیلہ نہیں ہے کہ جس سے ہم دنیا کے لوگوں کو اسلام کے پاکیزہ معارف اور اس کے نورانی حقائق سے آگاہ کر سکیں لیکن ایک طرف لوگوں کی حقیقت کا احساس اور دوسری طرف اسلام کے متین احکام و معارف اس مشکل کو ایک روز ضرور حل کریں گے۔ اور اس وقت دنیا والے گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوں گے اور مسلمانوں کی اکثریت ہوگی۔

اس کے علاوہ زمانہ ظہور کے عام حالات کے پیش نظر بھی یہ پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ جب حضرت مہدی ظہور فرمائیں گے اور لوگوں کے سامنے حقائق اسلام پیش کریں گے اور اسلام کے اصلاحی و انقلابی پروگرام سے انھیں مطلع کریں گے تو بہت سے

لوگ اس کے حلقہ بگوش ہوجائیں گے کیونکہ ایک طرف تو لوگوں کی درک حقائق والی استعداد کمال کو پہنچ جائے گی اور دوسری طرف وہ امام زمانہ کے معجزات کو مشاہدہ کریں گے دنیا کے حالات کو غیر معمولی پائیں گے اور رہبر انقلاب کی طرف سے انھیں خطرہ سے آگاہ کیا جائے گا۔ ان حالات کی بنا پر لوگ حضرت مہدی کے ہاتھوں فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے اور قتل سے نجات پائیں گے۔

لیکن جو لوگ ان تمام چیزوں کے باوجود اسلام قبول نہیں کریں گے، یہود ونصاریٰ تو قتل نہیں کئے جائیں گے بلکہ وہ حکومت اسلامی کی حمایت میں زندگی گزاریں گے صرف کفار، ستمگر اور جھگڑالو ہیں جو کہ مہدیؑ کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کئے جائیں گے اور ان کی تعداد بہت زیادہ نہ ہوگی۔

قم سے معارف اسلام کی اشاعت ہوگی

اہل بیت کی احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مستقبل قریب میں علمائے شیعہ ماضی سے زیادہ مذہب تشیع کے احکام و عقائد کو اہمیت دیں گے اور اپنے حالات کو سنواریں گے، نظم وضبط پیدا کریں گے۔ رائج الوقت تبلیغی وسائل سے آراستہ ہوں گے اور قرآن مجید کے حقائق و احکام سے جو کہ انسان کی سعادت کے ضامن ہیں لوگوں کو روشناس کرائیں گے۔ اور اسلام کی ترقی و عظمت اور حضرت ولی عصر کے ظہور کے اسباب فراہم کریں۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"بہت جلد کوفہ مومنوں سے خالی ہوجائے گا۔ علم اس شہر سے ایسے

ناپید ہو جائے گا جیسے سانپ اپنے بل میں چھپ جاتا ہے وہاں اس کا کوئی اثر بھی نہ ملیگا، علم کا مرکز قم ہو گا، قم علم وفضل کا محور ہو گا۔ وہیں سے علم تمام شہروں میں پھیلے گا یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی جاہل باقی نہیں رہے گا، یہاں تک عورتیں بھی۔

اب ہمارے قائم کا ظہور قریب ہوگا اور خدا قم اور اس کے باشندوں کو حجت قرار دے گا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اپنے ساکنوں سمیت دھنس جاتی اور حجت باقی نہ رہتی۔ علم ودانش قم سے تمام مغرب ومشرق کے شہروں میں پھیلے گا اور دنیا والوں پر حجت تمام ہو جائے گی یہاں تک کہ روئے زمین پر ایک شخص بھی ایسا نہیں ملیگا جس تک علم ودین نہ پہنچا ہو۔ اس کے بعد ہمارے قائم ظہور فرمائیں گے اور خدا کے عذاب وقہر کے اسباب فراہم ہو جائیں گے کیونکہ خدا اپنے بندوں سے اس وقت انتقام لیتا ہے جب وہ اس کی حجت کا انکار کرتے ہیں۔[1]"

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

خدا نے کوفہ اور اس کے باشندوں کو تمام شہروں اور ان کے ساکنوں پر حجت قرار دیا تھا، قم کو بھی دوسرے شہروں پر حجت قرار دے گا اور اس کے باشندوں کے ذریعہ مشرق ومغرب میں رہنے والوں — جن وانس — پر حجت قائم کرے گا۔ خدا قم والوں کو ذلیل نہیں کرے گا بلکہ خدا کی

---

[1] سفینۃ البحار، قم

توفیق و نصرت ہمیشہ ان کے شامل حال رہے گی ۔ اس کے بعد فرمایا : قم کے دین داروں کی کم اہمیت تھی، اس لئے انھیں زیادہ اہمیت نہیں دی جائیگی اگر ایسا نہ ہوتا تو قم اور اس کے باشندوں کو برباد کردیا جاتا اور تمام شہروں پر حجت باقی نہ رہتی۔ آسمان اپنی جگہ نہ رہتا، زمین والوں کو لمحہ بھر کی مہلت نہ ملتی۔ قم اور اس کے بسنے والے تمام ناگوار حوادث سے محفوظ رہیں گے ایک زمانہ آئے گا کہ قم اور اس کے ساکن تمام لوگوں پر حجت قرار پائیں گے اور ہمارے قائم کی غیبت سے ظہور تک ایسا ہی رہے گا ۔ خدا کے فرشتے قم اور اس کے رہنے والوں سے تمام بلاؤں کو دور کریں گے اور جو ستمگر اس شہر پر حملہ کرنا چاہے گا، ستمگروں کو ہلاک کرنے والا اس کی کمر توڑ دے گا اور اسے سخت مصیبت میں مبتلا کر دے گا یا اس پر اس سے قوی دشمن کو مسلط کر دے گا خداوند عالم ظالموں کے دلوں سے قم اور اس کے ساکنوں کی یاد محو کر دے گا ۔ جیسا کہ انہوں نے ذکر خدا کو فراموش کر دیا ہے[1]۔

امیرالمومنین ؑ کا ارشاد ہے :

" قم والوں میں سے ایک شخص لوگوں کو حق کی طرف بلائے گا۔ ایک گروہ اسکی آواز پر لبیک کہے گا، اس کے پاس جمع ہو جائیں گے جو کہ فولاد کی مانند ہوں گے انھیں کوئی متزلزل نہیں کر سکے گا ۔ وہ جنگ سے نہیں اکتائیں گے، وہ صرف خدا پر توکل کریں گے ، آخر کار متقین کامیاب ہوں گے[2]۔ "

---

[1] سفینۃ البحار

[2] بحارالانوار ج ۶۰ ص ۲۱۶

جلالی: آپ نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی۔ آپکی پیشین گوئی بعض احادیث کے منافی ہے مثلاً :

رسول اکرم کا ارشاد ہے:

"ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں قرآن کا خط ہی بچے گا اور اسلام برائے نام رہے گا لوگوں کو مسلمان کہا جائے گا لیکن وہ اس سے بہت دور ہوں گے ان کی مسجدیں آراستہ ہوں گی لیکن ہدایت سے ان کے دل خالی ہوں گے۔"[1]

ھوشیار: رسولؐ اکرم نے ایسی احادیث میں صرف یہ فرمایا ہے کہ ایک دن آئے گا کہ جب حقیقت و معنویت اسلام مٹ جائے گی صرف اس کی شکل باقی رہے گی اور مسلمان ہونے کے باوجود حقیقت سے کوسوں دور ہوں گے لیکن یہ بات مسلمانوں کی اکثریت کے منافی نہیں ہے ممکن ہے مسلمان ہونے کے باوجود وہ اسلام کی نورانیت سے کم فائدہ اٹھاتے ہوں اور پیکر اسلام پر کہنگی کی گرد پڑ گئی ہو اور وہ امام زمانہ اس گرد کو صاف کریں اور دین کی تجدید ہو جائے۔ جیسا کہ رسول کا ارشاد بھی ہے: "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مسلمانوں کی تعداد میں ہمیشہ اضافہ ہوگا اور شرک و مشرکین کی تعداد میں ہمیشہ کمی واقع ہوگی"۔ اس کے بعد فرمایا: "قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جہاں رات ہوتی ہے وہاں یہ دین پہنچے گا۔"[2]

مختصر یہ کہ اولاً یہ کہا گیا ہے کہ امام زمانہ کے ظہور سے قبل مسلمانوں کی اکثریت

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۹۰

[2] تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۸۷

ہو گی ثانیاً یہ کہا گیا ہے۔ آپ کے ظہور کے بعد بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ علوم و استعداد کی سطح بہت بلند ہو جائے گی اور حق قبول کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے۔

حضرت محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ :

"جب ہمارے قائم ظہور کریں گے اس وقت خدا اپنے بندوں پر کرم کرے گا ان کے حواس ٹھکانے لگائے گا اور ان کی عقلوں کو کامل کرے گا۔"[1]

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے :

"آخری زمانہ میں اور جہالت کے زمانہ میں خداوند عالم ایک شخص کو مبعوث کرے گا اور اپنے ملائکہ کے ذریعہ اس کی مدد کرے گا، اس کے چاہنے والوں کی حفاظت کرے گا۔ نشانیوں کے ذریعہ اس کی مدد کرے گا اور تمام اہل زمین پر اسے کامیابی عطا کرے گا تاکہ وہ زبردستی یا راضی برضا دین حق کو قبول کریں۔ زمین کو عدل و انصاف اور نور سے پر کرے گا۔ شہروں کے طول و عرض اس کے تابع ہوں گے ہر ایک کافر ایمان لے آئے گا اور ہر بدکردار صالح بن جائے گا۔"[2]

آپ کے دشمن بھی کمزور نہیں ہیں

انجینئر صاحب کے اعتراضات کو یہ چیز بھی تقویت دیتی ہے کہ دنیا کے عام

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۲۸

[2] اثبات الھداۃ ج ۷ ص ۴۹

حالات، خطرناک ایجادات کی ترقی، اسلحہ سازی کے میدان میں مشرق و مغرب کا مقابلے اور انسانیت کے اخلاقی تنزل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بڑی حکومتیں بلکہ یہود و نصاریٰ متحد ہوجائیں گے اور خطرناک اسلحوں سے بہت سے لوگوں کو اپنی انانیت کا نشانہ بنائیں گے۔ اور بہت سے خطرناک بیماری کے پیدا ہوجانے سے مرجائیں گے۔

عبدالملک کہتا ہے کہ میں حضرت امام محمد باقرؑ کی مجلس میں تھا اور دونوں ہاتھ ٹیک کر رونے لگا اور عرض کی: "مجھے یہ توقع تھی کہ میں حضرت قائم کو اس حال میں دیکھوں گا کہ مجھ میں طاقت ہوگی۔ امام نے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہارے دشمن جنگ میں مشغول رہیں اور تمہارے گھر محفوظ رہیں؟ جب ہمارے قائم ظہور کریں گے اس وقت تم میں سے ہر ایک کو چالیس مردوں کی قوت ملیگی۔ تمہارے دل فولاد کی مانند ہوجائیں گے کہ اگر پہاڑ کو بھی لگا دو گے تو اسے بھی شگافتہ کردو گے اور نتیجہ میں پوری دنیا پر تمہاری حکومت ہوگی[1]۔"

امام صادقؑ کا ارشاد ہے:

"قائم آل محمد کے ظہور سے قبل دو وبائیں آئیں گی، ایک سرخ موت دوسری سفید۔ یہاں تک کہ ہر سات آدمیوں والے خاندان میں سے پانچ ہلاک ہوجائیں گے۔ سرخ موت میں قتل ہوں گے اور سفید میں طاعون سے مریں گے[2]۔"

زرارہ کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کی: ندائے آسمانی

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۳۵

[2] اثبات الہداۃ ج ۷ ص ۴۰۱

حق ہے ؟ فرمایا :

"بالکل، خدا کی قسم خدا کی ہر قوم اسے اپنی زبان میں سنے گی"۔ اس کے بعد فرمایا:

قائم اس وقت تک ظہور نہ فرمائیں گے جب تک دس اشخاص سے نو ہلاک نہ ہو جائیں گے۔[1] "

جنگ ناگزیر ہے

فہیمی : کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ مہدی موعود کے ظہور کے لئے اس طرح زمین ہموار کی جائے کہ جس سے کوئی خونریزی نہ ہو اور آپ کی حکومت تشکیل پا جائے ؟

ہوشیار : عادت کے پیش نظر یہ چیز بعید نظر آتی ہے کیونکہ انسان کی فکر خواہ کتنی ہی ترقی کرلے اور خیر خواہ افراد کی تعداد میں کتنا ہی اضافہ ہو جائے پھر بھی ان کے درمیان ظالم و خودسر لوگ باقی رہیں گے جو حق و عدل پروری کے دشمن ہوتے ہیں اور وہ کسی طرح اپنا نظریہ نہیں بدلتے ایسے لوگ اپنے ذاتی مفاد و منافع سے دفاع کیلئے حضرت مہدیؑ کے خلاف اٹھیں گے اور جہاں تک ہو سکیگا تخریب کاری کریں گے ۔ ان لوگوں کو کچلنے کیلئے جنگ ضروری ہے۔ اس لئے اہل بیت کی احادیث میں جنگ کو حتمی قرار دیا گیا ہے۔

بشیر کہتے ہیں : میں نے ابو جعفر کی خدمت میں عرض کی : لوگ کہتے ہیں جس وقت امام زمانہ ظہور فرمائیں گے اس وقت ان کے کام سائنٹفک طریقہ سے روبراہ ہو جائیں گے اور فصد کھلوانے کے برابر بھی خونریزی نہ ہوگی ؟ آپؑ نے فرمایا :

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۲۴۴

"خدا کی قسم ایسا نہیں ہے یہ ممکن ہوتا تو رسول خدا کیلئے ہوتا، جبکہ دشمن سے جہاد میں رسولؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم حضرت صاحب الامر کا انقلاب بھی اس وقت تک کامیاب نہ ہوگا جب تک میدان جنگ میں خون نہ بہایا جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے دست مبارک پیشانی پر ملا[1]"

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۵۸

حضرتِ مہدیؑ کا اسلحہ

جلالی: سنا ہے کہ امام زمانہ تلوار کے ساتھ ظہور فرمائیں گے لیکن میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا ہوں کیونکہ بشر نے آج تک سیکڑوں قسم کے اسلحہ ایجاد کر لیتے ہیں، ایٹم بم، ہائیڈروجن بم بنا لیتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کئی کلو میٹر کی شعاع کو ویران کرنے کیلئے کافی ہے چنانچہ اسلحہ سازی کے میدان میں ترقی نے انسان کی نیند حرام کر دی ہے۔ ان تمام جنگی وسائل کے باوجود جو کہ انسان کے اختیار میں ہیں، اور اسلحہ سازی کے فن میں آئندہ وہ اور ترقی کرے گا اس کے باوجود یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ مہدی موعود اور ان کے سپاہی تلوار سے جنگ کریں گے اور کامیاب ہو جائیں گے؟!

ہوشیار: مہدی موعود کا تلوار کے ساتھ ظہور کرنا احادیث سے ثابت ہے مثلاً: امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

"مہدیؑ اپنے جد حضرت محمدؐ سے اس نہج سے مشابہت رکھتے ہیں کہ وہ تلوار کے ساتھ قیام کریں گے اور ظالموں، گمراہ کرنے والوں، اور خدا و رسول کے دشمنوں کو تہ تیغ کریں گے تلوار کے ذریعہ کامیاب ہوں گے اور ان کا کوئی پرچم (دار) بھی شکست کھا کر نہیں آئے گا۔[1]"

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۵۸

لیکن تلوار کے ساتھ خروج کرنا جنگ سے کنایہ ہے یعنی جنگ مہدی موعود کے سرکاری پروگرام کا جزو ہے۔ آپ دین اسلام کو دنیا بھر میں پھیلانے اور ظلم و تعدی کا قلع کرنے پر مامور ہیں خواہ اس سلسلہ میں تلوار ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ اس کے برخلاف ان کے آباد واجداد کو اس اہم ذمہ داری پر مامور نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ وعظ و نصیحت پر عمل کرتے تھے اس بناپر تلوار کے ساتھ خروج کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ کا جنگی اسلحہ فقط تلوار ہی ہے اور دوسرے اسلحہ کو استعمال ہی نہیں کر سکتے بلکہ ممکن ہے کہ آپ بھی دور حاضر کے اسلحہ سے جنگ کریں یہ بھی ممکن ہے کہ نیا اسلحہ بنائیں کہ جو اس وقت کے تمام اسلحہ پر غالب آجائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم آئندہ حالات و حوادث سے بے خبر ہیں اور انسان کی سرنوشت و صنعت کی ہم کو اطلاع نہیں ہے اس لئے بغیر مدرک کے مستقبل کو ماضی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ مستقبل میں صنعت و علوم اور تمدن میں کونسی قوم فوقیت لے جائیگی ہوسکتا ہے آئندہ مختلف اسلامی قومیں خواب غفلت سے بیدار ہوجائیں، جزئی اختلافات سے چشم پوشی کرلیں، اور سب پرچم توحید کے نیچے جمع ہوجائیں۔ قرآن کے علوم و دستورات کو اپنا لائحہ عمل بنالیں اور اسلام کے اصلاحی پروگرام اجراء کریں، اپنی خداداد ثروت سے فائدہ اٹھائیں۔ سستی اور گوشہ نشینی کی زندگی ترک کریں اور علوم و صنعت اور اخلاق میں تمدن بشریت کے علم بردار ہوجائیں مشرق و مغرب کی سرکش طاقت کو لگام چڑھائیں اور مصلح غیبی حضرت مہدی موعود کے قیام کیلئے زمین ہموار کریں۔ پس امام ظہور فرمائیں گے اور اپنی اس طاقت کے ذریعہ جو آپ کے دست اختیار میں ہے اور خدا کی تائید و نصرت کے توسط سے سرکش و ظالم حکومتوں کا تختہ الٹ دیں گے اور پوری دنیا میں توحید و عدل کی حکومت قائم کریں گے۔ اس وقت دنیا کے سائنس داں اور موحد اپنی آنکھوں

سے دیکھیں گے کہ انکی کوشش و زحمتوں کے نتیجہ کو صلح و صفا اور لوگوں کی زندگی کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں صرف ہونا چاہئے جبکہ وہ استعمار اور لوگوں کو فریب دینے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے انھیں تکلیف ہوگی۔ لیکن کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ بے شک وہ مہدیؑ اسلام کی عدل خواہی کی آواز پر لبیک کہیں گے اور اس کے مقصد کی تکمیل کیلئے کوشش کریں گے۔

ہم کیا جانتے ہیں، ممکن ہے انسان مستقبل میں جہالت و عداوت، عصبیت و خود پرستی سے دست کش ہو جائے اور اسلحہ سازی و ایٹم بم سازی کو ممنوع قرار دیدیا جائے اور اسلحہ کی فراہمی پر خرچ ہونے والے بے پناہ پیسے کو ثقافتی، عمرانی اور انسان کی رفاہ کیلئے خرچ کرے۔

دنیا مہدیؑ کے زمانہ میں

انجینئر : میری خواہش ہے کہ آپ حضرت مہدیؑ کے زمانۂ حکومت میں دنیا کے عام حالات بیان فرمائیں۔

ھوشیار : احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ جب مہدی موعود ظہور فرمائیں گے اور جنگ میں کامیاب ہوجائیں، مشرق و مغرب پر تسلط پالیں گے تو اس وقت پوری دنیا میں ایک ہی حکومت ہوگی۔ تمام شہروں اور صوبوں میں لائق حکام ضروری احکام کے ساتھ منصوب کئے جائیں گے[1]۔ ان کی کوشش سے تمام زمین آباد ہوجائے گی۔ حضرت مہدی بھی پوری زمین کے ممالک کے حوادث و حالات پر نظر رکھیں گے، زمین کا گوشہ گوشہ ان کیلئے ایسا ہی ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی۔ آپ کے اصحاب و انصار بھی دور سے آپ کو دیکھیں گے اور گفتگو کریں گے۔

ہر جگہ عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا۔ لوگ آپس میں مہربان ہوجائیں گے اور صدق و صداقت کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔ ہر جگہ امن و امان ہوگا، کوئی کسی کو آزار پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لوگوں کے اقتصادی حالات بہت اچھے ہوجائیں گے یہاں تک کہ کوئی زکواۃ کا مستحق نہیں ملیگا۔ منافع کی مسلسل بارش ہوگی۔ ساری زمین سرسبز ہوجائے گی۔ زمین کی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ کاشتکاری کے امور کی

---

[1] دلائل الامامہ مولفہ محمد بن جریر طبری ص ۲۴۹

ضروری اصلاحات ہونگی ۔ لوگ خدا کی طرف زیادہ متوجہ ہوں گے، گناہ چھوڑ دیں گے دین اسلام دنیا کا سرکاری دین ہوگا ۔ ہر جگہ سے اَللّٰہُ اَکْبَر کی آواز بلند ہوگی ۔ اصلی راستہ کو ساٹھ گز چوڑا کیا جائے گا، راہ سازی پر اتنی توجہ دی جائے گی کہ راستوں میں مساجد کی بھی رعایت نہ کی جائے گی، پیدل چلنے والوں کیلئے راستہ بنائے جائیں گے اور انھیں اسی پر چلنے کی تاکید کی جائے گی اور سواری والوں کو روڈ کے درمیان سے گزرنے کا حکم ہوگا ۔

راستوں میں کھلنے والی کھڑکیاں بند کردی جائیں گی ۔ گلی کوچوں میں پرنالے لگانے سے منع کر دیا جائے گا، مناروں کو توڑ دیا جائے گا ۔

امام مہدی کے زمانہ میں عقلیں کامل ہو جائیں گی، معلومات عامہ کی سطح بلند ہو جائے گی یہاں تک حجلہ نشین عورتیں بھی فیصلہ کر سکیں گی ۔

حضرت امام صادقؑ کا ارشاد ہے :

"علم کو ۲۷ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن ابھی تک اس کے دو حصوں تک ہی انسان کی رسائی ہوئی ہے ۔ جب ہمارا قائم ظہور کرے گا اس کے پچیس حصوں کو بھی آشکار کریں گے۔[1]"

لوگوں کا ایمان کامل ہو جائے گا، کینہ سے دل پاک ہو جائیں گے ۔ آخر میں اس بات کا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مذکورہ مطالب کو روایات سے لیا گیا ہے ۔ اگرچہ ان کا مدرک خبر واحد ہے ۔ تفصیل کیلئے بحار الانوار ج ۵۱ و ۵۲ ، اثبات الھداۃ ج ۶ و ۷ اور غیبت نعمانی کا مطالعہ فرمائیں ۔

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۲۶

انبیاء کی کامیابی

جلالی : روایات میں مہدی موعودؑ کی جو تعریف و توصیفات وارد ہوئی ہیں ان کے اعتبار سے تو آپؑ تمام انبیاء یہاں تک رسول اسلامؐ سے بھی افضل و اکمل ہیں کیونکہ معاشرہ انسانی کی اصلاح کرنے، توحید کی عالمی حکومت کی تاسیس کرنے اور انسانوں کے درمیان خدا کے احکام و قوانین کو جاری کرنے عدالت عمومی کے قائم کرنے اور ظلم و ستم کو مٹانے میں ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف مہدی موعودؑ ہی کامیاب ہوں گے بس۔

ہوشیار : اصلاح بشر اور خدا کے قوانین کا مکمل اجراء تمام انبیاء کا مقصد تھا ان خدائی نمائندوں میں سے ہر ایک نے اپنے زمانہ کی فکری استعداد کے مطابق اس مقصد کے حصول کیلئے کوشش کی اور انسان کو اس مقصد سے قریب کیا۔ اگر ان کی فداکاری و کوشش نہ ہوتی تو حکومتِ توحید کیلئے ہرگز زمین ہموار نہ ہوتی پس اس عظیم مقصد میں سارے انبیاء شریک ہیں، مہدی موعود کی کامیابی کو تمام خدا پرستوں اور انبیاء کی کامیابی تصور کرنا چاہئے۔ آپ کی کامیابی کوئی فردی کامیابی نہیں ہے بلکہ آپ کی محیر العقول طاقت کے ذریعہ حق باطل پر کامیاب ہوگا۔ دین داری بے دینی پر چھا جائے گی اور گزشتہ انبیاء کے وعدوں کو عملی جامہ پہنایا جائے گا اور ان کا مقصد پورا ہوگا۔

مہدی موعود کی کامیابی درحقیقت آدم و شیث، نوح و ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت محمدؐ اور تمام انبیاء کی کامیابی ہے۔ انہوں نے اپنی فداکاری سے راستہ ہموار کیا ہے اور انسان کے مزاج کو کسی حد تک آمادہ کیا ہے۔ منصوبہ سازی اور مبارزہ کا آغاز انبیاء ہی سے ہوا ہے اور اپنی نوبت میں ان میں سے ہر ایک نے بشر کے دینی افکار کی سطح کو بلند کیا ہے یہاں تک پیغمبر اسلام کی نوبت آئی تو آپ نے اس عالمی انقلاب کا مکمل نقشہ اور پروگرام مرتب کیا اور ائمہ اطہار کی تحویل میں دیدیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اور آپ کے جانشینوں نے بہت کوششیں کی ہیں اور بہت سی مشکلیں برداشت کی ہیں۔ سالہا سال گزرتے جائیں اور دنیا میں بہت سے انقلابات رونما ہوجائیں تب جاکر انسان کے مزاج میں توحید کی حکومت قبول کرنے کی استعداد و لیاقت پیدا ہوگی۔ اور اس وقت کفر و بے دینی کا محاذ مہدئ موعود کی سپاہ کے ذریعہ فتح ہوگا اور بشریت کی امید بر آئے گی۔

اس بنا پر مہدی موعود پیغمبر اسلام بلکہ تمام انبیاء کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے والے ہیں اور آپ کی کامیابی سارے آسمانی مذاہب کی کامیابی ہے۔ خدانے زبور میں حضرت داؤد سے کامیابی عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے اور حضرت مہدی کی شان میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ایک میں فرماتا ہے۔ ہم نے زبور میں لکھدیا ہے کہ ہم اپنے صالح و شائستہ بندوں کو زمین کا وارث بنائیں گے [1]

---

[1] انبیاء/۱۰۵

مہدی اور نیا آئین

ڈاکٹر : میں نے سنا ہے کہ امام زمانہ لوگوں کے لئے نیا دین وقانون لائیں گے اور اسلام کے احکام کو منسوخ قرار دیں گے کیا یہ بات صحیح ہے؟

ہوشیار : اس چیز کا سرچشمہ وہ احادیث ہیں جو اسی سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان میں سے چند حدیثیں پیش کرنا ضروری ہے۔

عبداللہ بن عطا کہتے ہیں : میں نے حضرت امام صادق کی خدمت میں عرض کی مہدی کی سیرت کیا ہے؟ فرمایا :

"جو کام رسول خدا (ص) انجام دیتے تھے ان ہی کو مہدی بھی انجام دیں گے۔ بدعتوں کو مٹائیں گے جیسا کہ رسول خدا نے جاہلیت کی بیخ کنی کی تھی اور از سر نو اسلام کی بنیاد رکھی تھی۔"[1]

ابو خدیجہ نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"جب حضرت قائم ظہور کریں گے اس وقت جدید آئین آئے گا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں رسول خدا نے لوگوں کو نئے آئین کی دعوت دی تھی۔"[2]

---

[1] بحار ج ۵۲ ص۳۵۲

[2] اثبات الھداۃ ج ۷ ص۱۱۱

حضرت امام صادق کا ارشاد ہے : جب حضرت قائم ظہور کریں گے تو اس وقت نیا آئین وکتاب اور نئی سیرت و قضاوت پیش کریں گے جو کہ عربوں کیلئے دشوار ہے، ان کا کام کشتار ہے کسی بھی کافر و ظالم کو زندہ نہیں چھوڑیں گے ۔ فریضہ کی انجام دہی میں کسی وقت لائم کی پروا نہیں کریں گے[1] "

سیرت مہدی عج

لیکن بہت سے احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مہدی کی وہی سیرت ہے جو رسول خدا کی تھی آپ اس قرآن و دین سے دفاع کریں گے جو کہ آپ کے جد پر نازل ہوا تھا ۔ چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں :

رسول ؐ کا ارشاد ہے : " میرے اہل بیت میں ایک شخص قیام کرے گا اور میری سنت و سیرت پر عمل کرے گا[2] "

نیز فرمایا : " قائم میرا ہی بیٹا ہے ۔ وہ میرا ہمنام و ہم کنیت ہے ۔ اس کی عادت میری عادت ہے وہ لوگوں کو میری طاعت اور دین کی طرف دعوت دے گا اور قرآن کی طرف بلائے گا[3] "

آپ کا ارشاد ہے :

---

[1] اثبات الهداۃ ج ۷ ص ۸۳

[2] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۸۲

[3] اثبات الھداۃ ج ۷ ص ۵۲

"میرے بیٹوں میں بارہواں ایسے غائب ہوگا کہ دیکھنے میں نہیں آئے گا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ جس میں اسلام کا صرف نام اور قرآن کا رسم الخط باقی رہے گا۔ اس وقت خدا انھیں انقلاب کی اجازت مرحمت کرے گا اور ان کے ذریعہ اسلام تجدید و تقویت پائے گا۔[1]"

نیز فرمایا:

"مہدی موعودؑ وہ مرد ہے جو میری عترت سے ہوگا اور میری سنت کیلئے جنگ کرے گا جیسا کہ میں نے قرآن کیلئے جنگ کی ہے۔[2]"

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مذکورہ احادیث کی صریح دلالت اس بات پر ہے کہ امام زمانہ کا پروگرام اور سیرت ترویجِ اسلام اور تجدید عظمتِ قرآن ہے اور پیغمبر اکرم کی سنّت کے احیاء کیلئے جنگ کریں گے۔

اس بنا پر اگر احادیث کے پہلے حصہ میں کوئی اجمال ہے بھی تو وہ اسے ان احادیث کے ذریعہ برطرف کرنا چاہئے۔ زمانہ غیبت میں، دین میں بدعتیں داخل کر دی جاتی ہیں اور اسلام و قرآن کے احکام کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے۔ بہت سے حدود و احکام کو ایسے فراموش کر دیا جاتا ہے جیسے ان کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہ تھا ظہور کے بعد حضرت مہدی بدعتوں کا قلع قمع کریں گے اور احکام خدا کو ایسے ہی نافذ کریں گے جیسا کہ وہ صادر ہوتے تھے۔ اسلامی حدود کو سہل انگاری کے بغیر جاری کریں گے

---

1. منتخب الاثر ص۹۸

2. ینابیع المودۃ ج ۲ ص۱۴۹

ظاہر ہے ایسا پروگرام لوگوں کیلئے بالکل نیا ہوگا۔

حضرت امام صادق فرماتے ہیں :

"ظہور کرنے کے بعد قائم سیرتِ رسول خدا کے مطابق عمل کریں گے لیکن آثار محمد کی تفسیر کریں گے۔"[1]

فضیل بن بسیار کہتے ہیں : میں نے حضرت امام محمد باقر کو فرماتے سنا :

"جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو لوگ آپ کی راہ میں مشکلیں اور رکاوٹیں ایجاد کریں گے کہ زمانۂ جاہلیت میں اتنی ہی پیغمبر اکرم کی راہ میں ایجاد کی گئی تھیں" میں نے عرض کی کیسے ؟ فرمایا : "جب پیغمبر مبعوث بہ رسالت ہوئے تو اس وقت لوگ پتھر اور لکڑی کے بتوں کو پرستش کرتے تھے لیکن جب ہمارا قائم قیام کریگا تو اس وقت لوگ احکام خدا کی، اس کے مخالف تفسیر و تاویل کریں گے اور قرآن کے ذریعہ آپ پر احتجاج کریں گے۔ اس کے بعد فرمایا : خدا کی قسم قائم کی عدالت انکے گھروں کے اندر ایسے ہی داخل ہوگی جیسے سردی و گرمی داخل ہوتی ہے۔"[2]

توضیح

جن لوگوں نے اسلام کے ارکان و مسلم اصولوں سے چشم پوشی اور قرآن کے ظاہر پر اکتفا کر لی ہے، نماز، روزہ اور نجاسات سے اجتناب کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتے ،

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۴۷

[2] اثبات الھداۃ ج ۷ ص ۸۶

ان میں سے بعض نے دین کو مسجد میں محصور کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام ان کے اعمال وحرکات میں داخل نہیں ہے۔ ان کے بازار، گلی کوچے، راستوں اور گھروں میں اسلام کا نام ونشان نہیں ہے اخلاقیات اور اجتماعی دستورات کو اسلام سے جدا سمجھتے ہیں۔ بری صفات کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے اور واجبات ومحرمات سے یہ کہکر الگ ہوجاتے ہیں یہ تو اختلافی ہیں، خدا کی حرام کردہ چیزوں کو تاویلات کے ذریعہ جائز قرار دیتے ہیں۔ واجب حقوق کو پورا کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ حسب منشا احکام دین کی تاویل کرتے ہیں۔ صوری طور پر قرآن کا احترام کرتے ہیں اگر امام زمانہ ظاہر ہوجائیں اور ان سے فرمائیں حقیقت دین کو تم نے گم کر دیا ہے۔ آیات قرآن واحادیث رسول کی تم خلاف واقع تاویل کرتے ہو۔ حقیقتِ اسلام کو تم نے کیوں چھوڑ دیا اور اس کے بعض ظاہر پر کیوں اکتفا کرلی؟ اپنے اعمال ورفتار کی تم نے دین سے مطابقت نہ کی بلکہ احکام دین کی اپنی دنیا سے توجیہ کی تجوید وقرائت میں زحمت اٹھانے کی بجائے تم احکام قرآن پر عمل کرو۔ میرے جد صرف رو لینے کیلئے شہید نہیں ہوئے ہیں، میرے جد کے مقصد کو کیوں فراموش کر دیا؟

اخلاقی واجتماعی احکام کو ارکان اسلام سے لو اور انھیں اپنے عملی پروگرام میں شامل کرلو اخلاقی محرمات سے پرہیز کرو، اپنے مالی حقوق ادا کرو۔ بے جا بہانہ بازی سے مغرور نہ بنو۔ واضح رہے فضائل ومصائب پڑھنے اور سننے سے خمس وزکوٰۃ اور قرض ادا نہیں ہوتا ہے اور اس سے گناہ، سود خوری، رشوت ستانی، دھوکہ دھی کا جرم معاف نہیں ہوتا ہے۔ مختلف بہانوں سے واجبات کو ترک نہ کرو۔ تقویٰ وطہارت کو

مسجدوں میں محصور نہ کرو، اجتماع میں شرکت کرو اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کو انجام دو اور بدعتوں کو اسلام سے نکال دو۔

ظاہر ہے ایسا دین اور اس کا پروگرام مسلمانوں کیلئے نیا ہے وہ اس سے ڈرتے ہیں بلکہ اسے اسلام ہی نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ اسلام کو انہوں نے دوسری طرح تصور کر لیا تھا وہ یہ سمجھتے تھے اسلام کی ترقی و عظمت صرف مسجدوں کی زینت اور ان کے بڑے بڑے مینار بنانے میں منحصر ہے۔ اگر امام فرمائیں عظمت اسلام عمل صالح، سچائی، امانت داری عہد پورا کرنے اور حرام سے اجتناب میں ہے تو یہ چیز انھیں نئی معلوم ہو گی کیونکہ وہ سوچتے تھے کہ جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تمام مسلمانوں کے اعمال کی اصلاح فرمائیں گے اور ان کے ساتھ گوشۂ مسجد میں مشغول عبادت ہو جائیں گے۔ اگر وہ امام زمانہ کی تلوار سے خون ٹپکتا ہوا دیکھیں گے اور یہ مشاہدہ کریں گے کہ آپ لوگوں کو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور ستم کیش نماز گزاروں کو قتل کر رہے ہیں اور ظلم و تعدی اور رشوت کے ذریعہ جمع کئے ہوئے اموال کو ان کے وارثوں میں تقسیم کر رہے ہیں، زکواۃ نہ دینے والوں کی گردن مار رہے ہیں تو یہ پروگرام ان کیلئے نیا ہے۔

جب امام صادقؑ نے فرمایا: جب ہمارا قائم قیام کریں گے اس وقت لوگوں کو از سر نو اسلام کی طرف دعوت دیں گے اور جس چیز سے عام لوگ دور ہو گئے ہیں اسکی طرف لوگوں کی ہدایت کریں گے۔ آپ کو مہدی اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ اس چیز کی طرف ہدایت کریں گے جس سے وہ دور ہو گئے تھے اور قائم اس لئے کہا گیا ہے کہ حق کے ساتھ قیام کریں گے۔[۱]

([۱] کشف الغمہ ج ۳ ص۲۵۴ ارشاد مفید ص۳۴۳)

خلاصہ :

جعلی مہدیوں اور ان کے پروگراموں اور حقیقی مہدی اور ان کے پروگرام میں زمین آسمان کا فرق ہے چونکہ لوگوں کو ان کا پروگرام پسند نہیں آتا ہے۔ اس لئے ابتداء ہی میں متفرق ہو جاتے ہیں لیکن کوئی راہ فرار نہیں ملتی ہے اس لئے ان کے سامنے سراپا تسلیم ہو جاتے ہیں ۔

امام صادق فرماتے ہیں : گویا میں قائم کو دیکھ رہا ہوں ، قبا پہنے ہوئے ہیں اور پیغمبر کا عہد نامہ طلائی مہر لگا ہوا جیب سے نکالا ، اس کی مہر کو توڑا اور لوگوں کے سامنے پڑھا تو لوگ ان کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے چنانچہ گیارہ نقیب کے علاوہ کوئی باقی نہ بچا پس لوگ مصلح کی جستجو میں ہر جگہ جاتے ہیں لیکن کوئی چارہ ساز نہیں ملتا اس لئے پھر آپ ہی کی طرف لوٹ آتے ہیں ۔ قسم خدا کی میں جانتا ہوں قائم ان سے کیا کہتے ہیں ۔[1]

مہدی اور نسخ احکام

فہیمی : آپ نے اس سے قبل فرمایا تھا کہ امام زمانہ مشرع نہیں ہیں احکام کو منسوخ نہیں کرتے ہیں ، بات درج ذیل روایات کے منافی ہے ۔

حضرت امام صادق فرماتے ہیں : " اسلام میں دو خون حلال ہیں اور کوئی بھی اس کا حکم نہیں دیتا ہے ۔ یہاں تک خدائے متعال قائم آل محمد کو بھیجے گا اور آپ گواہ کے بغیر ان کے قتل کا حکم جاری کریں گے ۔ ان میں سے ایک زنائے محصنہ

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۲٦

کا مرتکب ہے کہ آپ اسے سنگسار کریں گے دوسرے زکوٰۃ کا انکار کرنے والا ہے کہ آپ اس کی گردن ماریں گے[1]

آپ ہی کا ارشاد ہے: جب قائم آل محمد ظہور کریں گے تو داؤد و سلیمان کی طرح گواہ کے بغیر لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے[2]

ایسی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام زمانہ اسلام کے احکام کو منسوخ کر دیں گے اور نئے احکام نافذ کریں گے۔ آپ ایسے عقائد کے ذریعہ مہدی کی نبوت کا اثبات کرتے ہیں اگرچہ انھیں پیغمبر نہیں کہتے ہیں!!

ھوشیار: اول تو اس بات کا مدرک خبر واحد ہے جو کہ مفید یقین نہیں ہے۔ دوسرے اس میں کیا حرج ہے کہ خدا اپنے پیغمبرؐ پر ایک حکم کیلئے وحی نازل کرے اور فرمائے: اس وقت سے ظہور امام زمانہ تک آپؐ اور سارے مسلمان اس پر عمل کریں لیکن آپؐ کے بارہویں جانشین اور ان کا اتباع کرنے والے دوسرے حکم پر عمل کریں گے۔ رسول اپنے خلفا کے ذریعہ بارہویں امام کو اس کی اطلاع دیدیں۔ اس صورت میں نہ حکم منسوخ ہوا اور نہ امام زمانہ پر نئے حکم کی وحی ہوئی ہے بلکہ پہلا حکم ابتدا ہی سے مقید تھا اور دوسرے حکم کی پیغمبر اسلام کی خبر تھی۔

مثلاً معاشرہ کی بھلائی اس میں ہے کہ قاضی لوگوں کے درمیان ظاہری ثبوت و گواہ اور قسم کے تحت فیصلہ کرے پیغمبر اکرم اور ائمہ بھی اسی پر مامور تھے لیکن جب مہدی ظہور کریں گے اور اسلامی حکومت تشکیل دیں گے تو آپ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں گے پس ایسے احکام ابتدا ہی سے اسلام کا جزء رہے ہیں لیکن ان کے اجراء کا زمانہ مہدی کے ظہور کا زمانہ ہے۔

---

[1] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۲۵ [2] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳۲۰

کیا دلیل ہے کہ مہدی نے قیام نہیں کیا ہے؟

ڈاکٹر: ہم اصل مہدویت والی آپ کی بات تسلیم کرتے ہیں لیکن اس بات پر کیا دلیل ہے کہ مہدی موعود نے ابھی تک ظہور نہیں کیا ہے؟ صدر اسلام سے آج تک قرشی و غیر قرشی بہت سے افراد نے مختلف شہروں میں خروج کیا اور مہدویت کا دعویٰ کیا ہے، ان میں سے بعض کے عقیدت مند ہوئے اور مذہب بھی بنایا ہے اور بعض نے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی بنائی ہیں۔ ہم مہدی موعود کے انتظار میں بیٹھے ہیں ممکن ہے ان میں سے کوئی حقیقی مہدی رہا ہو اور ہمیں اس کی خبر نہ ہوئی ہو۔

ہوشیار: جیسا کہ گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے ہم ایک بے نام و نشان اور مجہول الہویت مہدی کے معتقد نہیں ہیں کہ جس کی مطابقت میں اشتباہ ہو جائے بلکہ پیغمبر اکرم اور ائمہ اطہار کہ جنہوں نے وجود مہدی کی خبر دی ہے، انہوں نے مکمل تعریف و توصیف بیان کی ہے اور ہر اجمال و ابہام کو برطرف کر دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

نام: مہدی، کنیت: ابوالقاسم ہے والدہ: نرجس، صیقل و سوسن نام کی کنیز تھیں۔ بنی ہاشم میں سے اولاد فاطمہ زہراء، نسل امام حسینؑ سے امام حسن عسکری کے بلا فصل فرزند ہیں۔ ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں شہر سامرہ میں ولادت پائی ہے، دو غیبت اختیار کریں گے۔ ایک صغریٰ دوسری کبریٰ۔ دوسری اتنی طویل ہو گی کہ بہت سے

لوگ آپ کے اصل وجود ہی میں شک کرنے لگیں گے۔ آپؑ کی عمر بہت طویل ہوگی ظہور ودعوت کی مکہ سے ابتداء کریں گے، تلوار و جنگ سے تحریک چلائیں گے اور سارے ظالم و مشرکین کو تہ تیغ کریں گے۔ تمام اہل کتاب اور مسلمان ان کے سراپا تسلیم ہو جائیں گے ایک عالمی و اسلامی حکومت تشکیل دیں گے۔ ظلم و بیداد گری کا قلع قمع کر کے عالمی عدل و انصاف کی داغ بیل ڈالیں گے۔ اسلام کو سرکاری دین قرار دیں گے اور اس کی ترویج و توسیع میں کوشاں رہیں گے.. مسلمان ایسے مہدی کے ظہور کے منتظر ہیں۔

سید علی محمد شیرازی

ڈاکٹر صاحب! اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا ان میں سے کسی میں آپ نے یہ اوصاف و علامات دیکھے ہیں تاکہ اس دعوے کے صدق کا احتمال ہو؟

مثلاً ایران کے ایک شہر میں ایک شخص نے مہدویت کا دعویٰ کیا لیکن وہ امام حسن عسکری کے فرزند نہ تھے، غیبت کبریٰ میں نہیں رہے تھے۔ طویل العمر بھی نہیں تھے پوری عمر میں کوئی جنگ نہیں کی تھی۔ ظالموں کا خون نہیں بہایا تھا، عالمی اور اسلامی حکومت بھی نہیں بنائی تھی۔ زمین کو صرف عدل و انصاف سے پر ہی نہیں کیا تھا بلکہ چھوٹے سے ظلم سے بھی لوگوں کو نہیں بچا سکے تھے، دین اسلام کو دنیا بھر میں تو کیا پھیلاتے اس کے برعکس اسلام کے احکام و قوانین کو منسوخ کر دیا تھا اور اس کی جگہ نیا آئین پیش کیا تھا، کوئی خاص پڑھے لکھے نہ تھے۔ خارق العادت کام بھی انجام نہیں دیا تھا، باوجود اس کے کہ اپنے کیے پر پشیمان تھے، شرمندگی کا اظہار

کرتے تھے اور تختۂ دار پر چڑھائے گئے[1]۔ کیا کوئی عاقل و باشعور یہ سوچ سکتا ہے کہ ایسا شخص مہدی موعود ہوگا؟

عجب بات یہ ہے کہ سید علی محمد شیرازی نے جس وقت اپنے قائم و مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اس وقت "تفسیر سورۂ کوثر" نامی کتاب لکھی تھی اور اس میں مہدی موعود سے متعلق احادیث جمع کی تھیں کہ جن میں سے ایک اس کے مہدی ہونے کو ثابت نہیں کرتی۔ بعد میں یہ کتاب اس کے اور اس کے ماننے والوں کیلئے دردسر بن گئی تھی اور بہت سے اعتراضات کھڑے ہوگئے تھے۔

اس کتاب میں لکھتے ہیں: موسیٰ بن جعفر بغدادی روایت کرتے ہیں کہ میں امام حسن عسکریؑ سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا: گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے جانشین کے بارے میں اختلاف کروگے لیکن جان لو کہ جو شخص رسول کے تمام ائمہ کی امامت کا قائل ہوگا اور صرف میرے بیٹے کا منکر ہوگا تو اس کی اس شخص کی سی حالت ہوگی جو تمام انبیاء کو تسلیم کرتا ہے لیکن حضرت محمدؐ کی نبوت کا منکر ہے اور جو شخص رسول خدا کی نبوت کا انکار کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے سارے انبیاء کا انکار کر دیا ہے، کیونکہ ہمارے آخری فرد کی اطاعت بالکل ایسی ہی ہے جیسے پہلے فرد کی اطاعت کی اور ہمارے آخری فرد کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے اولین فرد کا انکار کرے جان لو میرا بیٹا اتنی طویل غیبت اختیار کرے گا کہ تمام لوگوں میں وہی شک میں نہیں پڑے گا جس کی خدا حفاظت کرے گا[2]۔

---

[1] ملخص تاریخ نبیل زرندی ص۱۳۵ تا ص۱۳۸

[2] تفسیر سورۂ کوثر

امام رضا نے دعبل سے فرمایا : "میرے بعد میرا بیٹا محمد امام ہے اور محمد کے بعد ان کے بیٹے علیؑ امام ہیں اور علی کے بعد ان کے بیٹے حسن امام ہیں اور حسن کے بعد ان کے بیٹے حجت و قائم امام ہیں کہ غیبت کے زمانہ میں ان کا منتظر رہنا اور ظہور کے وقت انکی اطاعت کرنا چاہیئے اگر دنیا کی عمر کا ایک ہی دن باقی بچے گا تو بھی خدا اسے اتنا طولانی کر دے گا کہ قائم ظہور کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے پر کریں جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی تھی۔ لیکن وہ کب خروج کریں گے۔ اس سلسلہ میں میرے آباؤ اجداد نے روایت کی ہے کہ رسول سے عرض کیا گیا۔ اے اللہ کے رسولؐ آپ کے بیٹے کب خروج کریں گے؟ فرمایا : خروج قائم قیامت کے مثل ہے کہ جس کے وقت کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا کیونکہ وہ زمین میں بہت گراں ہے اچانک آجائے گی۔[1]

ان دونوں حدیثوں کو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ چند چیزوں کی تصریح کی گئی ہے ہے اول یہ کہ قائم و مہدی موعود امام حسن عسکری کے بلافصل فرزند ہیں دوسرے غیبت کبریٰ ہے تیسرے ظاہر ہو کر زمین کو عدل و انصاف سے پر کرنا ہے چوتھے آپ کے ظہور کا وقت معین نہیں کیا جا سکتا۔

امام غائب کے وجود کا اعتراف

سید علی محمد نے اپنی کتاب تفسیر سورۂ کوثر میں متعدد جگہوں پر امام غائب کے وجود کا اعتراف کیا ہے اور اس کے آثار و علامات قلم بند کئے ہیں۔

---

[1] تفسیر کوثر

ایک جگہ لکھتے ہیں: امام غائب کے وجود میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ اگر ان کا وجود نہ ہوگا تو پھر کسی چیز کا وجود نہ ہوگا۔ آپ کا وجود روز روشن کی طرح واضح ہے۔ کیونکہ ان کے وجود میں شک لازمہ قدرت خدا کا انکار ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ یہاں تک لکھتے ہیں۔ ہم فرقۂ اثنا عشری مسلمانوں و مومنوں کے نزدیک ان کی ولادت ثابت ہو چکی ہے۔ میری اور اس شخص کی روح آپؑ پر فدا جو ملکوت امر و خلق میں موجود ہے۔ غیبت صغریٰ، اس زمانہ کے معجزات اور آپ کے نائبوں کے علامات بھی ثابت ہو چکے ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: وہ خلف صالح ہیں۔ ان کی کنیت ابوالقاسم ہے، وہ قائم بامر اللہ ہیں۔ وہ دنیا پر خدا کی حجت ہیں۔ وہ بقیۃ اللہ ہیں۔ آپؑ مہدی ہیں جو کہ خفیہ طور پر لوگوں کی ہدایت فرماتے ہیں، لیکن میں ان کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا لیکن اس طرح لونگا جس طرح امام نے لیا ہے یعنی م۔ ح،م،د۔ اس سلسلہ میں آپؑ نے نہی فرمایا ہے، خود امام نے توقیع شریف میں فرمایا ہے جو شخص بھی مجمع عام میں میرا نام لے اس پر خدا کی لعنت۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں: ولی عصرؑ کی دو غیبتیں ہیں، غیبت صغریٰ میں آپ کے معتمد مقرب وکیل و نائب ہوئے ہیں۔ غیبت صغریٰ کی مدت ۷۴ سال ہے۔ آپ کے نواب عثمان بن سعید عمری، ان کے بیٹے محمد بن عثمان، حسین بن روح اور علی بن محمد سمری ہیں۔

دوسری جگہ رقمطراز ہیں: ایک روز میں مسجد الحرام میں رکن یمانی کے پاس نماز میں مشغول تھا کہ ایک فربہ اور حسین و جمیل جوان دیکھا کہ جو نہایت ہی خضوع سے طواف میں مشغول تھا۔ سر پر سفید عمامہ اور دوش پر اونی عبا ڈالے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے فارس کا کوئی تاجر ہو۔ میرے اور ان کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ

نہ تھا۔ اچانک میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ صاحب الامر ہیں۔ لیکن ان کے پاس جاتے ہوئے شرم محسوس کر رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہوا تو وہ جا چکے تھے لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ صاحب الامر تھے۔

سید علی محمد اور احادیث توقیت

ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کی قربان جاؤں قائم کب خروج کریں گے؟ فرمایا: اے ابو محمد! اہل بیت ظہور کا وقت معین نہیں کر سکتے محمد نے فرمایا: ظہور کا وقت معین کرنے والا جھوٹا ہے[1]۔

اس اور ایسی ہی دوسری احادیث کا تقضایہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ نے ہرگز ظہور کا وقت معین نہیں کیا ہے بلکہ معین کرنے والوں کی تکذیب کی ہے لیکن سید علی محمد کے پیروکاروں نے اپنے پیشوا کی نص صریح کے خلاف ابو لبید مخزومی کی ضعیف حدیث تلاش کی اور فضول تاویلات سید علی محمد کے سنہ ظہور کا اس سے استنباط کیا ہے۔

اس فرقہ کی رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ابو لبید کی حدیث پر بہت سے اشکالات وارد کئے گئے ہیں۔ ابو بصیر کی حدیث کے مطابق جسے خود علی محمد نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے اور اپنی کتاب میں نقل کیا، ہر وہ حدیث ناقابل اعتبار ہے جو ظہور قائم کا سنہ معین کرتی ہے اور ایسی حدیث سے تمسک جائز نہیں ہے خواہ وہ ابو لبید

---

[1] تفسیر سورۂ کوثر

کی ہو یا کسی اور کی ۔

حدیث ذیل بھی تفسیر سورہ کوثر میں نقل ہوئی ہے :

ایک طویل حدیث کے ضمن میں امام صادقؑ نے فرمایا : امت ہمارے قائم کا بھی انکار کرے گی ۔ ایک بغیر علم کے کہے گا : امام پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں ۔ دوسرا کہے گا : گیارہویں امام کے یہاں کوئی اولاد ہی نہیں تھی ۔ تیسرا اپنی باتوں سے تفرقہ ڈالے گا اور وہ بارہ ائمہ سے بھی آگے بڑھ جائے گا اور ان کی تیرہ یا دس سے زیادہ تعداد بتائیگا دوسرا خدا کا عصیان کرے گا اور کہے گا روح قائم دوسرے شخص کے بدن سے ہم کلام ہوتی ہے ۔[1]

اس کے پیروکار کیا کہتے ہیں ؟

ان صریح باتوں کے باوجود جو کہ سید علی محمد نے اپنی کتاب تفسیر سورہ کوثر میں تحریر کی ہیں ، جن میں سے بعض ہم نے بھی قلم بند کی ہیں ۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے پیروکاروں کا عقیدہ کیا ہے ۔ اگر اسے مہدی موعود و قائم سمجھتے ہیں تو علاوہ اس کے کہ یہ موضوع اہل بیتؑ کی احادیث کے منافی ہے ۔ خود موصوف کی تصریحات کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس نے امام زمانہ کو امام حسن عسکری کا بلافصل فرزند لکھا ہے اور نام م۔ح۔م۔د اور کنیت ابوالقاسم لکھی ہے اور غیبت صغریٰ و کبریٰ کو آپ کیلئے ضروری قرار دیا ہے ۔ آپ کے چاروں نائبوں کے نام بھی تحریر کئے ہیں اور مسجد الحرام کا واقعہ بھی لکھا ہے ۔

اگر یہ کہتے ہیں کہ روح امام زمانہ سید علی محمد میں حلول کر گئی تھی اور وہ مظہر امام ہیں تو یہ عقیدہ بھی باطل ہے کیونکہ اول تو یہ تناسخ و حلول ہے اور تناسخ و حلول کو علم کے

ذریعہ باطل کیا جا چکا ہے۔ دوسرے یہ عقیدہ ان احادیث کے منافی ہے جن کو خود سید علی محمد نے امام صادق سے نقل کیا ہے کیونکہ امام صادقؑ نے فرمایا تھا:۔ ایک گروہ عصیان کرے گا اور کہے گا روحِ قائم دوسرے شخص کے بدن سے کلام کرتی ہے۔

اپنے پیغمبر ہونے کا انکار کیا

اگر اسے پیغمبر یا باب سمجھتے ہیں تو وہ اس کیلئے راضی نہیں تھے بلکہ اس کے قائلین کو کافر کہا ہے۔ اپنی کتاب "تفسیر سورہ کوثر" میں لکھتے ہیں: ذکر اسم ربک ــ خود ہی ــ جو وحی اور قرآن کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کافر ہیں، جو ذکر اسم ربک کہتے ہیں وہ حضرت بقیۃ اللہ کی بابیت کے قائل ہیں کافر ہیں۔ اے خدا! گواہ رہنا کہ جو شخص بھی خدائی یا ولایت کا دعویٰ کرے یا قرآن و وحی کا مدعی ہو یا تیرے دین میں کم یا زیادتی کرے وہ کافر ہے اور میں اس سے بیزار ہوں۔ تو جانتا ہے کہ میں نے ہرگز بابیت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔[1]

جب سید علی محمد تفسیر سورۂ کوثر لکھ رہے تھے، اس وقت ان کے دماغ میں دعوے کا خناس نہیں تھا، بس خود کو بہترین دانشور سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے خود کو خانہ نشین کر لیا اور علما کو کام میں مشغول دیکھتے تو افسوس کرتے تھے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: خدا نے میرے اوپر احسان کیا، میرے قلب کو روشن کر دیا میں جانتا ہوں کہ دین خدا کو اسی طرح پہنچواؤں جس طرح قرآن میں نازل ہوا اور جس کو

---

[1] تفسیر سورۂ کوثر

اہل بیتؑ کی احادیث دلالت کر رہی ہیں۔

اس کی طرف جن چیزوں کی نسبت دی جاتی تھی وہ اس سے رنجیدہ تھے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن بعد میں ان پر یہ واضح ہوا کہ لوگوں کی حماقت حد سے بڑھ گئی ہے وہ صرف میری تمام باتوں ہی کو قبول نہیں کرتے ہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی کر دیتے تھے۔ اس وقت ان کے دماغ میں اپنے قائم ہونے کی ہوس پیدا ہوئی اور اپنے قائم ہونے کا کھلم کھلا دعویٰ کر دیا۔

جھوٹا دعویٰ

انجینئر : ان افراد کا دعویٰ جھوٹا تھا تو ان کے اتنے عقیدت مند و فداکار کیسے پیدا ہوئے ؟

ہوشیار : ایک گروہ کا کسی شخص کا عقیدت مند و گرویدہ ہونا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ باطل مذاہب اور عقائد ہمیشہ دنیا میں تھے اور ہیں اور ان کے بھی سچے عقیدت مند تھے۔ نادان گروہ کی استقامت و فداکاری کو ان کے پیشوا کی حقانیت کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کیجئے تاکہ حقیقت روشن ہو جائے۔ مثلاً اس زمانہ میں بھی، کہ جس کو علم و ارتقاء کا زمانہ کہا جاتا ہے، ہندوستان میں ملیوں انسان ہیں جو حیوانات کی پرستش کرتے ہیں اور گائے کو عظیم المرتبت سمجھتے ہیں۔ اس کا ذبح کرنے یا اس کے گوشت کھانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس کی بے حرمتی کو گناہ سمجھتے ہیں چنانچہ ہندو مسلم اختلافات کے اسباب میں سے ایک گاؤ کشی بھی ہے۔ اسی طرح ہندو بندروں کا بھی احترام کرتے ہیں اور بندر آزادی

کے ساتھ لوگوں کو پریشان کرتے ہیں اور کوئی انھیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ حکومت کے آدمی انھیں احترام کے ساتھ شہر سے پکڑتے ہیں اور جنگلوں میں چھوڑ آتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو اہم مسائل بحث کے محتاج تھے ان کی تحقیق و تجزیہ ہو چکا ہے کوئی اہم مسئلہ باقی نہیں رہا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں جلسوں کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔

جلالی: میرا بھی یہی خیال ہے کہ کوئی اہم مسئلہ نہیں بچا ہے۔

ڈاکٹر: ان جلسوں سے میں بہت مستفیض ہوا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ اسی طرح تمام احباب مستفیض ہوئے ہیں۔ ہم سب کی خواہش تھی کہ جلسوں کا سلسلہ جاری رہے اور ہم مستفید ہوتے رہیں لیکن جناب ہوشیار صاحب کی مشغولیتوں کے پیش نظر میں اس سلسلہ کے اختتام کا موافق ہوں، انشاء اللہ دوسرے اوقات میں آپ سے مستفید ہوں گے۔

آخر میں انکی مہربانی کا شکریہ ادا کر دینا ضروری ہے، خدا بقیۃ اللہ الاعظمؑ کے ظہور و فرج کو نزدیک کر دے اور ہم سب کو اسلام کے خدمت گار اور انصار امام زمانہ میں قرار دے۔ (آمین!)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدارک و مآخذ کتاب

۱ ــ قرآن کریم
۲ ــ نهج البلاغه
۳ ــ اصول کافی محمدبن یعقوب کلینی
۴ ــ بحارالانوار مجلسی
۵ ــ اثبات الهداة محمدبن حسن حرعاملی
۶ ــ صحیح مسلم مسلم بن حجاج نیشابوری
۷ ــ سنن ابی داود ابوداود سلیمان‌بن اشعر سجستانی
۸ ــ سنن ابن ماجه ابوعبدالله محمدبن یزیدبن عبدالله بن ماجه
۹ ــ صحیح ترمذی ابوعیسی محمدبن سوره
۱۰ ــ صحیح بخاری محمدبن اسماعیل بخاری
۱۱ ــ مسنداحمد احمدبن محمدبن حنبل
۱۲ ــ مجمع الزوائد علی بن ابی بکر هیثمی
۱۳ ــ الحاوی للفتاوی جلال الدین سیوطی
۱۴ ــ البیان محمدبن یوسف شافعی
۱۵ ــ نورالابصار سید مؤمن شبلنجی
۱۶ ــ مشکوة المصابیح محمدبن عبدالله خطیب
۱۷ ــ ینابیع المودة شیخ سلیمان
۱۸ ــ کفایة الطالب محمدبن یوسف کنجی شافعی
۱۹ ــ اسعاف الراغبین محمدبن علی الصبان
۲۰ ــ فصول المهمة علی بن محمدبن احمدبن الصباغ المالکی
۲۱ ــ ذخائر العقبی محب الدین طبری
۲۲ ــ تذکرة خواص الامة سبط بن جوزی
۲۳ ــ نظم دررالسمطین محمدبن یوسف
۲۴ ــ کنزالعمال علی بن حسام الدین
۲۵ ــ مطالب السؤل محمدبن طلحه شافعی
۲۶ ــ الصواعق المحرقة احمدبن حجر هیثمی
۲۷ ــ مقدمه ابن خلدون
۲۸ ــ الامامة والسیاسه ابن قتیبه
۲۹ ــ الطبقات الکبیر محمدبن سعد

۳۰ ــ	ملل ونحل	شهرستانی
۳۱ ــ	فرق الشیعه	حسن بن موسی نوبختی
۳۲ ــ	المقالات والفرق	سعدبن عبدالله اشعری
۳۳ ــ	مقاتل الطالبیین	ابوالفرج اصفهانی
۳۴ ــ	اغانی	ابوالفرج اصفهانی
۳۵ ــ	وفیات الاعیان	احمدبن محمدبن ابی بکربن خلکان
۳۶ ــ	تاریخ الرسل والملوک	محمدبن جریرطبری
۳۷ ــ	البدایة والنهایة	اسماعیل بن عمربن کثیر
۳۸ ــ	مروج الذهب	علی بن حسین مسعودی
۳۹ ــ	تاریخ یعقوبی	احمدبن ابی یعقوب
۴۰ ــ	صفة الصفوة	ابوالفرج
۴۱ ــ	روضة الصفا	میرخوند
۴۲ ــ	اثبات الوصیة	مسعودی
۴۳ ــ	تاریخ بغداد	احمدبن علی خطیب بغدادی
۴۴ ــ	تاریخ ابن عساکر	علی بن حسن شافعی
۴۵ ــ	الکامل فی التاریخ	ابن اثیر
۴۶ ــ	تاریخ منصوری	محمدبن علی حموی
۴۷ ــ	شذرات الذهب	ابوالفلاح حنبلی
۴۸ ــ	العبرفی خبرمن غبر	ذهبی
۴۹ ــ	فتوحات الاسلامیة	سیداحمد
۵۰ ــ	لسان المیزان	احمدبن حجرعسقلانی
۵۱ ــ	نزهة النظر	احمدبن حجر عسقلانی
۵۲ ــ	میزان الاعتدال	ذهبی
۵۳ ــ	رجال بوعلی	بوعلی
۵۴ ــ	رجال مامقانی	مامقانی
۵۵ ــ	منهج المقال	علامهٔ بهبهانی
۵۶ ــ	مناقب آل ابیطالب	محمدبن علی بن شهرآشوب
۵۷ ــ	اعیان الشیعه	سیدمحسن امین شامی
۵۸ ــ	تبصرة الولی	سیدهاشم بحرانی
۵۹ ــ	الارشاد	محمدبن نعمان مفید
۶۰ ــ	اعلام الوری	طبرسی
۶۱ ــ	منتخب الاثر	لطف الله صافی
۶۲ ــ	کمال الدین	شیخ صدوق
۶۳ ــ	کتاب الغیبة	محمدبن ابراهیم نعمانی
۶۴ ــ	الیواقیت والجواهر	شعرانی